



محبت اک رمز ہے جاناں

از عنایہ احمد

انتساب!

میری فیملی کے نام جو میرے لیے ایک نعمت ہے
اور کلاسک کے نام جو ہمارا خواب سے حقیقت تک کا سفر ہے۔
جملہ حقوق بحق مصنفہ اور کلاسک اردو میٹریل ویب محفوظ۔

نام کتاب۔۔۔۔۔ محبت اک رمز ہے جاناں

مصنفہ۔۔۔۔۔ عنایہ احمد

ای بک پبلشر۔۔۔۔۔ کلاسک اردو میٹریل

پروف ریڈنگ۔۔۔۔۔ سدرہ خان

کمپوزنگ۔۔۔۔۔ سدرہ خان، لاریب رانا

قیمت۔۔۔۔۔ پانچ سوروپے

سن اشاعت۔۔۔۔۔ جون 2020

پیش لفظ!

کہتے ہیں جہیز ایک لعنت ہے لیکن آج کل معاشرے کا موازنہ کریں تو یہ لعنت صرف
چند حلقوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ورنہ باقی کے طبقے کے لیے یہ کسی حق یا اعزاز
سے کم نہیں۔ دلہن کو کیا مقام دینا ہے، اسکا فیصلہ اسکے ساتھ آنے والا مال غنیمت کرتا
ہے۔ اس سب میں اس قدر اضافہ ہو چکا ہے کہ عام آدمی کے لیے سانس لینا تک دو بھر
ہو گیا ہے۔

ایک صاحب قلم کا فرض بنتا ہے کہ وہ قلم کا حق ادا کرے۔ معاشرے میں جنم لیتی برائیوں کو واضح کرے۔ لوگوں کو اپنی تحریر کے زریعے شعور بخشنے۔ میں یعنی عنایہ احمد نے بھی اپنی اس تحریر میں جہاں معاشرے کے ان چند ناسوروں کا ذکر کیا ہے، وہاں اسی معاشرے میں سانس لیتے کچھ اچھے کرداروں سے بھی متعارف کروایا ہے۔

ہمیشہ کہانی کے درج ہوتے ہیں لیکن یہ بحثیت قوم ہماراالمیہ ہے کہ ہماری نگاہیں ہمیشہ منفی پہلو تلاشی ہیں۔

کہانیوں میں سانس لیتے بہت سے کردار ہمارے ارد گرد جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔ بس ذرا سی نظر اور دلوں میں گنجائش کی ضرورت ہے۔ رقیہ خاتون کی طرح جنہوں نے ثابت کیا عورت ہی عورت کا دکھ بہتر طریقے سے سمجھ سکتی ہے۔ اگر وہ دل بڑا کر لے تو معاشرے کی آدھی برائیاں اور فرمان جیسے لوگ خود بخود دم توڑ جائیں کیونکہ ایک ماں کے ہاتھوں پوری نسل پرورش پاتی ہے۔

لیکن کہانی میں ایک اور رخ جو میں نے دکھایا ہے وہ سب سے اہم اور کامیاب زندگی کا گڑ ہے۔ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اگر رقیہ خاتون نے مرتباً کو اپنے خاندان کے لیے چناؤ مرتباً نے بھی ثابت کیا بیشک وہ بہترین انتخاب ہے۔ ایک بہترین بیوی بہترین ماں ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین انسان بھی ہے۔ جس نے ہمیشہ حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض بھی خوش اسلوبی سے نبھائے۔ اس کہانی میں جا بجا بکھرے کردار ہمارے معاشرے کا ٹوٹ انگ ہیں۔ خواہ وہ طلال ہو، عمر ہو یا انکے چھپا گھر یہ کہ جب تک ہر شخص اپنا کردار بہترین طریقے سے ادا نہیں کرے گا تو ان معاشرتی بیماریوں پہ قابو پانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو جائے گا۔ میرا نکتہ نظر بہت واضح ہے کہ اگر ان بیماریوں پہ قابو نہ پایا گیا تو معاشرے انتشار کا شکار ہو کے بکھر جائے گا۔

از عنایہ احمد

”مُنْتَهَا صَغِيرٍ وَلَدْ صَغِيرٍ اَحْمَدْ آئِكُو فرمان ولد عبد الرحمن کے نکاح میں دس لاکھ مہر حق مہر سکہ رانجِ الوقت کے تحت دیا جاتا ہے۔ آپ کو قبول ہے؟“ مولوی صاحب نے سامنے کھلے صفحات پہ نظر دوڑاتے ہوئے یہ الفاظ ادا کئے تھے۔

”قبول ہے!“ نسوانی آواز ابھری تھی اور تین بار یہ الفاظ ادا ہوئے تھے۔ ادھر مبارک باد کی آوازیں گونج اٹھی تھیں۔ سرخ دوپٹے میں چھپا حسین مکھڑا بھی خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ صفیہ بیگم نے بیٹی کا سرپیار سے چوتے ہوئے اپنی نم آنکھیں صاف کی تھیں اور اسکو ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

* * * * *

مُنْتَهَا صَغِيرٍ جس کی زندگی کا محور اسکی ماما (صفیہ بیگم) بابا (صَغِيرٍ صَاحِب) اور ایک بھائی (یاسر) تھا۔ اسکوں اور کالج میں بہت کم سہیلیاں تھیں۔ جدید زمانے والی تیز طراری سے دور وہ خلوص، محبت اور اپنے محرم (باپ، بھائی) کے حصار میں پلی بڑھی تھی۔ ماسٹر ز کے بعد فرمان کی فیملی رشته لے کے آئی تھی۔ جو جاننے والوں کے توسط سے طے پایا تھا۔ دو ہفتوں میں معمولی چھان بین کے بعد اسے نکاح کے بندھن میں باندھ دیا

گیا تھا۔ رخصتی دو ماہ بعد رکھی گئی تھی۔ یہ سب منتہا کے سرال والوں کے اصرار پہ کیا گیا تھا۔

منتہا ابھی صفیہ بیگم کو دوائی دے کے فارغ ہوئی تھی۔ تبھی اسکے موبائل پہ بیل ہوئی تھی کوئی انجمن نمبر تھا۔

"چلو میں اب نماز کے بعد آرام کروں گی۔ تم فون سن لو کس کا ہے؟" صفیہ بیگم کہتے ہوئے اٹھ گئی تھیں۔

"جی اماں!" منتہا سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔ کال لیں کر کے فون کان سے لگایا تھا۔ "ہیلو! منتہا بات کر رہی ہیں؟" کال لیں ہوتے ہی دوسری طرف سے آواز ابھری تھی۔ اجبنی لیکن ایسی حق جاتی آوازوہ پہلی بار سن رہی تھی۔ سواسکاول دھڑ کا تھا۔ بری طرح!

"ہیلو! سن رہی ہیں آپ میری آواز، میں فرمان بات کر رہا ہوں۔" فون کرنے والے نے اسکی خاموشی کو توڑنا چاہ تھا۔

منتہا کان پہ اٹھی تھی۔ کیسے بات کرے گی وہ اس سے۔ اس نے تو اپنی پوری زندگی میں باپ بھائی اور بزرگوں (مرد) کے علاوہ کسی کو مخاطب تک نہیں کیا تھا۔ "منتہا!" نام پھر دہرا یا گیا تھا۔

"یار میں تمہارا محروم ہوں۔ کیا ہو گیا ہے۔ ہم بات کر سکتے ہیں۔" ایک جھنجھلانی آواز منتہا کے کانوں میں ٹکرائی تھی۔

"جح۔ جی۔۔" منتہا بدقت منمنائی تھی۔

ہتھیلیاں بھیگ گئی تھیں اور دل تھا کہ دھڑک، دھڑک کے الگ شور مچا رہا تھا۔

"مجھے بھا بھی نے آپ کے بارے میں سب بتایا ہے۔ آپ کس مزاج کی لڑکی ہیں۔ میں نے تمہارا نمبر بھی ان سے لیا ہے۔ یارا ب تم میری بیوی ہو۔" فرمان نے آپ سے تم کا سفر دو سکینڈ میں طے کیا تھا۔
"جی!" منہابس مننا سکی تھی۔

دوسری طرف سے پھر کوئی سوال ہوا تھا۔ جس کا جواب منہاب نے نپے تلے الفاظ میں دیا تھا۔
گفتگو کا سلسلے پانچ منٹ پہ محیط رہا اور پھر کال بند ہو گئی تھی۔

اس رات کے بعد فرمان کا معمول بن گیا تھا منہاب سے بات کرنا۔ منہابھی اب تھوڑا ریلیکس ہو کے بات کر لیتی تھی۔

آج بھی معمول کے مطابق فرمان کی کال آئی تھی۔ منہابات کرتے کرتے صحن کی سڑھیوں پہ آن بیٹھی تھی۔ اماں اور بھا بھی کمروں میں تھیں اور صغیر صاحب اور یا اسر اپنے اپنے کاموں سے نکلے ہوئے تھے۔

"اچھا بتاؤ شادی کے بعد جا ب کرو گی تم۔" فرمان نے باتوں سے بات نکالی تھی۔
منہاب کے کانوں میں اماں اور بھا بھی کے الفاظ گونجے تھے۔

"بھلا شادی کے بعد نو کری کا کیا جواز اور تک۔ جب خدا نے ایک مرد کے ذمے عورت کا نان و نفقة باندھ دیا تو عورت کا کام مرد کی غیر موجودگی میں گھر پہ رہ کر اپنے گھر کو سنوارنا اور اپنی اولاد کی بہترین پروردش کرنا ہے۔ مرد تو اپنی بیوی کو گھر کی ملکہ بنائے رکھنا چاہتا ہے۔ مگر آج کل کی عورت کو کون سمجھائے جو پرانے مردوں کی چاکری کرنا چاہتی ہیں۔"

جب کبھی وہ نو کری کا ذکر کرتی صفائیہ بیگم اکثر منہاب کو سمجھاتی تھیں۔

"منہاب اماں بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مرد کا کام ہے زمانے کے سردو گرم سے اپنی عورت کو بچا کے رکھنا اور اپنی عورت کو چار دیواری کے اندر دنیا کی ہر آسائش مہیا کرنا۔ ہاں اگر تمہارا زیادہ دل کرے تو گھر میں کوئی اپنے جی بہلانے کو کوئی کام کرتی رہنا۔ کوئی مشغله اپنا

لینانا۔ آجکل کی لڑکیاں تو اتنا کچھ کرتی ہیں۔ "بھا بھی بیگم (کائنات) کے خیالات بھی اماں سے ملتے جلتے تھے۔

"سن رہی ہونا؟" فرمان کی آواز نے اسکو حال میں پٹھا تھا۔

"بھی! بھی سن رہی ہوں۔" منتہا منمنائی تھی۔

"تو بتاؤ پھر۔ کرو گی نانو کری شادی کے بعد۔" فرمان نے پھر پوچھا تھا۔

"نہیں اماں کہتی ہیں شادی کے بعد عورت کا کام گھر پر رہ کے اپنی باقی ذمہ داریاں پوری کرنا ہوتا ہے۔" منتہا نے جواب دیا تھا۔

"اے! انکو کیا پتہ بھلا۔ وہ پرانی زمانے کی ہیں۔ آجکل کے دور میں اپنے مرد کے شابہ بشانہ کام کرنا پڑتا ہے۔ دنیا بہت بدل گئی ہے اور مہنگائی بھی تو اتنی ہو گئی ہے۔ ہم دونوں مل کے کام کریں گے تو، ہی ہمارا معیار زندگی بہتر ہو گا۔" فرمان نے منتہا کو اپنا فرمان جاری کیا تھا۔

"مگر۔۔۔" منتہا نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔" فرمان نے اسکو کچھ بھی کہنے سے باز کیا تھا۔ پھر تھوڑی بات چیت کے بعد کال بند ہو گئی تھی۔

رخصتی میں ایک ماہ رہ گیا تھا۔ فرمان ہر روز کوئی ناکوئی نئی بات منتہا کو سنادیتا تھا۔ منتہا خوش ہونے کی بجائے پریشان ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اسے ایک فکر لگی رہتی تھی کہ اب کیا ہو گا۔ عجیب رشتہ تھا انکا۔ منتہا نے ابھی اس رشتے کو محسوس بھی نہ کیا تھا کہ ہر روز نئی نئی باتیں اسکو پریشان کر رہی تھیں۔

انہی سوچوں میں گم تھی کہ فون نج اٹھا تھا۔ منتہا کا پریشانی سے دل دھڑکا کہ وہ آج کیا نیا بتائے گا۔

”السلام علیکم!“ منتہا نے سلام کیا تھا۔

”سلام بعد میں کہتی رہنا تم ملائی صاحبہ۔ یہ کیا نیا تماشہ شروع کیا ہوا ہے تمہارے گھر والوں نے۔“ فرمان بھڑک اٹھا تھا۔

”نج... جی کیا ہوا ہے؟ آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں؟“ منتہا پریشانی سے بولی تھی۔

”تم ہونا سب سے بڑی پریشانی۔ تم سے نکاح کر کے میں عذاب میں آگیا ہوں۔“ فرمان نان اسٹاپ شروع ہو چکا تھا۔

”کچھ بتائیں بھی پلیز۔“ منتہا نے روتے ہوئے پوچھا تھا۔

”تمہارے گھر والوں کو لست ہی بھیجی ہے تھی میری اماں نے چند چیزوں کی تواں پہ اتنے بھڑکنے والی کیا بات تھی۔“ فرمان اصل بات پہ آیا تھا۔

”فرمان وہ دراصل گھر کے حالات اتنے اچھے نہیں ہیں ابھی۔ میرے گھروالے ابھی وہ مہنگا سامان افورڈ نہیں کر سکتے۔ پہلے ہی وہ اتنا کچھ دے رہے ہیں۔“ منتہا نے کہا تھا۔

”تو احسان کر رہے ہیں ہمارے سر؟ اپنی بیٹی کو دے رہے ہیں۔ سب دیتے ہیں تمہارے گھروالے کو نسا انوکھا دے رہے ہیں۔“ فرمان نے اپنا اصل روپ اسکے سامنے رکھا تھا۔

”اکلوتی بیٹی ہو تم انکی۔ اتنا دیتے بھی جان جارہی ہے۔ اپنے گھر والوں کو منالو۔ بعد میں اگر کچھ ہو تو مجھ سے گلہ نہ کرنا۔“ فرمان نے آخری پتا پھینکا تھا۔

”کیا مطلب بعد میں؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“ منتہا نے تڑپ کے پوچھا تھا۔

”سید ہی سی صاف بات ہے۔ بیٹھی رہنا اپنے گھر تم ہمیشہ۔ میرے گھر والوں کو تم قبول نہیں ہو، یوں خالی خوی۔ جلدی کوئی فیصلہ کر لو۔ آخر دنیا میں سب کے ماں باپ اپنی

بیلیوں کو ٹرک بھر جہیز دیتے ہیں۔ "کہتے ساتھ ہی فرمان کھٹاک سے فون بند کر گیا تھا۔
منتہا غائب دماغی پہ وہی بیٹھتی رہ گئی تھی۔

کمرے میں گھپ اندر ھیرا تھا۔ جیسا اندر ھیرا اسکی زندگی میں ہو گیا تھا۔ وہ بیڈ کی پائنتی سے
لگی بیٹھی زندگی کی اس ستم طرفی پہ ماتم کناں تھی۔ دوپٹہ بیڈ پہ پڑا تھا۔ وہ ڈوپٹے سے بے
نیاز بکھرے بالوں اور بہت آنکھوں سے زندگی کے اس خسارے سے سوال کر رہی
تھی۔

جسکا ایک جواب اور حل تھا، صبر اور وقت۔ وقت سے بڑا کوئی مر ہم نہیں ہوتا۔
"تم جیسی لڑکی کے ساتھ میرا گزارہ نہیں، نہ شکل، نہ عقل اور نہ دولت۔" فرمان نے
طلاق کے تحفے کے ساتھ یہ طعنے بھی دیے تھے۔

چاہے کتنا بڑا دکھ ہو یا خسارہ ہو جائے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خدا صبر بھی دے
دیتا ہے۔ اسے بھی تو صبر ہی کرنا تھا اب اور اس وقت کا انتظار جب اسکے زخم بھر جائیں۔
منتہا صغیر احمد سے منتہا فرمان بنے کا سفر بمشکل دو ماہ پہ محيط تھا اور یہ مدت منتہا پہ طلاق کا
دھبہ لگا گئی تھی۔ ایک ہنستی کھیلتی چلبی سی لڑکی کو سنجیدگی کا لبادہ پہنا گئی تھی۔ جس عمر
میں لڑکیاں نازو نخزے اٹھواتی ہیں اور فرمائشیں پوری کرواتی ہیں۔ اس عمر میں منتہا کو
لوگوں کی عجیب نظر وں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ لوگوں کے چھلتے تیکھے سوا لات کی بوچھاڑ
کو سہنا پڑ رہا تھا۔ پہلے پہل تو اسکو اس انہوں کا یقین ہی نہ آیا تھا۔

خاندان کے لوگوں نے اسے ہی ملزم ٹھہرایا تھا۔

نکاح مرد اور عورت کے سب تعلقات میں سے سب سے زیادہ اہم اور پاکیزہ رشتہ ہے۔
جس میں بندھ کے ایک عورت معتبر صحیحی جاتی ہے۔ محروم کا ساتھ ایک محفوظ اور مظبوط

قلعہ کی طرح ہوتا ہے۔ جو عورت کو ہر طرح کے سردو گرم سے محفوظ رکھتا ہے۔ زمانے کے نشیب و فراز سے بچا کے رکھتا ہے۔ مگر مرتبا کے ساتھ بالکل بر عکس ہوا تھا۔ اسکے محرم نے اسکو خود زمانے کے تھیڑوں کے سپرد کیا تھا۔

بڑے سے گیٹ سے طویل راہداری طے کر کے اندر آتے ہوئے تین پورشنز کی طرف جاتے تین میں گیٹ تھے۔ جہاں تین بھائیوں جیسے کمزاز اپنے بیوی بھوں کے ساتھ آباد تھے۔ سب سے پہلے گھر آتا تھا وجہت صاحب کا۔ جو چھ برس پہلے اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے۔ پچھے انکی ایک بیٹی صالحہ وجہت، ایک بیٹا طلال وجہت اور بیگم رقیہ وجہت کو چھوڑ گئے تھے۔ صالحہ کی شادی کو دس سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اسکے دو بیٹے تھے۔ ایک چھ سالہ احدا اور ایک تین سالہ حدید۔

ساتھ والے پورشن میں محسن صاحب کا پورشن تھا۔ جہاں وہ اپنی بیوی عاصمہ اور انکے دو بیٹے اور ایک بیٹی کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ بڑا بیٹا عمر محسن چھوٹا عمر اور سب سے چھوٹی بہن عمرہ تھی۔

اس کے ساتھ والے پورشن میں محسن صاحب کے چھوٹے بھائی اکرام صاحب رہتے تھے۔ انکی بیوی افشاں نے اپنی محبت سے اس گھر کو امن کا گھوارہ بنایا ہوا تھا۔ اور انکی کل کائنات انکی ایک بیٹی تھی مومنہ اکرام۔

اکرام صاحب اور محسن صاحب دونوں بھائی تھے اور وجہت صاحب انکے تایزاد کزن تھے۔ انکے والدین ایک ایکسٹریٹ میں خدا کو پیارے ہو چکے تھے۔ اس وقت وجہت صاحب نے اپنے والدین کا دکھ سینے میں دفاتر ہوئے ان دونوں بھائیوں کو باپ کا پیار دے کے پالا تھا۔ یوں وہ تینیوں کیجاں تھے۔ وجہت ان سے عمر میں پندرہ سال بڑھے

تھے اور انکا آپس میں بے حد پیار تھا۔ اسل لیے شادیوں کے بعد بھی انکو اکٹھے رہتے آئے تھے۔ یہاں تک کہ انکی اولاد میں جوان ہو گئی تھیں۔ وجہت کی وفات پر انکو لوگا تھا آج انکا باپ فوت ہوا ہے۔ اس صدمے سے سب ڈھنگئے تھے۔ مگر زندگی کا کام چلتے رہنا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب کو صبر آ جاتا ہے۔

رقیہ بیگم اپنے پورشن میں بیٹھی ذکرو اذکار میں مشغول تھیں۔ جب دھرام کی آواز سے میں گیٹ کھلا تھا اور بھاگتی ہوئی ایک پری اندر داخل ہوئی تھی۔

"دادو! دادو!! مجھے بچا لیں اس جلا دسے۔" مومنہ چھپتی اندر داخل ہوئی تھی۔ سب بچے رقیہ بیگم کو دادو کہتے تھے اور طلال کو چاچا اور صالح کو پھوپھو۔ انہوں نے انکے علاوہ کوئی ددھیاں لی رشتہ دیکھا بھی نہیں تھا۔

"خدا یا خیر۔" رقیہ بیگم نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ مومنہ نے آتے ہی دادی کی چادر میں خود کو چھپانا چاہا تھا۔

"ہوا کیا ہے مومنہ جو یوں آندھی طوفان بنی آر، ہی ہو۔ ضروری تم میرے عمر کو تنگ کر کے آئی ہوگی۔" رقیہ بیگم بھی اسکلی رگ رگ سے واقف تھیں۔

"دادو آپ کی قسم میں نے انکو کچھ نہیں کہا۔ میں تو کتنی معصوم ہوں نا۔" مومنہ نے اپنا پرانا ہتھیار آنکھوں میں آنسو دل لاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں ہاں مجھے سب پتہ ہے۔" رقیہ بیگم ہنسنے ہوئے بولی تھیں۔ تبھی عمر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"دادو میں بتارہا ہوں۔ آج آپ میرے اور اس کے پچ نہیں آئیں گی۔ اس لڑکی کی عقل درست کرتا ہوں میں آج۔" عمر نے اندر آتے ہوئے کہا تھا۔ کیونکہ ہمیشہ وہ اپنی غلطی پر رقیہ بیگم کو ڈھال بنایتی تھی۔

"اے ارے بھئی پتہ بھی تو چلے اس معصوم نے کیا کیا ہے؟" رقیہ بیگم نے مسکراہٹ کو روکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"یہ معصوم کس کو کہہ رہیں آپ اور تم اب ادھر کیوں چھپی بیٹھی ہو؟" عمر نے سرپہ پہنچ کے غراتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا اچھا۔۔۔ بیٹھ کے بات کرو۔ لڑکیوں پر ایسے غصے نہیں کرتے اور بہنوں بیٹیوں پر تو ہرگز نہیں۔" رقیہ بیگم نے عمر کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔

"لا حول ولا قوۃ۔ دادو! نہ یہ میری بہن ہے نہ ہی بیٹی۔ تیسرا آپشن آپکو کبھی نظر نہیں آتا۔" عمر دانت پیستے ہوئے بولا تھا اور آخری جملہ منہ میں بولا تھا۔

"اچھا بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟" رقیہ بیگم نے عمر پہ اب آنکھیں نکالی تھیں۔

"دادو پوچھیں اس سے میرے نئے ائیر پوڈ (airpods) کے ساتھ یہ کیا کر کے آئی ہے؟" عمر نے مومنہ کو منہ باہر نکلاتے دیکھا تھا تو اسکو گھورتے ہوئے بولا تھا۔

"بتاؤ مومنہ! کتنی بار منع کیا ہے تمہیں الٹی حرکتوں سے۔" رقیہ بیگم نے اب مومنہ کو گھر کا تھا۔

"دادو اس میں بھی انکی غلطی ہے نا۔ انہوں نے صبح سے مجھ سے اپنی چھ شرٹس استری کروائی ہیں لیکن ان میں سے پہنی ایک بھی نہیں اور پھر ساتویں کروائی تو وہ بھی پچھی کے ڈانٹنے پہنی تھی۔" مومنہ نے اپناد کھڑا سنایا تھا۔

"کیوں عمر؟" اب رقیہ بیگم نے عمر کو گھورا تھا۔

"تو مجھے استری ہونے کے بعد وہ نہیں پسند آئی تھیں نا۔" عمر نے جواز دیا تھا۔

"تو مجھے بھی آپکے ائیر پوڈ نہیں پسند آئے تھے۔ میں نے بھی چائے میں ڈبو دیے سمپل۔ آپ کو پتہ ہے دادو میں نے وہ ویڈیو ایف بی پہ اپلوڈ کی۔ فائیو کے لانکس آئے ہیں اور---" مومنہ اپنے کارنا مے بتا رہی تھی۔

"مومنہ نق جاؤ اب مجھ سے۔" عمر نے اسکی بات کو کاٹنے ہوئے کہا تھا۔ "دادو" مومنہ نے آنکھوں میں آنسو لیے پھر رقیہ بیگم کو پکارا تھا۔ "خبردار میری بھی کو کچھ کہا تم نے۔ جاؤ تم انیہ کو دیکھو۔" رقیہ بیگم نے مومنہ کو منظر سے غائب کیا تھا۔ مومنہ عمر کو ایک نظر دیکھ کے جلاتی آگے بڑھ گئی تھی۔ "یہ نہایت چالاک لڑکی ہے۔" عمر نے رقیہ بیگم سے کہا تھا۔

"خبردار میری بھی کو کچھ کہا۔ تم لوگوں سے ہی تو میرے گھر میں رونق ہے۔ ورنہ اس گھر کا ویرانہ کاٹنے کو دوڑتا ہے۔" رقیہ بیگم نے نم آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔ "دادو ہم سب ہیں نا آپ کے پاس۔" عمر نے انکے ہاتھ تھامتے ہوئے انکے آنسو صاف کیے تھے۔

"تم لوگوں کا ہی سہارا ہے ورنہ میں تو کب کی مر گئی ہوتی۔ میرا دل کلٹا ہے اپنے بیٹی کی حالت پہ۔ نظر ہی لگ گئی ہے میرے بیٹی کو۔ جب سے شادی ہوئی اسکا سکون ہی روٹھ گیا اور اب تو اللہ نے اسکا امتحان اور سخت کر دیا۔" رقیہ بیگم بلکہ اٹھی تھیں۔

"بس دادو پر پیشان مت ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ خود ہی کہتیں ہیں ناخد اپنے نیک بندوں کی آزمائش لیتا ہے۔ تو یہ بھی چاچو کی آزمائش ہو گی اور ہمارے چاچواتنے کمزور ہر گز نہیں کہ وہ آزمائش پہ پورے نہ اتریں۔" عمر نے ان کے کمزور وجود کو سہارا دیتے ہوئے کہا تھا۔ ایک نظر چاروں اطراف گھمائی تھی۔ جہاں واقعی ہی دوسال سے ویرانی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

"یا اللہ اس گھر کو آباد کر دے، آمین۔" عمر نے دل میں دعا کی تھی۔

یہ ایک آفس کا منظر تھا۔ جہاں پر گھٹری نونچ کر پچپن منٹ کا وقت بتا رہی تھی۔ ہر طرف افرا تفری پھی ہوئی تھی۔ ہر کوئی خود پہ نظریں دوڑاتا خود کو اور اپنے ارد گرد بکھری چیزوں کو سمیٹ رہا تھا۔ ہر کوئی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سب کی نظریں گھٹری کے ساتھ ساتھ داخلی دروازے پہ مرکوز تھیں۔

"باس کے آنے میں صرف تین سینٹ پہنچے ہیں۔ جلدی سے سب اپنی اپنی جگہ پہ چلے جائیں۔ سب کچھ ارتیخ ہونا چاہیے۔" مینجر نے سب کو مطلع کیا تھا۔

تبھی گھٹری کے ہندسے نے دس بجے کا شور مچایا تھا اور سب کے دل بھی دھڑک اٹھے تھے۔ سب سانس روکے سیدھے اپنے اپنے کیپن میں کھڑے تھے۔ مینجر نے ستائشی نظریوں سے ارد گرد کا جائزہ لیا تھا۔ سب کچھ صاف شفاف نظر آیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ مگر اسکو ایک ڈر تھا کیونکہ بس کی طبیعت سے بخوبی واقف تھا۔

سیاہ گاڑی ایک شاندار آفس کے سامنے آ کر رکھی تھی۔ نیوی بلیو گلر کے ٹوپیں میں ملبوس داز قد، ورزشی جسم کا مالک چہرے پہ سختی اور آنکھوں پر گلاسز چڑھائے وہ گاڑی چہرے پہ چھائی سنجیدگی کی وہ تہہ اسکو اور خوبرو بنارہی تھی۔

وہ ناک کی سی سیدھی میں چلتا اپنے اسٹینٹ کے ہمراہ آفس کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جو دل ہی دل میں روزانہ کی طرح ایک ہی دعا کر رہا تھا کہ آج بس کا موڑ ٹھیک رہے۔

متوازن چال چلتا وہ رکا۔ ساتھ ہی اسٹینٹ کا سانس رکا تھا۔

وہ مرٹ اور مودب کھڑے گن میں کے جوتے پہ پڑی دھول کونا گواری سے دیکھا اور ایک نظر مرٹ کے اپنے اسٹنٹ کو ایک آنکھ دکھا کر کچھ اشارہ کیا تھا۔

وہ گن میں کو بغیر کچھ کہے آگے بڑھا تھا۔ اسٹنٹ کو اسکی ایک آنکھ سے اشارہ مل گیا تھا کہ اسکی صفائی کا خاص خیال رکھا جائے۔ کیونکہ اس نے دھول مٹی میں رہنا ہوتا ہے۔ اس لیے اسکو تمام سہولتیں دی جائیں۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا آفس میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ہر طرف تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیتا آگے بڑھ رہا تھا۔ تبھی ایک ڈیسک کے سامنے رکا اور ہاتھ بڑھا کے ایک ورکر کی ٹائی کی ناٹ کو ٹھیک کیا تھا۔

"اگلی بار یہ ٹھیک سے لگی ہو۔" سرد لمحے میں کہا گیا تھا۔

تحوڑا آگے بڑھا تھا تو ٹیبل پہ دھول نظر آئی۔ وہ لب بھینچے ٹیبل پہ گیا اور وہاں پڑے ٹشو باکس سے ٹشو نکالتے ہوئے میز پر پڑی دھول کو صاف کرتا ٹشو باکس ڈسٹ بن میں چھینکتا اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جس پہ طال و جاہت کے حروف آویزاں تھے۔ سب نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے اپنی اپنی نشت سن بھالی تھی۔

"اسلام علیکم بآس!" مینجر نے اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر کہا تھا۔

"وعلیکم اسلام آج ہمدانی گروپس کے ساتھ میٹنگ ہے تو تیاری مکمل کر لیں اپنی۔ مجھے کوئی گرڈ بڑ نہیں چاہیے اور اپنی نظر بھی چیک کروالیں۔ تاکہ آپکو دھول مٹی بھی نظر آنی شروع ہو جائے۔" مینجر کو آرڈر دیتے آخر میں اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور وہ اسے باور کروا یا تھا۔

"اب آپ جاسکتے ہیں۔ اب آپ مجھے آج کی ساری ڈیٹیلز بتائیں۔" مینجر کو جانے کا عندیہ دینے کے ساتھ ساتھ سامنے کھڑے اسٹنٹ کو الٹ کیا تھا۔ جواب اس کو آج کے دن کی تفصیلات بتارہا تھا۔

مومنہ انیہ کو سلاکے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ بک ریک سے اپنے ناولز لینے کے لیے آگے بڑھی تھی مگر خالی بک ریک منہ چڑار ہی تھی۔

"ابھی کل تو میں نئے ناولز لے کے آئی تھی۔ یہاں ہی رکھے تھے۔" مومنہ بڑھا ای تھی۔ کل وہ رقمیہ بیگم کے ساتھ انیہ کی چیزیں لینے گئی تھی۔ تب اپنے لیے ناولز بھی لے کے آئی تھی۔ مگر اب وہاں کچھ نہیں تھا۔

"دراز میں دیکھتی ہوں۔" مومنہ نے بیڈ کے سامنے دراز کو چیک کیا مگر وہاں بھی کچھ نہیں ملا تھا۔

مومنہ نے سارا کمرہ چھان مارا تھا۔ اب غصے سے اسکا بر احوال تھا۔ وہ جھنجھلاتی باہر نکلی تھی۔

"اما میں کل جو ناولز لے کے آئی تھی وہ کہہ ہیں؟ میں سارا کمرہ چھان آئی ہوں نہیں مل رہے۔" مومنہ نے لاونچ میں بیٹھی ماں سے آکے دکھڑا روایا تھا۔

"بیٹا آہستہ بولو انیہ اٹھ جائے گی۔ یہیں کہیں ہوں گے۔ ادھر آؤ فرنج میں کھیر پڑی ہے وہ زراعم کو دے آؤ۔" افشاں نے مومنہ سے کہا تھا۔

"اما ایک تو مجھے میرے ناولز نہیں مل رہے اور آپ مجھے مزدوری پہ لگا رہی ہیں؟" مومنہ نے احتجاج کیا تھا۔

تبھی دماغ میں کچھ کلک ہوا تھا۔

"عمر!!!!!! نج جاؤ اب تم مجھ سے۔" مومنہ نے دانت پیستے ہوئے بلند آواز میں کہا تھا۔

"مومنہ اب تم مجھ سے مار کھاؤ گی۔ اگر انیہ اٹھی تو۔" افشاں بیگم نے اس کو اب سخت نظروں سے گھورا تھا۔ کیونکہ انیہ کے سامنے انکو کوئی بھی پیارا نہ تھا۔

چاہے انکی اکلوتی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔

مگر مومنہ تب تک باہر نکل چکی تھی۔

"اف یہ لڑکی۔" افشاں بیگم نے ماتھے پہ ہاتھ مارا تھا۔

"تاںی اماں! تاںی اماں!!" مومنہ نے ساتھ والے پورشن میں جاتے ہی آوازیں دینا شروع کر دی تھیں۔

"کیا ہوا بیٹا؟ کچن میں ہوں یہاں آجائے۔" عاصمہ بیگم نے مصروف انداز میں کہا تھا۔

"تاںی اماں! جلدی سے بتائیں عمر کہاں ہے؟" مومنہ نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کچن میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کیا ہوا سب خیریت ہے؟ سانس کیوں پھولی ہوئی ہے۔" عاصمہ نے اب اپنارخ اسکی جانب کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی جی سب ٹھیک ہے۔ وہ دراصل عمر میری بکس لے کے آیا تھا۔ وہی واپس لیتی ہیں۔" مومنہ نے تاںی اماں کو جواب دیا تھا۔

"اچھا وہ ابھی آیا ہے فیکٹری سے۔ اوپر ہو گا اور تم بات سنو۔" عاصمہ بیگم نے اسے کہا تھا۔ مگر بات پوری ہونے سے پہلے وہ بھاگ نکلی تھی۔

"تاںی اماں بس میں اپنی ایک قیمتی چیز ڈھونڈنے کے مشن میں ہوں۔ بعد میں آتی ہوں آپ کے پاس۔" مومنہ اوپنجی آواز میں کہتے ہوئے سیڑھیاں پھلانگ رہی تھی۔

"مومنہ بچے دھیان سے۔ چوتھے لگوالینا۔" عاصمہ نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔ مگر مومنہ کے سر پہ خون سوار تھا۔ دھڑام سے دروازہ کھولا تو وہ شرط کے بغیر گھومتا نظر آیا تھا۔

"بد تیز انسان شرط پہنوا اپنی جلدی۔ مجھے اندر آنا ہے۔" مومنہ نے جلدی سے اپنارخ موڑتے ہوئے کہا تھا۔

"بد تیز میں نہیں آپ ہیں چالاک لو مری۔ اللہ رے ایک تو بغیر ناک کیے سیدھا منہ اٹھا کے کمرے میں گھسی ہوا اور سے مجھے ہی بد تیز کہہ رہی ہو۔ عجیب زمانہ آگیا ہے۔ نکلو یہاں سے۔" عمر محسن کو ناسکی سے کم تھا۔ اس نے بھی حساب برابر کیا۔

"عمر پلیز پہن لو شرط۔ مجھے ایک بات کرنی ہے ضروری۔ میں بہت پریشان ہوں۔" مومنہ نے اپنی آواز کو ممکنہ حد تک آزردہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے آ جاؤ۔ پہن لی ہے۔" ہمیشہ کی طرح اسکی ایمو شنل بیلک مینگ کام آئی تھی۔

"تمہیں تواب میں بتاتی ہوں۔" مومنہ نے دانت پیستے ہوئے خود سے کہا اور اندر بڑھی جو بلیک شرط میں کھڑا اسکی طرف ہی متوجہ تھا۔

ماتھے پہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہلکی گندمی رنگت، شوخ اور روشن آنکھیں، کسر و قی بازو اور دراز قد۔۔۔ وہ ایک شاندار مرد تھا۔

"چھپھوندر" مومنہ نے اسکے بازو پہ مکارتے ہوئے اس کو پہلے لقب سے نوازا تھا۔

"اوٹ" لمبے قد پہ لقب سے نوازتے اگلام کاسینے پہ دائیں جانب پڑا تھا۔ عمر ارے کرتا ہنسنے کے کھاتا پیچھے کی طرف جا رہا تھا۔

"ڈائنسور" اب کے مکاندھے پہ مارا تھا۔ مگر اچھل کے مارنا پڑا کیونکہ وہ اس سے قد میں برابر نہیں تھی۔

"لنگور" اب کے مکاسینے پہ دائیں جانب دل کے مقام پہ پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ تشدید مزید بڑھتا عمر نے اس کا نھا سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کے نیچے چھپا دیا تھا۔ مومنہ کے ہاتھ کے نیچے خون کا لوٹھڑا شدت سے دھڑ کارہا تھا۔ مومنہ کو ایک پل کے لیے اپنا ہاتھ بھی اسی شدت سے دھڑ کتا محسوس ہوا۔

"ہائے مارا ڈالا ظالم لنگور کی حور۔" عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

"خبردار اگر تم آج بولے بھی تو۔ بس میری سنو گے۔" مومنہ نے اسکو وارن کیا تھا۔

"اتنا کچھ سننے کے بعد بھی کسر پچھی ہے کوئی؟ لگنور، ڈاناسور، اونٹ اور کیا بولا تھا بھلا؟"

عمر نے اسکے چہرے کو ملائمت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"چھپھوندر، چھپھوندر بار بار کھوں گی۔ اب بتاؤ میرے ناو لز کدھر ہیں؟ تم چوری کر کے

لائے ہونا؟" مومنہ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے خونخوار نظر وں سے اسے دیکھتے ہوئے

پوچھا تھا۔

"وہ کیا ہوتے ہیں؟" عمر نے معصومیت کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا تھا۔

"عمر ڈرامے مت کرو سچ سچ بتاؤ۔ میں تمہیں اچھے سے جانتی ہوں۔" مومنہ نے اسکو انگلی

اٹھا کے وارن کیا تھا۔ عمر بے ساختہ ہنسا۔

"اف لو مری کی دھمکیاں۔ میں توڈر گیا۔ چلو بہت ہو گیا تمہارا ڈرامہ۔ میں تھکا ہوا آیا

ہوں۔ نکلواب یہاں سے۔" اسکے نرم و نازک سراپے سے نظریں چراتے ہوئے عمر نے

ناچاہتے ہوئے بھی اسکو منظر سے غائب کرنا چاہ تھا۔

"تم ایک بد تمیز انسان ہو۔ جسے ایک لڑکی سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں ہے۔ تم مجھے

کمرے سے نکال رہے ہو۔ تم اب یاد رکھنا۔ دادو کہتی ہیں بہن، بیٹیوں سے تمیز سے بات

کرنی چاہیے۔" مومنہ نے غصے سے کہتے ہوئے آخر میں رقیہ بیگم کی بات یاد کروائی تھی۔

"مومنہ نقچ جاؤ میرے ہاتھ سے۔ تم میری بہن نہیں ہو۔ ہر ار بار تم سے بکواس کی ہے

میں نے۔ نکلواب یہاں سے۔" عمر ہمیشہ کی طرح اس بات پر بھرا تھا۔

"اب طلال چاچو ہی تم سے بات کریں گے بکرے! خبردار آج کے بعد مجھے بلا یا بھی تو۔"

مومنہ ٹھاہ دروازہ بند کر کے اسکو دھمکاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

"بہن بہت افسوس ہوا۔ اتنی اچھی بچی کو یہ داغ لگ گیا۔" محلے کی عورت تین صفیہ بیگم کے پاس اظہار ہمدردی کو آئیں تھیں۔

"ہاں بہن مگر اب افسوس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔" اب دوسری عورت بولی تھیں۔ "بس خدا کی کرنی ہے۔ خدامیری بچی کے نصیب اچھے کرے۔" صفیہ بیگم نے نم آنکھیں صاف کرتے کھاتھا۔

"بہن ہوا کیا تھا؟" پہلی عورت نے پھر پوچھا تھا۔

صفیہ بیگم کی نظر وہ میں پر انا منظر تازہ ہو گیا تھا۔

منتہا کے سرال والوں کی دی گئی لسٹ کی تمام چیزیں تیار کر لی گئیں تھیں۔

کیسے؟ یہ صرف صغیر صاحب اور یا سر کو معلوم تھا۔ صفیہ بیگم کو بس اتنا اندازہ تھا کہ وہ ایک بھاری قرض کی رقم تلے دب چکے ہیں۔

آج منتہا کے سرال ڈیٹ فلکس کرنے آرہے تھے۔ منتہا البتہ اس دن فرمان کے رویے سے ٹوٹ چکی تھی۔

اس دن کے بعد فرمان نے رابطہ نہ کیا تھا۔ منتہا کا دل پر شیان ہر جذبے سے عاری تھا۔ اب بھی وہ زبردستی مسکراہٹ سجائے سب سے ملی تھی۔

تب ہی، ہی ایک شور سا اٹھا تھا۔ ڈرائیور میں سے صغیر صاحب کی کرخت آواز کے ساتھ منتہا کے سر کی آواز بھی آئی تھی۔ منتہا کے سرال کا اگلا مطالبہ نئے مادل کی گاڑی تھا۔

Sugir صاحب چند منٹ خاموش رہے تھے۔ پھر کسی فیصلے پہ پہنچتے انہوں نے خاموشی کو توڑا تھا۔

"آپ لوگ اب جاسکتے ہیں اور مجھے امید ہے آپ جلد ہی طلاق کے کاغذات بھی بھیج دیں گے۔ ورنہ میں خلع کا کیس دائر کر کے اپنی بیٹی کی علیحدگی کروالوں گا۔ وہ رہا باہر کا دروازہ۔ صغیر صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے بلند آواز میں وہاں بیٹھے لوگوں سے کہا تھا۔ سب کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

پلانگ خراب ہونے پہ متھا کی ساس کو غصہ آیا تھا۔
"کیسے باپ ہیں آپ۔ بیٹی پہ طلاق کا دھبہ لگوانا چاہتے ہیں۔ کوئی نہیں لے گا آپ کی بیٹی۔ سارا زمانہ تھوڑو کرے گا۔" خاتون کی زبان فرائٹ بھر رہی تھی۔ بجائے شرمندہ ہونے کے وہ الثابر سر ہی تھی۔

"آپ کو یہ فکر کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ ہم یہ رشتہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہماری طرف سے ختم ہے۔ آپ لوگ اب جاسکتے ہیں۔" صغیر صاحب نے اب کی بار غصے سے کہا تھا۔

"بابا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" یاسر تیزی سے باپ کی جانب بڑھا تھا۔

"تسلی رکھو، تمہارا باپ کوئی غلط فیصلہ نہیں کرے گا۔" صغیر نے ایک بھائی کی ترڑپ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ دونوں ہی بے بس تھے۔

"اٹھیں آپ سب لوگ۔ ہمیں بھی ایسے لوگوں سے رشتہ قائم نہیں کرنا۔ پچھتا نہیں گے آپ اپنے فیصلے پہ۔" خاتون یہ کہتے باہر نکل گئی تھیں۔

پچھے سب باری باری کمرے سے نکل گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد صغیر صاحب کرسی پہ ڈھنے گئے تھے۔ آنکھ سے بے بسی سے ایک آنسو نکلا تھا۔

"بaba ہماری متھا پہ طلاق کا دھبہ لگ جائے گا۔ وہ تو ہماری لاڈلی ہے۔ ہم کیسے اس کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔ میں اور قرض کے لوں گایا کچھ بچ دیں گے نا۔" یاسر کو ہر حال میں بہن پیاری تھی۔

"بیٹا لاڈلی ہے اس لیے یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے۔ اگر اسکو زمانے کی ٹھوکروں کے سپرد کر دیا تو سہہ نہیں پائے گی۔ ایسے رشتے جن کی بنیادیں کھو کھلی ہوں یا جن کی معیاد ایک لاقچ ہو اسکو بروقت ختم کر دینا چاہیے۔ ورنہ وہ رشتے ہمیں ختم کر دیتے ہیں۔" صغیر صاحب نے یاسر کو سمجھایا تھا۔

اور یوں ایک قیامت گزری تھی مرتباً کی زندگی پہ۔

سب کو افسوس تھا۔ لوگوں نے چار دن افسوس کیا۔ کچھ نے باتیں کیں۔ مگر پھر سب اپنی اپنی زندگی میں مگن ہو گئے تھے۔

مومنہ کا مودبری طرح سے خراب تھا۔ وہ انیسہ کو لے کے رقیہ بیگم کے پاس آگئی تھی۔ اب انیسہ سامنے پڑے کھلو نے کے ساتھ کھلینے میں مگن تھی اور وہ رقیہ بیگم کے لیے چائے بنائے لائی تھی۔ گھری رات کے نوبجوار ہی تھی۔

تبھی گاڑی آکے رکی تھی اور کچھ دیر کے بعد تھکا ہار اطلال اندر آتا نظر آیا تھا۔

"اسلام علیکم!" طلال نے اندر آتے ہوئے سب کو سلام کیا تھا۔ ہاتھ پڑھا کے مومنہ کو پیارا کیا اور انیسہ کو گود میں اٹھا کے چوما تھا۔

"کیسی ہے آپکی طبیعت اب اماں جان؟" طلال نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔ "شکر ہے میرے بچے۔ تمہیں دیکھ کے ہی جیتی ہوں میں تو۔" رقیہ بیگم نے طلال پہ آئیں پڑھ کے پھونکتے ہوئے کہا تھا۔

"بابا کی جان نے تنگ تو نہیں کیا دادو کو اور آپی کو؟" طلال نے ماں کے سر پہ بوسہ دیتے ہوئے گود میں بیٹھی جان سے پیاری بیٹی کا گول مٹول سا گال پیار سا چھوا تھا۔

وہ ایک نظر باپ پہ ڈال کے اسکی شرط کے بُنؤں سے کھینے لگی تھی۔ طلال اسکی اس ادا پہ واری ہوا اور اس کا سرچو ما۔

"آج میرا بیٹا پریشان لگ رہا ہے۔" طلال نے سامنے صوفے پہ بیٹھی مومنہ کو دیکھ کے کہا تھا۔ طلال نے انکو اپنے ہاتھوں سے پالا تھا۔

اس پیار کو دیکھتے ہوئے عاصمہ اور افشا نے بچوں کو طلال کو چاچا کہنا، صالحہ کو پھوپھو اور رقیہ کو دادو کہنے کی عادتیں ڈالی تھیں اور وہ ان رشتتوں کے تقاضوں پہ بھی پورے اترتے تھے۔

بھلے سے ہی انکے باپ آپس میں کمزور تھے اور کچھ یہ چند گھر انوں کی روایات ہوتیں ہیں۔ عمر اور مومنہ کے پاس ددھیا لی رشتتوں کے نام پہ کوئی اور رشتہ بھی نہیں تھا سوائے وجہت اور رقیہ بیگم کی فیملی کے۔

"طلال چاچو" مومنہ اپناسب سے بڑا ہمدرد سامنے پا کے روہانی ہوئی۔

"چاچو کے بچے کو کیا ہوا؟ ادھر آؤ۔ عمر نے کچھ کہا ہے؟" طلال نے اس سے پوچھا۔
"جی بہت ڈانٹا مجھے۔ ایک تو میرے ناولز چرا لیے اور پھر کمرے سے بھی نکال دیا۔" وہ طلال کے بازو سے لگی اب شکایتیں لگانے میں مگن تھی۔
رقیہ بیگم ہنس رہی تھیں۔

وہ ان دونوں کے پیار سے واقف تھی۔

اور اگر کوئی اس کھڑوس اور سنجیدہ طلال کو اتنے نرم اور کئیرنگ انداز میں دیکھ لیتا تو زور غش کھا کے گرپڑتا۔

"اسکو تو میں ذرا دیکھتا ہوں صحیح۔ اس کی اتنی جرأت۔ اب موڈٹھیک کرو میرا بچہ۔"
طلال نے اپنے بازو کے ساتھ لگی مومنہ کو تسلی دی تھی۔
"پکانا؟" مومنہ نے لیقین دہانی چاہی۔

"پکا" طلال نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

اور یہ اسکے پورے دن کی پہلی مسکراہٹ تھی۔

جو صرف گود میں بیٹھی بیٹی، دوسری بیٹی جو ساتھ بیٹھی تھی اور ماں کی موجودگی میں آتی تھی۔

مگر یہ صرف دوسینڈ کی تھی۔

"اچھا چلیں اٹھ کے فریش ہوں میں کھانا لگاتی ہوں۔ بی حمیدہ آج جلدی چلی گئی تھیں۔"

مومنہ کا مودا ایک دم اچھا ہو گیا تھا۔

"اوکے چلوانیہ! آپی کے پاس جاؤ۔ بابا فریش ہو کے آتے ہیں۔" طلال نے انہی سے کہا اور اٹھ کے چلا گیا۔

قیامت آئی اور گزر گئی۔ بر اوقت آتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ مگر جوازیت اس وقت میں سہنی پڑتی ہے وہ ناقابل بیان ہوتی ہے۔ پل پل زندگی حساب مانگتی ہے۔ انسان بے بسی سے زندگی کے رخ دیکھنے پہ مجبور ہوتا ہے۔ لاچار، بے بس۔۔۔ منتها بھی زندگی کے اسی جان لیوا سفر سے گزر رہی تھی۔ روتنی بلکتی خدا سے سوال کرتی تھی کہ

"اسکا کیا قصور تھا؟"

"ایسا کچھ امتحان اسکے حصے میں کیونکر آیا؟"

کبھی اپنے خدا کے سامنے بلکتے ہوئے فریاد کرتی !!

"کہ اے خدا تو گواہ رہنا میری ہر بسی، بے سکونی اور آنسو کا۔ تو کبھی صبر مانگتی تھی۔"

"یارب مجھ سے راضی ہو جا۔ مجھے صبر عطا کر۔"

اور صبر ہی وہ انمول شے ہے۔ جو کسی بھی کٹھن، جان لیوا اور مشکل مرحلے پر سہارا دیتا ہے۔ جو ہر امتحان میں کامیاب کر دیتی ہے۔ انسان کو فاتح ٹھہر ادیتی ہے۔
منتها بھی اس پر اب صبر کر چکی تھی۔

خدا کا لکھا اسکو قبول تھا۔ اس واقعے کو پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ مگر ایک بات ضرور ہوئی تھی کہ اسکی آنکھوں میں اب ہر وقت نبی رہتی تھی۔

وہ جو کبھی پہلے لا ابالی پن میں رہتی تھی۔ زندگی کے اس روپ سے ناواقف تھی۔ جب کبھی لوگوں کو روتے دیکھا کرتی تھی تو سوچا کرتی تھی۔

کہ اتنے آنسو کہاں سے آتے ہیں۔ مگر اب سمجھی تھی کہ چوٹ جب کلیج پر پڑے تو آنکھیں یو نہیں چھلکتی ہیں۔

اسکی آنکھیں بھی اب خشک نہیں ہوتی تھیں۔

اگلی صبح اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوئی تھی۔ وجہت ہاؤس کے بھی تمام پورشنز بھی زندگی جاگ اٹھی تھی۔ ہر پورشن میں چھل پہل تھی۔ عمر یونورسٹی کے لیے تیار ہوتار قیہ بیگم کے پورشن میں آیا تھا۔ یہ شروع سے عمر اور مومنہ کی عادت تھی پہلے جب چھوٹے ہوتے تھے تب نازو نخرے دکھانے آتے تھے یا فیور لینے کہ کسی طرح چچا کی مدد سے سکول سے چھٹی ہو جائے۔

مگر یہ کوشش اکثر ناکام ہوتی تھی کیونکہ وہ بھی طلال وجہت تھا۔

رقیہ بیگم کو وجہت صاحب بیاہ کے وجہت ہاؤس لائے تھے۔ جس سال وجہت صاحب کے والدین اور محسن اور اکرام صاحب کے والدین کا انتقال ہوا تھا کارائیسیڈینٹ میں۔

تب وجہت صاحب محسن اور اکرام صاحب کو لئے اپنے آبائی گاؤں سے شہر آگئے تھے۔

وجہت صاحب تو ویسے ہی اکلوتے بھائی تھے اور خدا کی کرنی کچھ ایسی تھی محسن اور اکرام صاحب بھی دو ہی بھائی تھے۔ وجہت صاحب کی جائیداد اتنی تو تھی کہ بآسانی اس سے آنے والے پیسوں سے گزارہ کر سکتے تھے۔ محسن اور اکرام کی کفالت کے ساتھ ساتھ انہوں نے خود کو بھی یہاں کاروبار میں سیٹ کرنا شروع کر لیا تھا۔

رقیہ بیگم نے بھی ان دونوں کو بیٹوں کی طرح کی عزیز رکھا تھا۔ محسن صاحب اور اکرام کی شادیاں بھی اپنے ہاتھوں سے کروائی تھیں۔ جب عمر پیدا ہوا تب طلال نو سال کا تھا۔ طلال کو تو ایک کھلونا مل گیا تھا۔ باپ جیسا دل اسکو وراشت میں ملا تھا۔

اس دن عاصمہ بیگم نے نم آنکھوں سے رقیہ بیگم کو گزارش کی تھی کہ ”آج سے آپ میرے بچوں کی دادو اور وجہت بھائی دادا ہیں اور طلال کو تو چچا کہیں گے۔ میں اپنے بچوں کو ان رشتتوں سے محروم نہیں کرنا چاہتی۔ آپ کی صورت میں بہترین رشتے ہیں ہمارے پاس۔“ عاصمہ کا نم لہجہ اندر آتی صالحہ نے سنا تھا تو آزر دہ ما حول کو خوشگوار بناتے ہوئی بولی تھی۔

”تو میں کدھر گئی؟ میں تو سب سے اہم ہوں بچوں کی پھوپھی۔ کیوں محسن بھائی؟“ محسن صاحب کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

عمر نے طلال کو ہر معاملے میں راہنمایا تھا اور طلال نے واقعی ہی اسکو ہر معاملے میں سپورٹ کیا تھا۔

ابھی وہ دونوں رقیہ بیگم سے مل کے باہر نکل رہے تھے۔ جب کچھ یاد آنے پہ عمر رکھا۔ وہ طلال سے کچھ فیکڑی کے بارے میں ڈسکس کر رہا تھا جو محسن اور اکرام صاحب چلا رہے تھے۔

طلال سے پوچھے بغیر عمر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ ابھی وہ ڈسکس کر رہی رہے تھے جب طلال نے سامنے سے آتی مومنہ کو دیکھا۔ جس نے اشارے سے طلال سے کچھ پوچھا تھا۔ عمر کی مومنہ کی طرف پشت تھی اور طلال اور عمر آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تبھی ایک پل کی تاخیر کرنے بغیر طلال نے پینٹر ابدلا تھا۔

”عمر تم میرے سے کسی دن برعی طرح پڑوں گے۔ اس بار تو تم نے حد ہی کر دی ہے۔ چوری کر لی تم نے۔“ طلال نے اپنی آواز کو کرخت بناتے ہوئے کہا تھا۔

”چاچو!“ عمر نے کچھ کہنے کو منہ کھولا تھا تبھی طلال نے اسکو دیکھ کر اپنی آنکھ دبائی تھی۔

”تم مومنہ کے ناول آج ہی واپس کرو گے اور خبرداد آج کے بعد اس کے ساتھ کوئی اس طرح کا مذاق بھی کیا۔ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“ طلال نے اچھی جھاڑ پلائی تھی۔

”جی آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔“ عمر نے خود پہ مسکینت طاری کرتے ہوئے معصومیت کے سارے ریکاڑ توڑے تھے۔

”چلواب جاؤ۔ لیٹ ہو رہے ہو۔ دھیان سے جانا۔ نالائق انسان۔“ طلال نے اب اسکو جانے کا عندیہ ٹھمایا تھا۔

”جی خدا حافظ۔“ عمر نے مسکر اہٹ چہرے پہلاتے ہوئے آزردہ آواز میں طلال کو آنکھ مارتے ہوئے خدا حافظ کہا۔ اب کے طلال نے اسکو گھورا۔

مگر وہ مسکر اہٹ کو پیتا چہرے پر ہونے والی واردات (مومنہ کو جوبے عزتی لگی تھی) کے آثار چہرے پہ سجائتے سرخ چہرہ لئے مومنہ کو ایک نظر دیکھتا آگے بڑھ گیا تھا۔ اور وہ ایک نظر مومنہ کو روئے پہ مجبور کر گئی تھی۔

”چاچو اتنا ڈانٹ دیا آپ نے۔“ مومنہ اب روہانی سی اسکے پاس آئی تھی۔ جواب لیٹ ہونے کے وجہ سے بیزار ہونے لگا تھا۔

”کسی نے رات کو مجھے کچھ کہا تھا۔ اس پر ہی عمل کیا ہے۔“ طلال نے اپنے فعل کی وضاحت دی۔

”وہ تو تھوڑا سا کہا تھا۔“ صد اکی نرم دل مومنہ نے دہائی دی تھی۔
”تو یہ تھوڑا ہی تھا۔ یہ تو عمر کے نصیب اچھے کہ تم آگئی ورنہ میں بہت کرتا۔“ طلال نے رعب دار آواز میں کہا تھا۔ مومنہ کا دل اچھلا۔

”نہیں نہیں بہت ہے بہت ہے۔ آپ جائیں آپ لیٹ ہور ہے ہیں۔“ مومنہ نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا کہ کہیں واپس ناہلا لیں بیچارے عمر کو۔

”اچھا مود ٹھیک کرو اپنا، خدا حافظ۔“ طلال نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اسکو دیکھتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

”بیچارہ عمر۔“ مومنہ کے دل نے دہائی دی۔ مود کہاں ٹھیک ہونا تھا اب۔

طلال شروع سے ہی لیے دیے مزانج کا مالک بندہ تھا۔ صالحہ کی شادی وجاہت صاحب نے اپنی زندگی میں کم عمری میں ہی کر دی تھی۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔ اسکو خوش دیکھ کے سب مطمئن تھے۔

طلال کی شادی کی جب بات کی جاتی وہ بھاگ لیتا تھا۔ مگر اس کا کہنا تھا جب وقت آئے گا تب دیکھ لیں گے۔

پھر ایک دن وجاہت بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس صدمے نے طلال کو مزید اسکے خول میں سمیٹ دیا تھا۔ باپ کا سایہ اٹھنے کے بعد بے سر و سامانی کا سامانظر ہوتا ہے۔

باپ ایک فخر ہوتا۔ ایک ایسا سایہ جس کا ہم عکس ہوتے ہیں۔ باپ کے بعد وہ ایسا اپنے خول میں سمٹا کہ لوگوں سے جو ضرورت کے وقت ملتا تھا سب بند ہو گیا تھا۔

کئی کئی دن بولے بغیر گزر جاتے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس نے خود کو کام میں اتنا مصروف کیا کہ رقیہ بیگم کو وہ کوئی مشین لگنے لگا تھا۔

طلال نے اپنی سول انجینئرنگ کے آخری سیمسٹر بھی جن حالات میں مکمل کیے تھے یہ وہی جانتا تھا۔

پھر دو سال پہلے رقیہ بیگم کے بے حد اصرار پہ وہ شادی پر راضی ہو گیا تھا۔ مگر قسمت کی کرنی ایسی ہوئی کہ اس کو شادی کے بعد بھی سکون نہ ملا۔

ماہ وش طلال، جو طلال کی بیوی تھی۔ وہ اتنا مال و دولت پا کے خود کو کسی اور جہان کا باسی سمجھنے لگی تھی۔ اسکو طلال کا محسن اور اکرام صاحب کی فیملیز سے میل وجہ بے حد برائی لگتا تھا۔

کئی بار عمر اور مومنہ کو بلاوجہ جھٹک کے گھر سے نکال دیتی تھی۔ طلال سب برداشت کر جاتا مگر یہ ناقابل برداشت تھا۔

انہی باتوں پر انکے جھگڑے رہتے تھے۔ طلال کے ڈر سے وہ رقیہ بیگم کے ساتھ تو ٹھیک رہتی تھی۔ مگر باقی اسکو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔

ماہ وش کی عادت سے یہ گھر بٹ کے رہ گئے تھے۔ وہ گھر جہاں ہر طرف مومنہ کی شرارتوں سے اور عمر کے چکلوں سے رونق رہتی تھی اور عمیر اور عمیرہ کی بے وقوفیوں کے قصے انکو مسکرانے پر مجبور کرتے تھے اب وہاں ویرانی کا ڈیرہ ہوتا تھا۔

ان لوگوں کو اس گھر کی خوشی عزیز تھی۔ جب انکو ماہ وش کا بلاوجہ اکھڑ رویہ سمجھ آیا تو بچوں کو اس پورشن میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔

جس پہ بچے بہت تڑپے، بڑوں کے اپنے بھی آنسو نکلے مگر وہ سب مجبور تھے۔
طلال اپنی بیوی کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا۔ مگر وہ ضرور ایسی بات یا حرکت کر دیتی کہ
لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ پڑھا لکھا ہونے کی حیثیت سے وہ اس سے سخت رویہ نہیں اپنا
سلکتا تھا۔ جو اخلاقیات کے بھی منافی ہوتا۔
رقیہ بیگم ایک کونے پہ لگی کڑھتی رہتی تھیں۔

بچے اب طلال سے یا تو باہر مل لیا کرتے تھے یا پھر وہ خود ان سے ملنے آیا کرتا تھا۔
بس دعا کے علاوہ اور کیا چارہ تھا دوسال یو نہیں گزر گئے تھے۔

خدانے دو سال بعد طلال کو انبیاء جیسی عظیم نعمت سے نوازا تھا۔ مگر اس دوران وہ ماہ وش کو
کھو چکا تھا۔ کیس میں پیچیدگی کے دوران ماہ وش اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔
یہ بات طلال کو اور توڑگئی تھی۔

جیسی بھی تھی وہ اسکی بیوی تھی۔ اسکی زندگی میں آنے والی پہلی عورت۔ اس واقعے سے
جو بھی گلے تھے ماہ وش سے وہ سب دم توڑ گئے تھے۔

وجاہت ہاؤس کے سب افراد پہ یہ خبر بھلی بن کے گری تھی۔ چاہے انکا آپس میں میل
جوں نہیں تھا۔ مگر وہ طلال کے بسے ہوئے گھر پہ ہی خوش تھے۔

رقیہ بیگم کی صحت اس کے بعد اور خراب رہنے لگی تھی۔ صالحہ کا ساتھ اس وقت رقیہ بیگم
اور انبیاء کے لیے گھناسا یہ ثابت ہوا تھا۔ طلال کو تو ابھی زندگی کا یہ رخ سمجھنے میں وقت لگنا
تھا۔ اس نے کبھی یہ نہیں چاہا تھا۔

انبیاء کی خاطر طلال کو واپس زندگی کی طرف آنا تھا۔ یہ بات طلال نے خود کو سمجھائی تھی
کہ اپنی بچی کو اس نے ایک نار مل بچوں والا بچپن دینا ہے۔

انبیاء کو صالحہ کے ساتھ ساتھ عاصمہ اور افشا نے سن بھالا تھا۔ آلانیہ میں اس گھر کے سب
افراد کی جان تھی۔

طلال نے ایک گورنس بھی رکھنی چاہی مگر عاصمہ بیگم نے سختی سے منع کر دیا تھا۔
ہر کوئی انسیہ کو تھامے پھرتا تھا۔

صالح بھی گھر بار والی تھی۔ اس کو واپس جانا پڑا۔ رات کو طلال انسیہ کو اپنے پاس سلاتا تھا۔
جب طبعت خراب ہوتی یا وہ عاصمہ کے ساتھ سوتی یا افشاں اسکو لے جاتی تھی۔ مومنہ
اسکو ایک گڑیا کی طرح سجا کے رکھتی تھی۔ عمر تو انسیہ کا دیوانہ تھا۔
عمر اور عمیرہ کی انسیہ کو پکڑنے کی لڑائی ہی ختم نہ ہوتی تھی۔ یوں سب کی محبتوں کا محور انسیہ
طلال وجاہت تھی۔

کانج سے واپس آکر مومنہ جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کا ٹھی پھر رہی تھی۔
”تم نے کیوں پیدل مارچ شروع کیا ہوا ہے۔“ افشاں بیگم نے پھل کاٹ کر رقیہ بیگم کے
سامنے رکھ لے۔ جو ایک سالہ انسیہ کو گود میں لیے بیٹھی تھیں۔ انسیہ گود میں سے نکلنے کو
بے قرار تھی۔

”کچھ نہیں بس ایسے ہی۔“ مومنہ نے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
”تو ادھر آ کے بیٹھو۔ مجال ہے جو کسی پل اسکی جان کو سکون ہو۔“ انسیہ کو رقیہ بیگم کی گود
سے لیتے ہوئے افشاں نے انکو صاحبزادی کے کرتوت بتائے تھے۔
”مجھے تو لگتا ہے میں آپکی سوتیلی بیٹی ہوں۔“ مومنہ پہلی ہی پریشان تھی اب روہانی
ہوئی۔

”ارے ارے کیا ہو امیری بچی کو ادھر آؤ۔“ رقیہ بیگم نے مومنہ کو پچکارتے ہوئے کہا
تھا۔

”عمر تو پہلے ہی کہتا ہے مجھے آپ لوگوں نے کچرے سے اٹھایا تھا۔“ مومنہ روہانی سی رقیہ بیگم کے پاس آکے بیٹھی تھی۔

”اس عمر کی تو پتہ نہیں کونسی کل سیدھی ہے۔ باولا ہے یہ لڑکا پورا۔“ رقیہ بیگم نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”ماشاء اللہ بہت لاکٹ ہے عمر۔ ایک یہ نالاکٹ ہے۔ چلو جاؤ اپنی تائی اماں کو بھیجو۔ کہنا دادو بلار ہی ہیں۔“ افشاں نے اسکو کام بتایا تھا۔

”ہاں جاؤ بھیجو۔ مجھے کچھ بات کرنی ہے۔ اب میرے سے نہیں چلا جاتا مزید۔ گھنٹوں کا درد ہی جان نہیں چھوڑتا۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”جی جا رہی ہوں۔“ مومنہ نے فوراً اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”جلدی آ جانا۔ تمہارا چکن چو لہے پہ پڑا بوائل ہو رہا ہے۔ وہ جلنہ جائے۔ آج پتہ نہیں کون سے شوق چڑھے ہوئے ہیں میدم کو کونگ کے جوہر دکھانے کے۔“ افشاں نے پچھے سے ہانک لگائی تھی۔

”جی آتی ہوں۔ آپ کو تو میں سب سے نکمی لگتی ہوں۔“ ماں کو شکوہ کنان نظر وہ سے دیکھتے وہ باہر نکل گئی تھی۔

”افشاں بچی کو مت ڈالنا کرو اتنا۔ چھوٹی ہے ابھی۔“ رقیہ بیگم نے اب افشاں کو ڈالنا تھا۔ تو وہ ہنس پڑی تھیں۔

”تائی اماں! آپ کو دادو بلار ہی ہیں۔ کچھ ضروری کام ہے انکو۔“ مومنہ نے ادھر ادھر عمر کی تلاش میں نظر دوڑاتے ہوئے عاصمہ بیگم کو کہا تھا۔ جوٹی وی لاونچ میں عمیرہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

”اس ٹائم تو آ جاتا ہے فیکٹری سے بھی۔ نظر کیوں نہیں آ رہا۔“ مومنہ بڑبرائی تھی۔

”اچھاٹھیک ہے۔ تم روادھر زرا۔ عمر فریش ہو کے نیچے آتا ہے تو اسکو کھانا دے دینا۔ نہیں تو آتے ہی کھانے کارول اڈال دے گا۔ تمہیں پتہ ہے ناجوک کا لتنا کچا ہے۔ ”تائی اماں نے عمر کی موجودگی کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ اسکو کام بھی بتایا۔ مومنہ کا دل دھڑکا۔

”جی ٹھیک ہے۔ ”مومنہ نے بمشکل کہا تھا۔

”اللہ جی! غصے میں نہ ہو وہ۔ ”مومنہ نے دعا مانگی تھی۔

”مومنہ آپ آئیں ہم گیم کھیلتے ہیں۔ ”عمیرہ نے پریشان کھڑی مومنہ سے کہا تھا۔ ”اوکے عمیر کدھر ہے؟ ”مومنہ نے عمير کا پوچھا تھا۔

”عمیر بھائی کھانا کھا کے کمرے میں گئے ہیں۔ انکا ٹیسٹ ہے کل کوئی۔ وہ بھی آپی آپی کر رہے تھے۔ صحیح میتھس کا ٹیسٹ ہے نا۔ ”عمیرہ نے تفصیل بتائی تھی۔ مومنہ کو پتہ تھا عمير کی میتھس سے جان جاتی تھی۔ اس لیے اسکو یاد کر رہا تھا۔

مومنہ اور عميرہ ابھی گیم کھیل رہی تھیں تبھی سیر ہیوں پہ قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ مومنہ نے سراٹھا کر دیکھا تو فریش سا عمر سیر ہیاں اتر تاد کھائی دیا۔ ماتھے پہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہاف سیلوز والی سکائے بلورنگ کی ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر میں ملبوس وہ چہرے پہ سنجیدگی طاری کئے ہوئے تھا۔ مومنہ کی ہتھلیاں نم ہوئیں۔

وہ چلتا ہوا لاونچ میں آیا اور مومنہ کو مکمل نظر انداز کرتا ہوا عميرہ سے مخاطب ہوا۔ ”مما کدھر ہیں؟ ”عمیرہ سے سوال کیا۔

مومنہ کا دل اس کی بے رخی پہ دکھا۔

”ماما دادو کی طرف گئی ہیں۔ آپکو کھانا مومنہ آپی دے دیتی ہیں۔ ”عمیرہ نے عمر کو بتاتے ساتھ مومنہ کو بھی ہوش دلوایا تھا۔

”میں کھانا لگاتی ہوں۔“ مومنہ نے عمر کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جو آج بے رخی کی موت مار رہا تھا۔

”ہم“ عمر بس اتنا کہتا ہی وی آن کر کے ریبوٹ پکڑ کے بیٹھ گیا تھا۔ مومنہ کچن کی طرف بڑھی۔ پندرہ منٹ کی محنت کے بعد مومنہ ٹیبل لگانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

عمر سے سوری کرنے کے چکر میں اس نے فرتح میں پڑے کباب بھی نکال کے فرائی کر لیے تھے۔ دو قسم کے سلااد بنائے ٹیبل پر رکھے۔ روٹی تائی اماں بنائے گئی تھیں اور سالن گرم کر کے برتن میں نکالا۔ پانی رکھا اور فاتحانہ نظر وں سے ایک نظر سمجھی ہوئی میز پہ ڈالی۔

عمر اندر آیا تھا اور ایک نظر میز پہ ڈالی۔ اتنی تابعد اربنی مومنہ پر ایک نظر ڈالی تھی۔ دل میں کچھ خواہشیں سراٹھانے لگی تھیں۔ تبھی عمر کی آواز گونجی تھی۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔ بلاوجہ تم نے اتنی زحمت اٹھائی۔ اسکے لیے شکر یہ۔“ عمر سنجیدہ لہجے میں کہتا کچن سے نکلتا چلا گیا تھا۔

”ارے ارے عمر بات تو سنو۔“ مومنہ پیچھے پکارتی رہ گئی تھی پر اس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

”اتنا ناراض ہو گیا۔ اف اب بھوکا رہے گا بیچارہ۔ میں کتنی بے وقوف ہوں۔ خواہ خواہ ڈانت پڑوادی۔“ مومنہ رو دینے کو تھی۔

”مومنہ آپی آبھی جائیں۔“ موبائل میں سردیے گیم کھیلتی عمیرہ نے مومنہ کو آواز دی تھی۔ بمشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ مومنہ کو ایک آئیڈیا آیا۔

”میں آس شیک بناتی ہوں۔ تم عمر کو دے آؤ۔ اسنے کھانا بھی نہیں کھایا۔“ مومنہ نے عمیرہ سے کہا تھا۔

”اچھا چلیں آئیں میں بھی آپ کے ساتھ کچن میں جاتی ہوں۔“ عمرہ بھی موبائل رکھتے ہوئے بولی تھی۔ مومنہ کھانا پکانے میں اتنی ماہر نہیں تھی۔ بس شوق میں کبھی کبھار یوٹیوب کی مدد سے بینگ والے شوق پورے کرتی رہتی تھی۔ بس منٹ کی محنت کے بعد آئس شیک تیار تھا اور کچن کی حالت تھوڑی نازک ہو گئی تھی۔ خیر مومنہ کو آج سب کچھ برداشت تھا۔

”جاوہرے کے آؤ عمر کو۔ لازمی پی لے گا۔ ہمیشہ تو لڑ جھگڑ کے بنو اتا تھا آج کیا یاد کرے گا۔“ مومنہ نے گلاس میں نکال کے خوش ہو کے بھیجا تھا۔

عمرہ گلاس ٹرے میں رکھتی کچن سے باہر نکل گئی تھی اور مومنہ کچن کی حالات درست کرنے لگ گئی تھی۔ ابھی اس نے اپنا کام بھی ختم نہیں کیا تھا جب عمرہ گلاس سمیت واپس آئی تھی۔

”بھائی کہہ رہے ہیں انہوں نے نہیں پینا۔“ عمرہ نے اطلاع دی تھی۔ مومنہ کا دل بو جھل ہوا۔

”اچھا چلو جاؤ تم اب پڑھائی کرو۔“ مومنہ نے اترے چہرے کے ساتھ عمرہ کو کہا تھا۔ جو میٹر کی اسٹوڈنٹ تھی۔

”جی“ عمرہ گلاس فرٹج میں رکھ کے جا چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کچن صاف کر کے مومنہ بھی اپنے پورشن میں مایوس ہو کے جا چکی تھی۔

شام کو وجہت ہاؤس میں لان میں خواتین چائے کا اہتمام کرتی تھیں۔ جس میں اتوار کو پر تکلف اہتمام کیا جاتا تھا کیونکہ سب گھر پہ ہوتے تھے۔ عام روٹین میں خواتین کے علاوہ بچے بھی ہوتے تھے اور اگر عمر گھر پر ہوتا تو لازمی وہ اس شام کی چائے کا حصہ ہوتا تھا۔

عاصمہ بیگم چائے بنائے کے لے آئی تھیں اور مومنہ ماں سے دوپھر کی ضد کر رہی تھی کہ اسکو نگٹس کھانے ہیں کیونکہ یہ عمر کو بہت پسند تھے۔

افشاں سب تیاری کر کے اسکو دے چکی تھیں۔ اب صرف وہ فرائی کر رہی تھی۔ نگٹس فرائی کر کے پلیٹوں میں نکالے۔ ساتھ بسکٹ رکھے اور فروٹ کیک بھی رکھا۔ وہ بڑی ٹرے لے کر باہر آگئی تھی۔

”ہائے آپ مجھے آج سب زہر لگ رہا ہے۔ کل میرا میٹھس کا ٹیسٹ ہے۔“ عصیر نے اسکو دیکھ کے دھائی دی۔ جوانٹر کا اسٹوڈنٹ تھا۔

”کروادوں گی تیاری۔ ابھی ریلیکس ہو کے کھاؤ۔ بتاؤ کیسے فرائی ہوئے ہیں۔“ مومنہ نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”یہ عمر آج بھی گھر پہ نہیں ہے؟“ رقیہ بیگم کو عمر دکھائی نہ دیا تو پوچھا۔ ”جی گھر پہ ہے مگر کمرے سے نہیں نکلا، سویا ہو گا۔“ عاصمہ بیگم نے ایک نظر عصیرہ اور انیہ پہ ڈالتے ہوئے رقیہ بیگم کو جواب دیا۔ انیہ گھاس پہ کھلونے سے کھینے میں مصروف تھی اور عصیرہ انیہ کے ساتھ۔

”جاگ رہے ہیں بھائی۔ کسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔“ عصیر نے بتایا تھا۔ ”اچھا جاؤ یہ دے آؤ۔ اسکو نگٹس بہت پسند ہیں۔“ مومنہ نے عصیر کو نگٹس کی پلیٹ پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔ کیونکہ وہ بھوکا تھا اور یہ چیز مومنہ کو چھوڑ رہی تھی۔

عصیر پلیٹ پکڑتا عمر کو دینے گیا تھا۔ مگر یہ کیا تھوڑی دیر میں ویسے ہی پلیٹ لیے واپس آگیا تھا۔

”بھائی کہہ رہے انکو بھوک نہیں ابھی۔ بعد میں کھالیں گے۔“ عصیر نے اطلاع دی تھی۔ مومنہ کا دماغ خراب ہوا تھا مگر چپ رہی۔

”کیا کروں اس لڑکے کا۔ عمرہ بتارہی تھی دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا۔ صحیح بھی تھوڑا سا کھا کے نوبجے گھر سے نکل گیا تھا۔ ابھی تک بھوک نہیں لگی اسکو۔ ”عاصمہ بیگم نے بھی غصہ نکلا تھا۔

”آجکل کے پچے ایسے ہی کرتے ہیں بھا بھی۔ خود کو فٹ رکھنے کے چکر میں۔ آپ فکرنے کریں۔ بھوک کا کچا ہے کھالے گا تھوڑی دیر میں۔ ”افشاں نے انکو تسلی دی تھی۔

”آٹھ گھنٹے ہوئے گئے ہیں اسکو گھر سے گئے۔ اس نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔ اتنا غصہ، تھوڑی سی ڈانٹ ہی تھی نا۔ ”momne کا صدمے اور فکر سے براحال تھا۔

دوپہر سے اس نے بھی کچھ نہ کھایا تھا۔ اب بھی نگلش کی طرف جاتا ہاتھ خود بخود رک گیا تھا۔

رات کے آٹھ نجھ رہے تھے۔ اب جا کے عمر کی تیاری ہوئی تھی۔ تبھی عمرہ اندر داخل ہوئی تھی۔

”بھائی آکے کھانا کھا لیں۔ ماما بلارہی ہیں۔ عمر بھائی کو تو بھوک نہیں۔ ہم لوگ اب آپکا انتظار کر رہے ہیں کھانے پہ۔ ”عمرہ نے جب اطلاع دی تو momne کی برداشت ختم ہو گئی تھی۔

”جاوہاب تم بلکہ رکو میں بھی آتی ہوں۔ مجھے عمر سے کچھ کام ہے۔ ”momne سرخ چہرہ لیے انکے نکلنے سے پہلے تائی اماں کے پورشن کی طرف بڑھی تھی۔ سامنے ہی تایا اباد انگ ٹیبل پہ بیٹھے نظر آئے تو انکی طرف بڑھی تھی۔ سلام لینے کے بعد عاصمہ بیگم سے بولی تھی۔

”تائی اماں میں ذرا عمر سے اپنے نوٹس لے آؤں۔ ”momne نے کہا اور اوپر چل دی تھی۔

تیز تیز سیرھیاں چڑھتی اندر اٹھتے ابال پہ قابو پاتے ہوئے اسنے دھڑام سے دروازہ کھولا تھا۔ عمر سا منے ہی میز پہ بیٹھا لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔

”کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔ کونسے روگ لگ گئے ہیں جو بھوک ہڑتاں پہ آگئے ہو۔“ مومنہ اسکے سر پہ کھڑی اسکے مضبوط ہاتھوں کو لیپ ٹاپ سے ہٹا کر بولی تھی۔

”پہلی بات جو کوئی بھی مسئلہ ہے وہ میرا مسئلہ ہے میں دیکھ لوں گا۔

دوسری بات آپ نے کیوں زحمت کی۔ مجھے بلا لیتیں آپ میدم مومنہ۔“ عمر نے بھگو کے ظرفاً کا تیر پھینکا تھا جو مومنہ کے دل پہ لگا اور وہ موم ہوئی۔

”سوری نا عمر چاچو نے زیادہ ڈانٹ دیا۔ میں نے تو ان سے صرف بات کرنے کے لیے کہا تھا مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ اتنا ڈانٹ دیں گے۔“ مومنہ نے اسکو وضاحت دی۔ عمر اسکے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ مگر اسکی طرف دیکھنے سے گریزاں تھا۔

”میں نے بھی تو تمہیں کھانا گرم کر دیا تھا۔ کباب فرائی کیے۔ اُس شیک بننا کے بھیجا اور نگلٹس بھی۔ مگر تم نے کچھ نہیں کھایا اور میری ساری محنت پہ پانی پھیر دیا۔“ مومنہ نے اب خود پہ ہونے والے مظالم اور اسکے لیے کیے گئے کام گنوائے تھے۔

”تو غلطی بھی تمہاری ہی تھی۔“ عمر نے گویا بول کے احسان کیا تھا۔

اور ایک نظر اپنی فکر میں کھڑی کامنی سی لڑکی پہ ڈالی تھی جو لا ابالی حلیے میں بھی جان لینے کے درپہ ہوتی تھی۔

”اب سوری کرتور ہی ہوں نا۔“ مومنہ نے اسکا تو انابازو ہلا کرا سے منانے کی آخری کوشش کی تھی۔

”میں نہیں مانتا ایسی کوشش کو۔“ عمر منہ بننا کے سامنے پڑی کر سی کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ مومنہ اسکی طرف مڑتی اسکی نظر بیڈ کے نیچے پڑی ٹرے پہ پڑی۔ اسکا ما تھا

ٹھنکا۔ ذرا غور کرنے پڑے میں پڑے لوازمات نظر آگئے تھے۔ جس میں سب سے زیادہ سرخ رپیر میں لپٹا برگر نمایاں تھا۔ ساتھ بھی ہوئی تھوڑی سی فراز تھی۔

”اچھا تو کب تک بھوکار ہنے کا ارادہ ہے؟“ واقعی تم نے صحیح سے کچھ نہیں کھایا۔ ”مومنہ نے دانت پیستے ہوئے اسکی طرف پیش قدمی کی تھی۔

اس دھوکے پر وہ غصے کی زیادتی سے مٹھیاں بھینچ چکی تھیں۔

”ہاں کچھ نہیں کھایا صحیح سے، ہے نا؟“ مومنہ نے ایک نظر ٹیبل پر پڑے پانی کے جگ پر ڈالی۔

”نہیں“ عمر بولا۔ چہرے پر جہاں بھری کی معصومیت تھی۔

بس پھر کیا تھا مومنہ تھی اور اس کا غصہ۔ یہ پکڑا پانی کا جگ اور انڈلیں دیا عمر کے سر پر وہ اس سیلا ب پر بھو نچکا گیا تھا۔

”پاگل ہو گئی ہو کیا۔“ عمر چیخا تھا اور کھانستے ہوئے اٹھا۔

”ہاں ایسے دھوکے کے بعد پاگل ہی ہو جانا ہے میں نے۔ رکود اتنہارا انعام لے کے آتی ہوں۔“ مومنہ بیڈ کی طرف بڑھی اور یونچ سے ٹرے نکالی تو اس میں پڑے سوس اٹھائے تھے۔ عمر اپنا پول کھلنے پر بوکھلا گیا تھا۔

”مومنہ! میں تمہاری جان لے لوں گا۔“ عمر نے ہنسنے ہوئے اسکو دھمکی دی تھی۔

”تم زندہ بچو گے تو میری جان لو گے نا۔“ مومنہ نے اسے اپنے خطرناک عزم سے آگاہ کیا تھا۔

اور جگ میں کیچپ اور سوس نکال کے بچی ہوئی کوں ڈر نک ڈال کے مکس کیا۔ عمر اسکا لال ہوا چہرہ صحیح سے دیکھ دیکھ کے جو ہنسی پر ضبط کر رہا تھا ب کھل کے ہنس رہا تھا۔

”پاگل بن کے کیسا لگ رہا ہے مومنہ اکرام۔“ عمر نے قہقہہ لگاتے ہوئے مومنہ کو کہا تھا۔ جو اپنی نئی رسپی ہاتھ میں لیے مڑی تھی۔

”یہ لو تم بھی مزہ لو۔“ مومنہ نے کہتے ساتھ بنا ہوا مکسپر عمر پہ پھینکا تھا اور اسکی شرط داغدار ہو گئی تھی۔ مگر دانت ابھی بند نہیں ہوئے تھے۔

مومنہ دانت پیسٹی اسکے پاس آئی تھی اور گندے ہاتھ اسکے منہ کو لگا رہی تھی۔
”عمر منہ بند کرو۔“ مومنہ نے دہائی دی تھی۔ عمر نے ہنستے ہوئے اسکی کلائیاں پکڑ لی تھیں۔

”اوو وورونا نہیں مومنہ۔ غصہ آگیا؟“ عمر نے اسکو پچکارا تھا۔
”تم بہت بڑے ہو۔ میں صحیح سے تمہاری فکر میں گھوم رہی ہوں۔ اپھے سے کچھ کھایا بھی نہیں۔“ مومنہ اب اپنے دکھڑے اسکو سنارہی تھی۔

”کھانا کیوں نہیں کھایا؟“ عمر نے ابر و اٹھا کے اس سے پوچھا تھا۔
اس کی کلائیاں ہنوز تھامی ہوئی تھیں۔ سرخ چہرہ پہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے بال اسکی صورت کو چار چاند لگا رہے تھے۔ عمر اس چاند کو تک رہا تھا۔

”بس دوپھر میں تھوڑے سے چاول کھائے تھے۔“ مومنہ نے دکھڑا سنایا۔
”بس“ عمر نے بچوں کی طرح سوال کیا تھا۔

”نہیں پھر آنس شیک بھی پیا تھا۔“ مومنہ روہانی ہوئی اور ایک مکا عمر کو مارا۔
”بس“ عمر نے ایک پر شوق نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالتے ہوئے پھر وہی سوال کیا تھا۔
”نگٹس بھی کھائے تھے دو۔“ مومنہ نے ایک اور اعتراف کیا تھا۔

”ابھی کوئی کسر بچی ہے موئی۔“ اسکے سراپے سے نظریں چراتے اب کے عمر چیخا تھا۔
”عمر نج جاؤ مجھ سے۔“ مومنہ اسے بھاگتا ہوا دیکھ کر اسکے پیچے پلکی تھی۔

طلال میٹنگ میں بیٹھا ہوا مینجر سے اہم پوائنٹ ڈسکس کر رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح چہرے پر سنجدگی تھی اور باعتمادی سے بولتاسب کو حیران کر رہا تھا۔

تبھی اسکا فون بجا تھا۔ فون گھر سے تھا ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر ایکسیوز می کہتے کال یں کی تھی۔

”اسلام علیکم! طلال چاچوانیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ آ جائیں۔ اسکو ڈاکٹر پاس لے کے جانا ہے۔“ دوسری طرف سے مومنہ نے اطلاع دئی تھی اور طلال سب کچھ چھوڑ چھاڑ مینجر کو اشارہ کرتا تیزی سے باہر نکلا تھا۔

”میں آ رہا ہوں۔ آپ انیہ کا خیال رکھو تک۔ پریشان نہیں ہونا۔ میں آ رہا ہوں بس۔“ طلال نے خود پر قابو پاتے مومنہ کو ہدایت جاری کی تھی۔

اسکے ٹھیک تیس منٹ بعد نہ صرف آنیہ کا چیک اپ ہو چکا تھا بلکہ اسکے ساتھ ڈاکٹر نے انکی ہر طرح سے تسلی کروادی تھی کہ صرف موسمی بخار ہے۔ طلال صفائی کا شیدائی خود بھی ما سک پہنے ہوئے تھا اور مومنہ کو بھی زبردستی پہنا کے ہی پاسپیل میں داخل ہوا تھا۔ اب مومنہ کو اس نے ایک طرف پڑھی چیز پر بٹھایا اور خود پھر ایک بار ڈاکٹر سے بار کرنے چلا گیا ڈاکٹر اسکا جاننے والا تھا۔

مومنہ انیہ کو سنبھالتی چیز پر بیٹھ چکی تھی۔ انیہ کا اب رو نے کاموڈ بن رہا تھا اور ٹھیک دو سینکڑ میں اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ مومنہ اس افتادہ پر بوکھلا گئی تھی۔

گھر پر وہ جب ایسے روئی تھی تور قیہ بیگم، عاصمہ یا افشاں ہی چپ کرواتی تھیں۔ مومنہ کمبل میں لپٹے وجود کو لیے کھڑی ہو کر جھلاتے ہوئے اسکو چپ کروار ہی تھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی ایک نازک سی لڑکی جو نقاب پہنے ہوئے تھی۔ اسکی کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ اس چھوٹی سی بچی کے رو نے پر اسکا دل پریشان ہوا تھا۔

اسکا بھی کبھی کبھار ایسے رو نے کو دل کر رہا تھا۔ مگر وہ رو نہیں سکتی تھی۔

”لائیں میں چپ کرواتی ہوں۔ ایسے نہیں جھلاتے چھوٹے بچے کو۔ ”نقاب میں لپٹا وجود
مومنہ کے پاس آیا تھا۔

”یہ لیں۔ یہ تھوڑی بیمار ہے اس لیے بہت رورہی ہے۔ ”مومنہ نے اسکو انیہ تھماں تھی۔
مومنہ ایسی ہی تھی دل کی صاف ہر کسی پر اعتماد کرنے والی۔ اسکو زمانے کی چالاکیوں کا
نہیں پتہ تھا۔

”چھوٹے بچے کو ایسے سینے سے لگائے انکی پشت سہلاتے ہیں تاکہ وہ سکون محسوس
کریں۔ میری اماں بتاتی ہیں۔ ”نتہانے اب مومنہ کا ملامم چہرہ دیکھتے ہوئے انیہ کو سینے
سے لگائے سہلاتے ہوئے بتایا تھا۔
انیہ کے رونے میں بھی کمی واقع ہوئی تھی۔

”ارے واقعی یہ تو اب رونا بند کر رہی ہے۔ ”مومنہ حیران ہوئی۔
تبھی کسی کی کرخت آواز گونجی تھی۔

”مومنہ کون ہیں یہ؟ ”طلال سرپرہ کھڑا پوچھ رہا تھا۔
”پتہ نہیں چاچو! انیہ رورہی تھی تو یہ کہتیں کہ میں چپ کر۔۔۔ ”مومنہ بول رہی تھی مگر
طلال کہاں سن رہا تھا۔ اس نے ایک پل میں سامنے کھڑے نقاب میں لپٹے وجود سے انیہ
کو جھپٹا تھا۔

”محترمہ آپ اپنی ہمدریاں اپنے پاس رکھیں اور لوگوں سے بلاوجہ بے تکلف مت ہوا
کریں۔ ”طلال نے ممکنہ حد تک آواز کو کرخت کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا تھا کہ
ارد گرد موجود چند لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اس بے عزتی پر منتہا
ششد رہ گئی۔

”چلو مومنہ کسی بھی راہ چلتے پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ آئندہ دھیان رکھنا۔“ ایک سخت نظر اس پہ ڈالتے طلال انبیہ کو لیے آگے بڑھ گیا۔ جس کارونا ب پھر شدت اختیار کر گیا تھا۔ شاید باب کی سخت آواز پر۔۔۔

منتہا ماسک کے پچھے پچھے اس چہرے کی آواز پہ دہل گئی تھی۔

منتہا اس لبھ کی سختی سے کانپ گئی تھی۔ سرد سانس خارج کرتے ہوئے واپس اپنی جگہ پہ چلی گئی جہاں کچھ دیر پہلے وہ بیٹھی ہوئی تھی۔
”کسی کی مدد کرنا بھی اب جرم مانا جاتا ہے؟“ یہ بات سوچتے ہوئے منتہا تنفسی ہنس دی تھی۔

”منتہا! چلیں۔“ کائنات بھا بھی کی آواز نے اسے خیالوں سے باہر نکلا۔ جو گائنا کا لو جست سے چیک اپ کروانی آئی تھیں۔ منتہا انکے ساتھ آئی تھی۔

”جی بھا بھی چلتے ہیں۔ ویسے بھی مجھے کھلی فضائی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اس فضا میں کسی سر درویے کی آمیزش سے گھٹن محسوس ہو رہی۔“ منتہا نے بھا بھی کو دیکھتے ہوئے کھوئے انداز میں کہا تھا۔

”سب ٹھیک ہے نا؟“ کائنات بھا بھی نے منتہا کے لبھ پہ سوال کیا تھا۔

”جی بھا بھی سب ٹھیک ہے۔ آپ بتائیں ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے؟“ منتہا نے اپنا مودبحال کرتے ہوئے ساتھ چلتی بھا بھی سے پوچھا تھا۔

”ہاں شکر ہے اللہ کا۔“ کائنات بھا بھی نے اسکو تسلی دی تھی۔

”شکر ہے خدا کا، الحمد للہ۔“ منتہا نے شکر کے کلمات ادا کیے تھے۔

مومنہ کو طلال واپسی پہ ڈانٹنے کے ساتھ بارہا سمجھا چکا تھا۔ اس بات پہ کہ کسی اجنبی سے بات کرنا بھی منع ہے اس پاگل کے لیے تواب۔

طلال انیہ کو اٹھائے اندر داخل ہوا تھا۔ سب خواتین انکے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھیں۔
”آگئے ہیں خدا خیر کرے۔ طلال کیا بتایا ڈاکٹر نے۔“ رقیہ بیگم نے تسبیح کے دانے پڑھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”فکرنا کریں اماں جان بس موسمی بخار تھا۔ ڈاکٹر نے کچھ دوائیاں لکھ دی ہیں اور کئی کریں بس۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی۔“ طلال نے عاصمہ بیگم کو انیہ پکڑاتے ہوئے بتایا تھا۔

”شکر ہے خدا کا۔ میں تو پہلے ہی کہا تھا کہ فکرنا کرو۔ مگر یہ مومنہ تو سکون سے نہیں بیٹھ رہی تھی۔ ناحق تمہیں بھی پریشان کیا۔“ افسانہ بیگم نے کہا تھا۔

”تمہاری بھی دوڑیں لگوادیں اس نے۔ میں نے بھی کہا تھا عمر آتا ہو گا وہ لے جائے گا۔“ اب کے عاصمہ بیگم بولی تھیں۔

”آپ فکرنا کریں میں بلکل ٹھیک ہوں۔ بلکہ انیہ کے خیال سے آپ سب کی دوڑیں لگی ہوتی ہیں۔“ طلال نے جس لمحے میں کہا تھا رقیہ بیگم کی آنکھیں نہ ہوئی تھیں۔

”طلال یوں کہہ کر ہمیں پر ایمانہ کیا کرو تم۔ یہ صرف تمہاری بیٹی نہیں ہم سب کی ہے۔“ اب کے عاصمہ بیگم نے اس کو ڈپٹا تھا۔

”میرا ایسا مطلب ہرگز نہیں تھا۔ بالکل یہ آپ سب کی بیٹی ہے۔“ طلال ہمیشہ سے انکا مشکور تھا۔

”تائی اماں یہ سیر پ پلانا ہے اب آنیہ کو۔ پھر اسکے دو گھنٹے بعد بخار چیک کرنا ہے۔ اللہ کرے تب تک اتر جائے۔“ مومنہ دوائی کا نسخہ اٹھائے عاصمہ بیگم کے پاس آئی تھی۔ انیہ

کو دو اکھلا کر اب مومنہ انیہ کو لے کر اسکے کمرے میں چلی گئی تھی کیونکہ اسکو سلانا تھا
اب۔

”آپ کی کال آئی تھی۔ وہ آرہی ہیں کل تک۔ ”طلال نے اطلاع دی تھی۔
”ہاں چکر لگا لے اس بار کافی ٹائم ہو گیا اسکو آئے ہوئے۔ ”افشاں بیگم نے کہا تھا۔
”جی مجھے اب اجازت دیں۔ میں مینگ چھوڑ کے آیا تھا۔ کوئی مسئلہ ہو تو کال کر دیجئے گا،
خدا حافظ۔ ”طلال نے اپنے مخصوص لمحے میں کہا تھا اور باہر نکلتا چلا گیا تھا۔
”بھا بھی کیوں رورہی ہیں آپ؟ حوصلہ کریں۔ ٹھیک ہے انیہ اب۔ ”افشاں بیگم نے رقیہ
بیگم کو رو تے دیکھا تو بولی تھیں۔

”ارے افشاں میرا کیجھ پھٹنے کو آتا ہے اپنے بیٹے کی حالت دیکھ کر۔ خدا نے اب اسکو
ایک اور امتحان میں ڈال دیا ہے۔ آخر کب تک وہ یوں پھر تارے ہے گا؟ کل کلاں مومنہ کی
شادی ہو گی۔ وہی تو انیہ کو سنبھالے پھرتی ہے۔ میرا بھی کیا بھروسہ ہے آج ہوں کل
نہیں۔ ”رقیہ بیگم نے اصل دکھ اور پریشانی بتائی تھی۔

”اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ مگر انیہ کی زندگی میں ایک ماں کی کمی ہے۔ جوزمانے کی اوپنج
تچ ایک ماں اپنی بیٹی کو سکھاتی ہے وہ اور کوئی نہیں سکھا سکتا۔

”مگر طلال بھی تو مانے۔ ”عاصمہ بیگم نے بھی اپنی رائے دی تھی۔

”مگر بھا بھی آج کے زمانے میں کون پرائی عورت کسی کی بیٹی کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتا
ہے؟ کیا کیا ہوتا ہے زمانے میں آپ کو بھی پتہ ہے۔ ”افشاں کا خدشہ اپنی جگہ درست
تھا۔

”ارے افشاں ابھی بھی زمانے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ بس
ہمیں انکی پہچان نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگ آج بھی دوسروں کے لیے نرم دل رکھتے
ہیں۔ ایسی بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ ”رقیہ بیگم نے اپنے تجربے سے بات کی تھی۔

”بات تو ٹھیک کہی بھا بھی آپ نے۔ ہمارے محلے میں ڈپٹی صاحب نے دوسری شادی کی ہے۔ مگر وہ خاتون بہت نیک ہیں۔ اس نے ایسے ڈپٹی صاحب کی پہلی بیوی سے اولاد کو پالا پوسا کہ سگنی ماں بھی ایسا نہ کرے۔ ”عاصمہ بیگم نے بھی رقیہ بیگم کی بات کی تائید کرتے ہوئے ایک مثال بتائی تھی۔

”بات تو ٹھیک ہے بھا بھی آپ کی بھی۔ ”افشاں نے حامی بھری۔

”دعایکرو خدا امیرے طلال کے نصیب میں بھی ایسا ہیر الکھ دے۔ جو میرے طلال کو اسکی روٹھی ہوئی زندگی لوٹا دے۔ جس میں زندگی کے سارے رنگ ہوں جو اسکی زندگی کو رنگوں سے بھر دے آمین۔ ”رقیہ بیگم نے دعا کی تھی۔

”آمین“ سب کے دل سے آمین ہی نکلا تھا۔

مومنہ انیہ کو لیے رقیہ بیگم کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکا بخبار اب اتر گیا تھا اور وہ اب خاصی فریش تھی۔

مومنہ اسکو کھلانے میں مصروف تھی۔ مگر گود سے نکلنے پہ آج پابندی لگی ہوئی تھی۔ جو انیہ کو ایک آنکھ نہیں بھارہی تھی۔ جس پہ احتجاج کرتے ہوئے وہ اپنے کھلونے نیچے گردیتی تھی۔ اپنی حرکتوں سے وہ مومنہ اور رقیہ بیگم کو مسکرانے پہ مجبور کر رہی تھی۔ اسی وقت کسی کی آمد ہوئی تھی۔

”اسلام علیکم! دادو کیسی ہیں؟“ خوشبوؤں میں نہایا عمر رقیہ بیگم کے سامنے جھکا اور ان سے پیار لینے کے بعد انکو بوسہ دیا۔ پھر مومنہ کے سامنے جھکا تھا۔

”آپ پیار دینلے گی یا لیں گی خاتون؟“ عمر نے محبت پاش نظروں سے اسکا صبح چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”میں تمہاری جان لوں گی۔ اگر مجھ سے کلام کرنے کی کوشش بھی کی تو۔“ مومنہ نے بھی خونخوار نظروں سے اسکو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”تم تو جان لینے پہ آجاتی ہو سیدھی۔ اپنی خود کی جان کون لیتا ہے؟ پاگل ہو کیا؟؟؟“ عمر کا وہی دل جلانے والا انداز تھا۔

اس سے پہلے کہ مومنہ اسکا منہ نوچتی۔ عمر نے اس سے انیہ کو لے لیا تھا۔

”بھیا کا جانوبچہ، کیا ہوا تھا میرے جانوشونے کو؟“ عمر اسکی زبان میں باتیں کرتا ہوا اسکو گود میں اٹھا چکا تھا۔ جس پہ انیہ خوش ہوتے ہوئے اسکا استقبال لھکھلا کر رہی تھی اور اسکے منہ پہ اپنی ننھے ننھے ہاتھ مار رہی تھی۔

”بھیا کی جان“ عمر نے کہتے ہوئے اسکے گال پہ پیار کیا تھا۔ جس پہ انیہ نے منہ بنایا تھا۔

”آپکی طبیعت کیسی ہے دادو؟“ عمر نے اب منہ پھلانے بیٹھی مومنہ کو دیکھتے ہوئے رقیہ بیگم سے پوچھا تھا۔

”میری طبیعت چھوڑو۔ اپنی نیت کی بتاؤ جو خراب ہوئی ہے آجکل۔“ رقیہ بیگم نے اسکو جائزہ لیتی نظروں سے دیکھا تھا۔ جس پہ عمر ایک پل کو گڑبرڑایا۔

”توبہ کریں دادو۔ کیا بات کر رہی ہیں؟“ عمر نے اگلے پل رقیہ بیگم سے پوچھا تھا۔

”سنائے کسی کے ناو لزپہ نیت خراب ہوئی ہے صاحزادے کی۔“ رقیہ بیگم نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”محال ہے اس لڑکی کے پیٹ میں کوئی بات نہیں جائے۔ وہ رہا شاپر اس میں تمہارے سارے فضول ناو لز سمیت کچھ اور بھی ہے۔ اٹھا کے چیک کرلو۔“ عمر نے اسکا پھولا ہوا چہرہ نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

”دادو کہہ دیں لوگوں سے مجھے نہیں چاہیے۔“ مومنہ کو کل والی عمر کی حرکت پہ ابھی تک طیش تھا۔

”دادو اب یہ فضول میں ڈرامے کر رہی ہے۔“ عمر نے بھی اب دادو کو مخاطب کیا۔
”خیر کل والے تمہارے ڈرامے کے آگے تو یہ کچھ بھی نہیں۔“ رقیہ بیگم نے اسکو کل
والے کارنامے پہ لتاڑا تھا۔

”دادو آپ ہمیشہ اسکی سائیڈ لیتی ہیں۔ یہ خود کچھ کم نہیں ہے۔“ عمر نے انیہ کو مومنہ کی
گود میں دیتے ہوئے رقیہ بیگم سے کہا تھا۔

”اچھا اچھا اب پھر نہ شروع ہو جانا۔ آرام سے اسکی چیزیں واپس کرو اور خبردار آئندہ
اسکو تنگ بھی کیا۔“ رقیہ بیگم نے بات کو ختم کرنا چاہا تھا۔

”عمر بھائی آنیہ کو مجھے پکڑا دیں آپ لوگ پھر فیصلہ کریں اپنی جنگ کا۔“ عمر رہ جو کچھ دیر
پہلے آئی تھی انکی بحث سے عاجز آتے ہوئے آنیہ کو لے کے نکل گئی تھی۔

”تو میں اب عزت سے انکو ناولز ہی واپس کرنے آیا ہوں دادو۔“ عمر نے گویا احسان
کرتے ہوئے کہا تھا۔

”بہت شکر یہ مگر اب مجھے نہیں چاہیے۔“ مومنہ کا وہی جواب تھا۔

”اچھار ہنے دو عمر رکھ لو۔ کل کو اپنی دلہن کو دے دینا۔ اسکو جوبیاہ کے لے کے جائے گا
خود ہی خوار ہو تاپھرے گا اسکے ساتھ بازاروں میں اسکے ناولز کی خریداری میں۔ پھر اسکو
یاد آئے گا کہ واپس ہی لے لیتی۔“ رقیہ بیگم نے اب مستقبل کا نقشہ کھینچا تھا جس پہ عمر کا
دل بھی کھنچا گیا تھا۔

”ایک دم ٹھیک بات دادو۔ رکھ لو تم اپنی بیوی کا گفت میری طرف سے میں تو خود اپنے
انکے ساتھ جا کے لے لوں گی۔“ مومنہ نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

اور عمر کو آج سے پہلے مومنہ اتنی بری کبھی نہیں لگی تھی جتنا اب لگی تھی۔

”ہی ہی خود اپنے انکے ساتھ جا کے لے لوں گی آئی بڑی۔“ عمر نے اسکی نقل اتارتے ہوئے
اچھے خاصے جلے کٹے انداز میں اسکو خونخوار نظر وں سے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”اچھا بچوں میں تو چلی نماز پڑھنے تم لوگ لگے رہو۔“ رقیہ بیکم نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔
”جی دادو۔“ مومنہ نے انکو اٹھتے دیکھا۔ انکے جانے کے بعد عمر سنجیدہ چہرہ لیے اسکے پاس جھولے پہ آن بیٹھا تھا۔

”تم واقعی چاہتی ہو کہ میری شادی ہو جائے۔“ عمر نے مومنہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
”یہ کیسا سوال ہے؟“ مومنہ گڑبرڑائی۔

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں تھا۔“ عمر نے اب اسکو گھورا تھا۔
”ہاں ناسب کی ہوتی ہے شادی۔ تمہاری شادی پہ تو اتنا مزہ آئے گا ہم نئے کپڑے بنائیں گے۔ مہندی لگائیں گے۔ ڈھوک رکھیں گے اور ڈانس اور۔۔۔“ مومنہ کی فہرست لمبی تھی۔ عمر کا دل البتہ اچھی حالت میں نہیں تھا۔

”بس کرو یار۔“ عمر چڑھا تھا اور غصے سے بولا تھا۔ مومنہ اسکا رویہ دیکھ کے حیران ہوئی۔
”خود ہی پوچھا تھا تم نے۔“ مومنہ نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے آنکھیں مٹکائی تھیں۔
”اگر میری دلہن آگئی تو پتہ ہے کیا ہو گا۔“ عمر نے مومنہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”کیا؟“ مومنہ کو تجسس ہوا۔
”ہماری دوستی ختم ہو جائے گی اور۔“ عمر کا لہجہ عجیب حد تک سرد تھا۔
”اور؟؟“ مومنہ کا دل بھی دہلا۔ وہ بچپن سے ساتھ تھے چاہے لڑتے جھگڑے تھے۔
”اسکو تم ہر گز پسند نہیں آؤ گی۔ وہ میری اور تمہاری بات چیت بند کرواۓ گی پہلے۔“ عمر کو اسکا اتر اچھرہ دیکھ کے تھوڑا سکون محسوس ہوا چلو کچھ تو خیال آیا۔

ورنہ کسی اور کو عمر کی دلہن سوچنے پہ اسکا مومنہ کا گلہ دبانے کا جی چاہا تھا۔
اور اگر زندگی میں ایسا مقام آیا تو وہ لازمی یہ کر گزرے گا اس پل اس نے ایک عہد لیا تھا خود سے۔

”ایسے تو نہ کہو۔“ مومنہ نے منہ بنائے کہا تھا۔

”ایسا ہی ہو گا اور جو تم ہر وقت عمر کرتی گھومتی ہونا۔ سب سے پہلے اس کو بند کروائے گی۔ ترس جاؤ گی میری شکل کو۔“ عمر نے ایک اور بھیانک حقیقت بیان کی۔

”نہیں عمر ایسے تو نہ کہو اب تم۔“ مومنہ رونے کے قریب تھی بس۔

”یہ میں تو صرف کہہ رہا ہوں میری دلہن بقول تمہارے یہ سب کرے گی۔“ عمر نے اب کے دانت پسیے تھے۔

”عمر ہم تو دوست ہیں ناچھے۔ دیکھنا وہ کچھ نہیں کہے گی۔“ مومنہ نے اب عمر کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے اسی لمحے میں کہا تھا گویا خود کو تسلی دے رہی ہو۔

”مومنہ جناب وہ یہی دوستی سب سے پہلے ختم کروائے گی۔“ عمر نے سفاکی سے کہا۔

”تو اسکا کیا حل ہے پھر عمر۔ کل تو تمہاری شادی ہونی ہے نا۔“ مومنہ کے دل پہ گویا قیامت برپا تھی۔ اتنا اچھا دوست کیسے کھو سکتی تھی وہ۔

”اسکا ایک حل ہے بس۔“ عمر کی آواز گونجی تھی مومنہ اس نوید پہ سراٹھایا۔

”وہ کیا۔“ مومنہ نے جلدی سے پوچھا تھا۔

”یہی کہ شادی تو ہم دونوں کی ہی ہونی ہے تو کسی اور سے کرنے کی بجائے ہم آپس میں کر لیں گے نا۔ ہے نا گذ آئیڈیا۔“ عمر نے پر شوق نظر وں سے اسکے اترے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”پرے دفع ہو جاؤ تم۔ شکل دیکھی ہے اپنی چھپھوندر۔ چھپھوندر سے کروں گی کیا میں شادی۔“ مومنہ کو جب بات سمجھ آئی تو کرنٹ کھا کے پیچھے ہوئی تھی۔

عمر جو اتنی سنسنی پھیلا کے بیٹھا ہوا تھا اب کے قہقہے لگا کے ہنسا تھا۔

”بس خاطر جمع رکھو اور غور سے دیکھ لو اس شکل کو۔“ عمر نے اسکو ایک بازو سے پکڑ کے پاس کیا تھا اور دھیمے لمحے میں کہا تھا۔

”اپنے شیطانی دماغ پہ اور بوجھ نہ ڈالو۔ کوئی ایسا انسان نہیں اس دنیا میں جو ہماری دوستی کو خراب کر سکے۔ ناولز اٹھاؤ اپنے اور آئندہ ایسی فضول بکواس نہ سنو میں۔ آئی بڑی میری شادی کروانے والی۔ ” عمر نے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

” ڈانٹ کیوں رہے ہو؟ ” مومنہ نے منہ بنایا۔

” مجال ہے لڑکی جو تم دو منٹ منہ سیدھا رکھ لو۔ کھول کے تو دیکھو اندر کیا ہے۔ ” عمر نے اسکے پھر منہ بنانے پہ ڈانتھا تھا۔

” عمر ڈونٹ ٹیل می پھر تم کوئی کارستانی کر کے آئے ہو۔ ” مومنہ کاشاپر کی طرف جاتا ہاتھ رکا تھا۔

عمر نے ایک نظر اسکو گھورا جو ٹراوزر کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے پر سکون کھڑا مومنہ کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

مومنہ نے شاپر کھولا تو اسکے ناولز بخیر و عافیت موجود تھے مگر ساتھ چاکلیٹس بھی موجود تھے۔ مومنہ تو اچھل پڑی تھی۔

” عمر یو آر بیسٹ۔ ” مومنہ خوشی سے اچھلی۔

” اسلئے کہتا ہوں بیسٹ کو avail کرلو۔ آفر مدد و دمداد کے لیے ہے۔ ” عمر نے اسکا خوشی سے دمکتا چہرے دیکھتے ہوئے پھر ہنسنے ہوئے کہا تھا۔ مومنہ نے گھورا۔

” دوستی والی آفر کی بات کی ہے۔ ” عمر نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

” دیکھ لو نگی میں تمہاری ہوتی سوتی بیوی کو بھی۔ کوئی مائی کا لعل تمہیں مجھ سے دور نہیں کر سکتا۔ چچھوندر۔ کیونکہ تمہیں میں ہی جھیل سکتی ہوں۔ ” مومنہ لکھکھلاتے ہوئے کہتی اندر کی طرف بڑھی تھی۔

” ہائے ” عمر پچھے دل پہ ہاتھ رکھتا رہ گیا تھا۔

آفس میں گھمبیر خاموشی کا راج تھا۔ جو عنقریب آنے والے طوفان کا پیش خیمه تھی۔ طلال وجاہت کسی بھی قسم کی نرمی سے خالی تھی چہرے پہ طیش اور غصے سے برا حال تھا۔ تینتیس سال کا وہ ایک شاندار مرد تھا۔

ماتھے پہ پڑے بال اسکی شخصیت کو چار چاند لگاتے تھے۔ ایسی شاندار شخصیت کا مالک کہ دیکھنے والا دیکھتا رہ جائے۔ لوگ رشک کی نگاہ سے اسکو دیکھا کرتے تھے۔ چہرے کی کر خنگی سامنے والوں کو دہلا دینے کے لیے کافی ہوتی تھی۔ اصولوں کا پکا انسان تھا طلال وجاہت۔ بلیک ٹوپیں میں مبوس وہ اس وقت ماتھے پہ سوچوں کا جال بچھائے بیٹھا سامنے بیٹھے دور کرز کو گھور رہا تھا۔

”آپکو کیا لگتا تھا کہ آپ ہیرا پھیری کرتے رہیں گے اور مجھے بھنک تک نہیں پڑے گی۔“ طلال کا چہرہ اس وقت غصے کی آمیزش سے سرخ پڑ چکا تھا۔ مٹھیاں بھینچے وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

”ایک لمبے کو سوچا آپ نے کہ ایسا کرنے سے نہ صرف اپنی دنیا بلکہ آخرت بھی خراب کر رہے ہیں۔ کیا ہوتے ہیں چند روپے؟ چاہیے تھے تو کمپنی سے لوں لے لیتے۔ یا اپنی شفت ڈبل کرو سکتے تھے آپ۔“ مگر حرام طریقے سے آسان لگا آپکو۔ ”طلال کا لہجہ سرد تھا۔

وہ دوسرے بھگ چھتیس سے چالیس سال کے درمیان تھے۔
”وہ سر۔۔۔“ ایک ور کر منمنا یا تھا۔

”میں آپکی ساری وضاحت سن چکا ہوں مگر آپکو یہ سب کرنے کی اجازت ان حالات میں بھی ہر گز نہیں تھی۔ میں چاہوں تو آپکا کیری ایک منٹ میں خراب کر سکتا ہوں آپ

دونوں کو کہیں اور جا ب نہیں ملے گی۔ تب آپ کو احساس ہو گا آپ نے کیا کیا ہے۔ ”طلال کسی بھی رعایت کے موڑ میں نہیں تھا۔

”اور ایک بات یاد رکھیے گا یہ جو ہم الٹے طریقے سے پیسا کرتے ہیں۔ کھائے کی تو ساری فیملی مگر حساب اکیلی جان کو ہی دینا پڑتا ہے۔ حرام کے لقے سے بچائیں خود کو اور اپنی فیملیز کو۔ جزا و سزا، غلط اور درست کی تمیز مت بھولیے کبھی۔ ”طلال وجاہت نے پہنچنے والے الفاظ میں کہا تھا اور کہتے ساتھ ایک پرسوچ نظر ان دونوں کو دیکھا اور فون اٹھا کے دو ڈیجٹ دبائے تھے۔

”کریم صاحب ان دو صاحب کے تمام اکاؤنٹنٹس ٹکسٹر کریں کل سے یہ ہماری کمپنی کی طرف سے فارغ ہیں۔ اس بات کا صرف ہم لوگوں کو ہی علم ہے اور امید ہے ہمارے درمیان ہی رہے گی یہ بات۔ باقی آپ کو میرا مطلب سمجھ آگیا ہو گا۔ ”طلال وجاہت نے مخصوص لمحے میں بیٹھے درکر ز کو دیکھا جن کو اب اپنے خسارے کا اندازہ ہو رہا تھا۔

”اب آپ جاسکتے ہیں۔ ”طلال نے انکو جانے کا اشارہ کیا اور خود فائل دیکھنے مصروف ہو گیا تھا جس کا واضح مطلب تھا نومورڈ سکشن۔۔۔

زندگی گزرتے رہنے کا نام ہے۔ ہر دن طوع ہوتا ہے اور کچھ امیدوں کی ڈور تھمائے غروب ہو جاتا ہے کہ کل روشن سویرا ہو گا اور اسی امید پہ انسان امیدوں کے تعاقب میں زندگی کی بھاگ دوڑ میں لگا رہتا ہے۔ امید زندہ رہنے کے لیے لازمی جز ہے اور اسی امید کے سہارے ہم منزلوں کے تعاقب میں چلتے آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

کھول یوں مٹھی کہ اک جگنوں نکلے ہاتھ سے
آنکھ کو ایسے جھپک لمحہ کوئی او جھل نہ ہو
پہلی سیر ھی پر قدم رکھ، آخری سیر ھی پر آنکھ
منزلوں کی جستجو میں رائیگاں کوئی پل نہ ہو
صفیہ بیگم ذکر و اذکار میں مشغول تھیں۔ جب کائنات مسرور سی اندر داخل ہوئی تھی۔

”بیٹے آرام سے آرام سے۔“ صفیہ بیگم نے بہو کی تیزی دیکھ کے ڈپٹا تھا۔
”جی آنٹی فکر نہ کریں ٹھیک ہوں میں۔ وہ دراصل ایک اچھی خبر تھی۔“ کائنات نے ہنسنے
ہوئے ساس کو کہا تھا۔

”سناؤ بھی اچھی خبر سنے بھی عرصہ ہوا چلا۔“ صفیہ بیگم نے کہا تھا۔
”جی انشاء اللہ خدا سب خیر کرے گا۔ دراصل میری کالج کی بہت اچھی دوست ہے ایک
میں نے اسکو آج فون کیا تو وہ ادھر ہمارے گھر کے نزدیک ہی آئی ہوئی تھی میں نے
اسکو گھر آنے کی دعوت دی ہے وہ بس آرہی ہو گی تھوڑی دیر میں۔“ کائنات نے خوشی
سے نہال ہوتے ہوئے خبر سنائی تھی۔

”اچھا اچھا مہمان تور حمت ہوتے ہیں۔ خیر سے بلا و۔ اپنا بھی دھیان رکھو۔“ صفیہ بیگم
نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”جی آنٹی۔ اتنے عرصے بعد مل رہے ہیں ہم۔ وہ بھی اتفاق سے میں اسکو آج کال کر لی
۔“ کائنات کی خوشی اسکے لمحے سے چھلک رہی تھی۔

”اچھا یوں کرو تم یا سر کو بولو کچھ سامان لے آئے مہمانوں کے لیے باہر سے۔ باقی منتها کر
لے گی تم نے اس حال میں کوئی کام نہیں کرنا۔“ صفیہ بیگم نے نصیحت کی تھی۔

”جی ٹھیک ہے آنٹی۔ پہلے کب منتها مجھے کچھ کرنے دیتی ہے۔“ کائنات نے انکے پیار پہ کہا
تھا۔

”تمہارا ہی گھر ہے بیٹا تم نے ہی کام کرنا ہے مگر ابھی آرام کرو۔“ صفیہ بیگم نے بہو کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

دل انسان کے جینے کے لئے ایک اہم ترین عضو۔ جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا
— نہ صرف یہ انسانی جسم میں خون کی ترسیل کا کام کرتا ہے بلکہ یہ انسانی روپیوں میں بھی
اہم کردار ادا کرتا ہے۔

انسان کی زندگی میں اہم کام دل کا ہی ہے۔ دل بگڑا تو سب بگڑ گیا دنیا بھی اور آخرت بھی
دل سلامت تو سب سلامت۔ بہترین دل وہ ہے جو اللہ کی محبت میں ترڑ پے۔
اسکو پکارے۔

اس تڑپ میں سکون بھی ہے کامیابی بھی۔ حقیقی محبت خدا کی ہے۔ جہاں نہ کسی گھاٹ کا ڈر، نہ کسی دھوکے کا خدشہ۔ وہ محبت مالا مال کرتی ہے انسان کو۔ کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے دنیا اور آخرت دونوں میں۔

باقی دنیاوی محبتیں تو خسارے ہیں گھاٹے کا سودا۔ جونہ تولد کو کسی پل سکون آنے دیتی ہیں نہ قرار۔ انسان مارا مارا پھر تار ہتا ہے بے کل سا۔ کیونکہ اسکو سکون کی تلاش ہوتی ہے اور سکون کہاں ملے گا؟ اللہ کی یاد میں۔ اسکے ذکر میں۔

(خبردار! اللہ کی یاد ہی سے دل تسلیم پاتے ہیں۔)

یہاں ہے سکون، دائمی سکون جو سجدے میں ملتا ہے۔ رکوع میں نصیب ہوتا ہے۔ قیام میں محسوس ہوتا ہے۔

دل کی سلامتی کی دعائیں مانگا کر پیں۔

منہماں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسے صفحہ مکمل کرنے کے بعد کتاب بند کی تھی۔

حرف حرف سچ تھا۔ ہم کہاں کہاں بھاگے پھرتے ہیں۔ دنیاوی دیوتاؤں کے پیچھے۔ جو
محض چند مقاصد کے لیے ہمیں محبت کے بول بولتے ہیں۔ مقاصد ہر انسان کے اسکی
ذہنیت کی مطابق ہوتے ہیں۔

آہ، آدم کی اولاد جو اشرف الخلوقات کہلائی۔۔۔

مہمان آچکے تھے۔ کائنات کی خوشی دیدنی تھی۔ صفیہ بیگم بھی مہمانوں کے پاس بیٹھی
ہوئیں تھیں۔ چائے کا سب اہتمام منتها نے کر رکھا تھا۔ پہلے مہمانوں کو جوس دینے کا ارادہ
تھا چائے کچھ دیر بعد دینے کا ارادہ تھا تو منتها نماز پڑھنے چلی گئی تھی تبھی مہمان بھی آگئے
تھے۔ کائنات انکو جوس سرو کر چکی تھی۔

”کائنات تم تو بلکل نہیں بدلي شادی کے بعد۔ ”صالح بولی تھی۔ جس پر رقیہ اور صفیہ بیگم
ہنس دی تھیں۔

”تمہارے بارے میں بھی میرا یہی خیال ہے۔ ”کائنات نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔
”کتنے سال گزر گئے ہیں مگر یوں لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ ”صالح نے کہا تھا۔
”ہاں بیٹا اب تو زمانہ یو نہیں گزرتا ہے۔ وقت کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ ”صفیہ بیگم بولی تھیں

”بیٹا مجھے زراوضو کرنا ہے۔ نماز کا وقت تنگ پڑ رہا ہے۔ ”رقیہ بیگم
نے کائنات سے کہا تھا۔

”جاو بیٹا لے جاو۔ ”صفیہ بیگم نے کائنات کو مخاطب کیا تھا۔
”جی آئیں آنٹی۔ ”کائنات انکو کہتے ساتھ باہر لے آئی تھی۔
”اور سناؤ بیٹا تم گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ ”صفیہ بیگم انکے جانے کے بعد منتها سے باتوں
میں لگ گئی تھی۔

”آنٹی آپ وضو کر کے اس کمرے میں آئیں میں اس کمرے میں جائے نماز بچھاتی ہوں آپکے کے لیے۔“ کائنات انکو کہتی سامنے والے کمرے میں چلی گئی تھی رقیہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلا�ا تھا۔

وضو سے فارغ ہو کے وہ کمرے میں جانے لگی تو نظر کھڑکی سے ساتھ والے کمرے میں بیٹھی لڑکی پہ پڑی تھی۔ جو جائے نماز پہ بیٹھی زار و قطار روتے اپنے خدا سے سر گوشیوں میں مصروف تھی۔

کالے ڈوبٹے کے ہالے میں چھپا چہرہ جس پہ بہتے اشکوں کی دھاریاں تھیں۔ ہچکو لے کھاتا بدن، آنسوؤں سے تر گال، خشک ہونٹ، سرخ پڑتی ناک تبھی ایک مسکراہٹ ابھری تھی چہرے پہ۔ کچھ دیر پہلے جو چہرے پہ بے سکونی تھی اس کی جگہ اطمینان نے لے لی تھی۔

جیسے دعاوں کی قبولیت پہ پکا یقین تھا۔

یہ ہوتی ہیں خدا کا پکے دوستوں کی نشانیاں میں سے ایک نشانی۔ جو بھروسہ کرتے ہیں۔ اس بات پہ کہ خدا انکی ہربات سن رہا ہے۔ ہر دعا سن رہا ہے۔ ہر عمل سے واقف ہے کچھ رائیگاں نہیں جائے گا۔ ہر تکلیف کا اندازہ ہے اسکو۔ وہ گواہ ہے ان لمحوں کا جس میں ہم چھپ چھپ کے روئے ترڑ پے۔

ہم دعاوں کی قبولیت میں بہت جلد باز ہوتے ہیں کہ ابھی مانگی ہے تو ابھی قبول ہو جائے۔ اگر قبولیت میں وقت درکار ہوا تو ہم اتنا لے ہو جاتے ہیں اور ناشکری پہ اتر آتے ہیں کہ ”خد امیری نہیں سنتا۔“

وہ تو سمیع الدعا ہے۔ دعاوں کو سننے والا۔ ہمارے حالات سے واقف وہ یکتا رب ہے وہ سنتا ہے۔ نہ صرف سنتا ہے بلکہ عطا بھی کرتا ہے۔

رقیہ بیگم اب نماز پڑھنے کرے کی جانب بڑھ گئی تھیں۔ اور مرتباً مہمانوں سے ملنے کے لیے باہر نکل گئی تھیں۔

مرتباً مہمانوں سے مل چکی تھی۔ مرتباً کو دونوں خواتین بے حد پسند آئی تھیں۔ وہ چائے اور باقی لوازمات کے ساتھ لدی پھر اندر آئی تھی اور مہمانوں کو سرو کر رہی تھی۔ رقیہ بیگم نے ایک نظر مرتبا کے چہرے کو دیکھا۔

کچھ پل پہلے والی بے سکونی اور آہ وزاری کا چہرے پہ شاید تک نہ تھا۔ وہ ہستے ہوئے صالحہ اور کائنات کے ساتھ باتوں میں لگی ہوئی تھی۔

”آپکی بیٹی ماشاء اللہ بہت پیاری ہے۔ تمیزدار، سماجی ہوئی۔“ رقیہ بیگم نے سچے دل سے تعریف کی تھی۔

”جی شکر ہے خدا کا۔ کاش کہ نصیب بھی اپھے نکتے میرے بھی کے۔“ صفیہ بیگم نے نم لبھ میں کہا تھا۔

”خدا خیر کرے۔ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔“ رقیہ بیگم نے پریشانی سے پوچھا تھا۔
”بس بہن کیا کر سکتے ہیں۔ خدا کی کرنی ہے۔ نصیب صورتوں کے محتاج تھوڑی ہوتے ہیں۔“ صفیہ بیگم نے آزر دہ لبھ میں کہا تھا۔

”اگر آپ کو برانہ لگے تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ میں سمجھی نہیں۔“ رقیہ بیگم نے چائے کا کپ نیچے رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اب صالحہ سمیت کائنات اور مرتبا بھی متوجہ ہو چکی تھیں

۔
مرتبا نے لب بھینچے تھے۔ صفیہ بیگم نے خود پہ بیتی قیامت کا سارا احوال سنایا تھا اور آخر میں روپڑی تھیں۔ مرتبا کو خود کا یوں اشتہار بننا بے حد ناپسند تھا وہ بارہا صفیہ بیگم کو سمجھا چکی تھی مگر وہ بھی ماں تھیں۔

”اماں آپ کیا باتیں لے کے بیٹھ گئی ہیں۔“ منتہا اٹھ کے اب اپنی اماں کے پاس آئی تھی اور انکو ساتھ لگایا تھا۔

”مہمان آئے ہیں۔ آنٹی آپ چائے لے نا۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ صالحہ آپی آپ بھی لے نا۔“ منتہا نے ماحول کو بہتر بنانے کے لیے ملکے پھلکے انداز میں کھا تھا۔ رقیہ بیگم ایک پل کو اسکو دیکھتی رہ گئی تھیں۔

”بہت صابر بھی ہے ماشاء اللہ۔ دیکھنا آپ صفیہ بہن اسکے نصیب بھی اچھے ہوں گے۔ آزمائش ہے بس یہ۔“ رقیہ بیگم نے صفیہ بیگم کو کھا تھا۔

”جی انشاء اللہ، بس آپ دعا کر دیا کریں۔ باقی دنیا ہے یہ۔ ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں یہاں۔ جو اپنے مفاد کو کسی بھی حد تک گر جاتے ہیں۔“ کائنات بھا بھی نے کھا تھا۔

”پتہ نہیں کیسے لوگ ہیں جو انسانوں کو پیسوں کے ترازو میں تولتے ہیں۔ جہیز تو لعنت ہے ایک مگر اس کے باوجود ہمارا معاشرے ایسے انسانوں سے بھرا ہوا ہے جو جہیز کے لیے اس حد تک جاتے ہیں۔“ صالحہ نے بھی دکھی لبھے میں کھا تھا۔ انکو منتہا کے ساتھ ہونے والے واقعے پہ دلی افسوس ہوا تھا۔

”آپی اگر سوچا جائے تو اس میں ہم لوگوں کا ہی قصور ہے نا۔ ہم اس فرسودہ رسم کو ختم ہی نہیں کر پا رہے۔ یہ ہم میں یہ رسم اب فیشن کی صورت میں رچ بس گئی ہے۔ نارمل طبقہ بھی اپنی بچیوں کو اتنا جہیز دیتا ہے کہ انکی اولادیں بھی اگر جوان ہو کے استعمال کریں تب بھی کچھ سامان پڑا ہوتا ہے۔ اب ماشاء اللہ سے میری بھا بھی کی اماں نے انکو ہمارے منع کرنے کے باوجود اتنا سامان دے کے بھیجا ہے کہ انکے بستر انکی بیٹیوں کے جہیز میں بھی دیے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ اب ایک رسم بن چکی ہے۔ ہر کوئی پوچھتا ہے کہ جہیز میں کیا آیا ہے۔ اگر کوئی لڑکی کم جہیز لے جائے تو لوگ باتیں بناتے ہیں۔ تو اس بھاگ دوڑ

میں سب زیادہ سے زیادہ میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم جیسے طبقے کو پیست رہتے ہیں۔ ”مُنْتَهَا نے آخر میں مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

”بات تو بکل درست کی ہے بیٹا تم نے۔ اس چکر میں لڑکیاں گھروں میں بیٹھی رہ جاتی ہیں کہ جہیز کا سامان لوگوں کی امیدوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ کچھ کی عمر جہیز اکھٹا کرتے ہوئے گزر جاتی ہے۔ ”رقیہ بیگم نے بھی اسکی بات کی تائید کی تھی۔

”اچھا چھوڑیں سب۔ خدا ہماری اصلاح کرے۔ آپ یہ کباب لیجیے۔ ”مُنْتَهَا نے اسکا دھیان اس ٹاپک سے ہٹایا تھا۔

باتوں کے دوران وقت کا پتہ نہیں چلا۔ تقریباً چھ بجے صالحہ اور رقیہ بیگم انکو اپنی طرف آنے کی دعوت دے کے روانہ ہوئی تھیں۔

صالحہ اس بار اپنے دونوں بچوں سمیت آئی ہوئی تھی۔ ایک چھ سالہ بیٹی ملانکہ اضرار، چار سالہ بیٹا جبراں اضرار۔ اضرار صاحب البتہ اپنی نوکری کی مصروفیت کی وجہ سے نہ آپائے تھے۔

بچوں کو تو کھینے کو دنے سے فرصت نہ ملتی تھی کبھی عمر کے ساتھ آٹنگ کے لیے نکل جاتے تھے یہی حال خواتین کا تھا جن کی شاپنگ نہیں تھی ختم ہو رہی۔ صالحہ کے آنے سے ہر طرف رونق لگ گئی تھی۔ انہی کے لیے بہت سی چیزوں کا نیا استاک جمع ہو گیا تھا۔ کپڑوں سے لے کے کھلونوں تک۔ صالحہ کا بس چلتا تو اسکو دنیا کی ہر چیز خرید کے لا دیتیں۔

البتہ طلال و جاہت کی زندگی میں مصروفیت کے سوائے کوئی رنگ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جس پہ کڑھتے ہوئے رقیہ بیگم نے آج پھر ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

کائنات کے گھر سے آئے انکو چوتھار وز تھا۔ مغرب کے بعد رقیہ اور صالحہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

”صالحہ میں اب مزید طلال کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے اسکی شادی کرنی ہے چاہے وہ مانے یا نہ مانے۔ میری زندگی کا کیا بھروسہ آج ہوں کل نہیں۔ مجھے اپنے جگر کے ٹکڑے کو اس حال میں چھوڑ نہیں جانا۔“ رقیہ بیگم نے سکنی بھرتے ہوئے کہا تھا۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ خدا آپکو لمبی زندگی دے۔“ صالحہ نے ترڑپ کے کہا تھا۔

”اچھا نہیں کرتی ایسی باتیں جو حقیقت ہے وہی بتارہی تھی۔ مگر مجھے طلال کی شادی کرنی ہے تم اس بات پہ آؤ۔“ رقیہ بیگم نے تیزی سے کہا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے نامگر میری پیاری اماں شادی کے لیے ایک لڑکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر اس سے اہم بات لڑکا بھی تو راضی ہو مگر نہ تو ہمارے پاس لڑکی ہے نہ ہی لڑکا راضی ہے۔“ صالحہ نے اب انکو سنبھال دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”لڑکی میں دیکھ چکی ہوں۔ لڑکے کو بھی دیکھ لیتی ہوں اب۔“ رقیہ بیگم اس بارٹھاں چکی تھیں۔

”اے واہ یہ ہوئی ناں بات۔ اچھا بتائیں پہلے کون ہے لڑکی؟“ صالحہ نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

”منتها“ رقیہ بیگم نے پر سکون لبھ میں کہا تھا۔

”کیا؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟؟“ صالحہ حیران ہوئی تھی۔

”کچھ غلط نہیں کہا۔ مجھے وہ لڑکی بہت اچھی لگی ہے میں اسکو ہی اپنی بہو بناؤں گی اور یہ کام تم کرو گی۔ ان لوگوں سے بات کرو۔ طلال کے بارے میں بتاؤ۔ ان سے کہنا ہمیں کچھ نہیں چاہیے سوائے منتها کے ذور میر اطلال بہت اچھا ہے وہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔

میں خود ان سے بات کروں گی۔ ”رقیہ بیگم جو پچھلے تین دنوں سے خود سے ہی سب ٹھانے پڑھی تھیں آج بولی تھیں۔

”ارے ارے بس بس۔ آپ تو سب ہی کچھ طے کیے پڑھی ہیں۔ بات کر لیتی ہوں میں۔ مگر اماں اگر انہوں نے اనیہ کی وجہ سے انکار کر دیا۔ ”صالحہ نے خدشہ کا اظہار کیا تھا۔ ”ظاہر ہے مشکل فیصلہ ہے۔ ہم بس اتجاء ہی کر سکتے ہیں مجبور تو نہیں۔ مگر میری دعا ہے کہ وہ مان جائیں بس۔ ”رقیہ بیگم نے افسر دہ لمحے میں کہا تھا۔

”اماں آپ کو کیوں اتنی پسند آگئی ہے شہرا کہ آپکو وہی بہوچا ہیے۔ ”صالحہ نے اب ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”وہ بہت الگ بھی ہے۔ ”رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”اگر وہ بھی چالاک نکلی۔ آانیہ کونہ اپنا سکنی نہ ہی طلال کو سکھ دے سکی پھر۔ ”صالحہ نے کھوئے لمحے میں پوچھا تھا۔

”صالحہ میں اسکوا سکنی تھائی میں دیکھا ہے۔ کہتے ہیں جو خدا کے سامنے روتے ہیں، اپنے دکھڑے صرف اسکو سنا تے ہیں۔ وہ بہت معصوم ہوتے ہیں۔ دنیا کے سامنے وہ اپنے دکھڑے نہیں روتے۔ تھائی ہی وہ چیز ہے جس میں انسان اپنی اصل حالت میں ملتا ہے کہ وہ اصل میں کیا ہے۔ ”رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”اور باقی مجھے اپنے رب پہ بھروسہ ہے۔ مجھے اس بھی میں نفرت نہیں نظر آئی۔ باقی میرے طلال اور اانیہ کا نصیب۔ ”رقیہ بیگم نے کہتے ہوئے بات ختم کی تھی۔

اگلے تین دن میں صالحہ اور رقیہ بیگم نے فون پہ اپنی درخواست صفیہ بیگم کو سنائی تھی جواب میں انہوں نے وقت مانگا تھا۔ اب اگلا کام طلال وجاہت کو منانا تھا جو کسی معرکے سے کم نہ تھا۔

طلال کے آنے کا وقت ہو گیا تھا جس کا انتظار صحیح سے رقیہ بیگم کر رہی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کے آنیہ کے ساتھ مصروف تھا تو رقیہ بیگم نے اسکو کمرے میں آنے کا بولا تھا۔
”خبریت ہے اماں! کوئی بات ہوئی ہے کیا؟“ طلال کا ما تھا ٹھنکا تھا۔

”ہوئی نہیں ہے ابھی تک مگر ہونے والی ہے۔ اگر تمہارا تعادن رہا تو انشاء اللہ بات بنی سمجھو۔“ صالحہ نے بھی رقمہ لگایا تھا۔

”کیا بات؟ میں سمجھا نہیں۔“ طلال ان دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”آؤ سب سمجھاتی ہوں۔“ رقیہ بیگم نے اسکو پیچھے آنے کی تاکید کی تھی اور کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”آپا ایک کپ چائے پلوادیں۔ یہ آج بلی کدھر ہے؟ نظر نہیں آرہی۔“ طلال نے صالحہ سے کہتے ہوئے انیہ کا ما تھا چوما تھا۔

”اسکے ٹیسٹ ہو رہے اس میں مصروف ہے۔ تم چلو میں لاتی ہوں چائے۔ میں بنارہی تھی پہلے ہی چو لہے پہ پڑی ہوئی ہے۔“ صالحہ کہتے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”جی اماں بولیں۔“ طلال آنیہ کو رقیہ بیگم کی ساتھ بیڈ پہ بیٹھاتے ہوئے خود بھی بیٹھا اور بات کا آغاز کیا۔

”دیکھو بیٹا میں سیدھی بات کروں گی۔ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے میں آج ہوں کل نہیں ہوں۔“ رقیہ بیگم نے تمہید باندھی تھی۔

”خدا آپکو لمبی زندگی دے۔ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔“ طلال کے پاس کچھ اور کھونے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ تو کسی نئے رشتے کا حوصلہ بھی خود میں محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ کھونا تو دور کی بات تھی۔

”اگر میری لمبی زندگی چاہتے ہو تو خالی دعاؤں سے کچھ نہیں بننا۔ مجھے ایک عدد بھوچا ہے جو اس گھر کو گھر بنائے۔ انیہ کو ماں کا پیار دے۔“ رقیہ بیگم نے اصل بات کی تھی۔

”ماں پلیز۔ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا میں۔ میری زندگی میں اب کسی چیز کی کوئی گنجائش نہیں۔ ”طلال وجاہت نے دانت پسیتے ہوئے کہا تھا۔

”تو ٹھیک ہے بیٹا کرو اپنی من مانیاں۔ چھوڑ دو مجھے میرے حال پر۔ مر نے دوویسے بھی جو چار دن کی زندگی رہ گئی ہے یو نہی کڑھتے کڑھتے گزار دو گئی۔ مگر سکون سے اس دنیا سے نہیں جاسکوں گی۔ ”رقیہ بیگم نے روتے ہوئے کہا تھا اور انھوں کے جانے لگی تھی۔

”ماں کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ کیوں مجھے گناہ گار کر رہی ہیں۔ ”طلال نے انکالا غرسا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے پاس بٹھایا تھا۔ اسی وقت صالحہ اندر آئی تھی چائے لے کر۔

”آپ آپ ہی سمجھائیں ماں کو۔ کیوں فضول کی ضد کر رہی ہیں۔ ”طلال نے صالحہ کو مدد طلب نظر وں سے دیکھا تھا کیونکہ یہاں اسکا کوئی آرڈر نہیں چلنے والا تھا۔ یہاں وہ طلال تھا ایک فرمانبردار بیٹا اور بھائی۔

”میں ماں کے ساتھ ہوں۔ بہتر ہے تم بھی اس پر سوچو۔ ”صالحہ نے بھی ہری جھنڈی دیکھائی تھی۔

”توجب آپ سب طے کر کے بیٹھیں ہیں تو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت کیا تھی بھلا۔ ”طلال نے سرد لبجے میں کہا تھا۔

”طلال میرے بھائی دنیا کے سب انسان ایک سے نہیں ہوتے۔ اور تم کب تک خود کو یو نہی سزادیتے رہے گے۔ آگے پوری زندگی پڑی ہے اور ائمہ اسکو کون زمانے میں چلنے کے طور طریقے سکھائے گا؟ ”صالحہ بولنے پر آئی توبولتی چلی گئی۔ البتہ رقیہ بیگم کا وجود اب روتے ہوئے ہچکو لے کھارہا تھا۔

طلال کے لیے یہ سب دیکھانا قابل برداشت تھا۔ اس نے ایک نظر معصوم سے بیٹی کو دیکھا تھا جو گڑیا کے ساتھ کھیلتے ہوئے باپ کو دیکھ کے ہنس پڑتی تھی۔

”اور اگر آنے والی بھی انسیہ کو وہ پیار اور توجہ نہ دے سکی تو؟ اس زمانے میں ایسا دریا دل کوئی انسان نہیں ہے۔ آپ بات کو سمجھ کیوں نہیں رہیں ہیں۔ ”طلال نے آخری کوشش کی تھی اور روتنی ماں کو اپنے حصار میں لیا تھا۔

”تو مان جا۔ باقی خدا اور اپنی ماں کی دعاؤں پر بھروسہ رکھ۔ ”رقیہ بیگم نے آنکھوں میں امید کے جگنو لئے نم آنکھوں سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے التجاء کی تھی۔ طلال وجہت تو انکے آنکھ کے اشارے پر سب وارنے والی اولاد میں سے تھا ب تواہ پھر التجاء کر رہی تھیں۔

”ٹھیک ہے کریں جو کرنا ہے۔ مگر اب آپ کی آنکھ میں مجھے ایک آنسو نظر نہ آئے۔ ”طلال نے کہتے ہوئے ان دونوں کو گویا دنیا کی سب سے بڑی خوشخبری دی تھی۔ اور وہ رقیہ بیگم کے آنسو صاف کرتا اٹھ کے باہر کی طرف بڑھا۔

”یا اللہ الحمد للہ۔ سب تیرے بھروسے چھوڑا مجھے نامید مت کرنا۔ ”رقیہ بیگم نے خوشی سے کہا تھا۔ صالحہ بھی شکر کرتی خوشی سے بھتھجی کو اٹھا کے چونے لگی تھی۔

”ایک بات سب سن لیں۔ آپ نے جو کرنا ہے کریں مگر ایک بات آپ سب سن لیں اور ہر ایک کو سمجھا دیجئے گا۔ کہ یہ نیارشتہ صرف آنسیہ کے لئے بن رہا ہے۔۔۔ صرف اور صرف آنسیہ کے لئے۔ اگر میری بیٹی کو ایک خراش بھی آئی مستقبل میں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔۔ اور اس نئے رشتے سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہو گا۔ ”طلال وجہت نے سرد لہجے میں اپنا پیغام دیا اور باہر نکل گیا تھا۔

”دیکھتے ہیں بیٹا کب تک سروکار نہیں رہتا۔ ”رقیہ بیگم سوچ کے رہ گئی تھیں۔ خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی اب صرف دوسرا طرف سے ثبت جواب آنے کا شدت سے انتظار تھا۔

دو دن بعد منہما کے گھر سے ہاں کا جواب آنے کے ساتھ دعوت بھی آئی تھی باقاعدہ رشتہ مانگنے آنے کی۔ تو چھ افراد پہ مشتمل قافلہ سچلوں اور مٹھائیوں سمیت روانہ ہو گیا تھا۔ جس میں رقیہ بیگم، صالحہ، محسن اور اکرام بھائی سمیت افشاں اور عاصمہ بیگم بھی تھیں۔

محسن اور اکرام صاحب نے طلال کے کاروبار کے بارے میں سب بتا دیا تھا مزید انکو اپنی طرف سے ہر قسم کی تحقیق کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔

منہما کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیساری ایکٹ کرے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے جو اس پہ بیتا تھا۔ صرف اسکو پتہ تھا۔ ہاں وہ محبت تو نہیں کرتی تھی اس شخص سے مگر نکاح جیسا رشتہ تھا اسکے ساتھ جو ایک پل میں ٹوٹا تھا۔ منہما نے اپنے خدشات کائنات کے سامنے رکھے تھے کہ کہی یہ لوگ ہمدردی میں یہ رشتہ تو نہیں لے کے آئے۔ حالانکہ منہما والے واقعہ کا ذکر ان لوگوں نے ہرگز اس مقصد سے انکے سامنے نہیں کیا تھا۔

رقیہ بیگم نے ان کے تمام خدشات یہ کہہ کر ٹال دیے تھے کہ ہیرے کی پہچان جو ہری کو ہی ہوتی ہے آپ سمجھ لیں اس ہیرے کی پہچان مجھے ہو گئی ہے۔

اگلے ہفتے میں دونوں طرف سے تمام پھان بین کے بعد رشتہ طے پا گیا تھا۔ البتہ طلال وجہت زخمی شیر بنا پھر رہا تھا۔ اسکو آجکل کوئی بھی چھیڑنے سے گریز کر رہا تھا۔

جمعہ کا دن نکاح کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ طلال و جہت آج کل گھر آنا اور کم کر گیا تھا۔ وجہت ہاؤس میں شادی کی تیاریاں عروج پہ تھیں خواتین کو صرف چار دن ملے تھے شاپنگ کے جس میں منہما کے ساتھ ساتھ سب نے اپنے لئے بھی شاپنگ کرنی تھی۔ صالحہ نے اپنا قیام مزید بڑھایا تھا۔ جبکہ اضرار نکاح سے ایک دن پہلے آنے کا کہہ

چکا تھا۔ طلال کے حکم پر زیادہ مہمانوں کے بلا نے پر پابندی تھی اسکا کہنا تھا کہ نکاح کو نکاح رکھا جائے۔

عمر کا مسخرہ پن عروج پر تھا۔ جس کو سب انجوائے کرتے تھے۔ اس وقت بھی وجاہت ہاؤس میں سب خواتین اپنی شاپنگ دیکھنے میں مصروف تھیں جس میں عمر اپنی پھل جڑیاں چھوڑ رہا تھا کہ سب مسکرانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

مومنہ اپنے اور آنیہ کے ڈریسز چن کے وہ لائی تھی جو سیم تھے۔ سب باؤں میں مشغول تھے جب شیر کی انٹری ہوئی تھی۔ طلال وجاہت کی بار عب آواز گونجی تھی۔

”السلام علیکم!“

ماتھے پر غصے کی لکیریں نمایاں تھیں۔ وہ آج کل یو نہی پیشانی پر بل ڈالے رہتا تھا۔ سب نے سلام کا جواب دیا تھا۔ سب سے آخر میں عمر کی بلند آواز آئی تھی۔

”وعلیکم السلام! وعلیکم اسلام! آئیں آپکا، ہی انتظار تھا۔“ عمر نے جس لمحے میں کہا تھا سب کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری تھی لیکن طلال نے جس نظر سے عمر کو دیکھا عمر اپنی مسکراہٹ پی گیا تھا۔

طلال آنیہ کو اٹھانے کے لیے بڑھا تھا جو مومنہ کے پاس بیٹھی کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی

”طبعت ٹھیک رہی آپکی؟“ طلال نے آنیہ کو گود میں لیتے ہوئے رقیہ بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح سوال کیا تھا۔

”مجھے کیا ہوا ہے میں بھلی چنگی ہوں۔“ رقیہ بیگم ساری تکلیفیں بھلائی ہوئی تھیں آج کل
۔ طلال اُنکے بات کا مطلب سمجھ چکا تھا تو سر دسانس خارج کی تھی۔

”آپ سب کیوں خاموش ہو گئے ہیں۔“ طلال نے سکی نظریں اپنی جانب متوجہ پائی تو
سوال کیا تھا۔

”ہم تو پلانگ کر رہے تھے کہ کونسا سونگ لگانا ہے۔ ایک سیلکٹ ہوا ہے
رکیں بتاتا ہوں۔“ عمر طلال کو نرم لمحے میں دیکھتے ہوئے واپس اپنی فارم میں آیا تھا۔

”راجہ کی آئے گی بارات رنگیلی ہو گی رات۔۔۔“ عمر طلال کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کی
طرف متوجہ نہیں تھا اور اپنے راگ الائپنے لگا تھا۔

”راجہ کی بارات کا تو پتہ نہیں اگر تمہارا راگ بند نہ ہوا تو تمہاری جماعت میرے ہاتھوں کی
ہے۔“ طلال نے خونخوار لمحے میں کہا تھا۔
سب اسکی درگست پہ ہولے سے ہنسے تھے۔

”ویسے اس شعر میں شاعر آپکو ہی راجہ کہہ رہا تھا۔“ عمر کی معصوانہ آواز گونجی تھی۔ عمر
کہاں بازر ہے والا تھا۔

اب کے سب کا قہقہہ گو نجا تھا۔

”عمر!“ طلال نے اب تنیہہ لمحے میں کہا تھا۔

”کیا عمر! عمر! کرنے دو بچوں کو موج مستی۔ اب نہیں کریں گے تو کب کریں گے، یہی تو
موقع ہوتے ہیں۔ خود تو تم گھر ٹکتے نہیں۔ اب ہم پہ پابندی نہ لگاؤ۔“ رقیہ بیگم نے عمر کی
درگست بنتے دیکھی تو بولی تھیں۔

”یار آپ لوگ جو مرضی کریں۔ نہیں لگا رہا میں کسی پہ کوئی پابندی۔ فریش ہونے جا رہا ہوں۔ کھانا لگوادیں۔“ طلال نے آنیہ کو مومنہ کو دیا جو ریس کر رہی تھی۔

”اور اگر تمہاری موجود مسٹی کی آواز اب میری کانوں میں پڑی تو اپنی خیر منانا۔“ طلال نے جاتے ہوئے عمر کو وارن کیا تھا۔

”یہ لوکر گل۔ بھلانی کا کوئی زمانہ نہیں۔“ عمر نے رقمیہ بیگم کو مدد طلب نظر وں سے دیکھتے کہا۔

”سب نے کھانا کھالیا؟“ کمرے کی طرف جاتے طلال نے سب سے پوچھا تھا۔

”نہیں ابھی کہاں؟“ صالحہ کی آواز آئی تھی۔

”ہم! میں آرڈر کرتا ہوں۔ سب ایک ساتھ کھانا کھائیں گے۔“ طلال نے کہتا سب کی حیران نظر وں کو اندر کو بڑھ گیا۔

”کیا ہو گیا ہے دلہے کو نظر لگانی ہے کیا۔ پہلی دفعہ تھوڑی ایسے کھار ہے ہیں ہم۔ جب صالحہ پھوپھو آتی ہیں ایسی عیش کرواتے ہیں طلال چاچو۔“ مومنہ نے سبکو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ سب ہنس پڑے تھے۔

ٹھیک چالیس منٹ بعد آرڈر آچکا تھا ساتھ ہی مومنہ کے ہاتھوں طلال کا آرڈر بھی۔

”طلال چاچو کے مطابق بل عمر دے گا۔ تو جناب آپکا بل ہے سات ہزار نو سو نوروپے اونٹی۔ اب جائیں اور آرڈر ریسیور کریں۔“ مومنہ نے لاونچ میں آکے عمر کے سر پہ جیسے بل پھوڑا تھا۔

”واٹ! میں کس خوشی میں؟ اونٹی کی بچی تمہیں تو آکے پوچھتا ہوں میں، ایک گانا ہی گایا تھا نا۔ بس۔ یہ سزادے دی مجھے۔ دیکھ لیں دادو۔ ”عمر دہائیاں دیتے باہر گیا تھا۔

عمیر بھی اسکے پیچھے لپکا تھا۔ پھر چیزوں سے لدے پھندے دونوں اندر داخل ہوئی تھے۔ ”کوئی طلال چاچو سے پوچھ کے آئے ذرا ولیمہ بھی ساتھ بھلگتنا تھا کیا؟ ”عمر کا داؤ بیلا عروج پہ تھا۔ اسی ہنسی خوشی کے ماحول میں کھانا کھایا گیا اور اس دوران عمر نے طلال کو چھیڑنے سے گریز کیا جس پہ اسکی درگت بنائی سب نے۔ یہ ماحول رات گئے تھے جاری رہا مگر طلال جلدی سونے چلا گیا تھا۔

بالا آخر بھاگتے دوڑتے تیاریوں میں مہندی کا دن آن پہنچا تھا۔ مومنہ نے صبح سے گھر سر پہ اٹھایا ہوا تھا کہ یہ کہیں سے بھی شادی والا گھر نہیں لگ رہا۔

لیکن کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ سخت آرڈر تھے سب کچھ سادگی سے کرنے کے۔ بس گھروں کو تھوڑا سا ہلا گلا کرنے کی اجازت ملی تھی وہ بھی رات کو۔

”اچھا یوں کرو تم جا کے علی سے مل آؤ۔ پرسوں وہ آیا تھا تو تم گھر نہیں تھیں بار بار آنے کی تاکید کر کے گیا تھا۔ یوں اچھا نہیں لگتا۔ پھر آگے شادی ہے تو پھر تو بلکل وقت نہیں ملنا۔ ”افشاں بیگم نے منہ پھلا کے بیٹھی مومنہ کو کہا تھا۔

”ارے ہاں۔ چلیں میں تیار ہو کے آتی ہوں پھر ما موس کی طرف جاتی ہوں۔ ”مومنہ جھٹ سے تیار ہوئی۔

تبھی عمر اندر داخل ہوا تھا۔

”فائل چاہیے ہے محسن چاچو گھر بھول گئے ہیں۔ چاچو کہہ رہے روم میں ٹیبل پہ پڑی ہے بلیو کلر کی۔ میں فیکٹری جارہا ہوں لادیں آپ۔ ”عمر بولا تھا۔

”اچھا میں لاتی ہوں۔ ”افشاں بیگم نے کہا اور اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ تھوڑی دیر تک مومنہ تیار ہو کے وائٹ فرائک میں نیچے آرہی تھی۔ عمر نے اسکو ایک نظر دیکھا تو نظر میں چرانی مشکل ہو رہی تھیں۔

”ماما ہو گئی ہوں تیار میں۔ خان بابا کو کہیں چھوڑ آئیں مجھے۔ ”مومنہ اپنے دھیان میں اونچا اونچا بولتی نیچے آرہی تھی۔

”کدھر کی تیاری ہے؟ ”عمر نے پوچھا تھا۔

”تم کدھر گھوم رہے ہو؟ ”مومنہ نے اسکو دیکھتے سوال کے بد لے سوال کیا تھا۔ ”میں ڈیٹ پہ جارہا ہوں۔ چلنا ہے میرے ساتھ۔ ”عمر نے اسکے سراپے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”مجھے ایسی خوفناک جگہوں پہ جانے کا کوئی شوق نہیں۔ ”مومنہ نے آنکھیں پھیرتے ہوئے کہا تھا

”یہ لو بیٹا۔ اور خان بابا کو بولو ذرا مومنہ کو تو قیر بھائی کی طرف چھوڑ آئے اسنے علی سے ملنے جانا ہے۔ ”افشاں بیگم نے اطلاع دے کے عمر کو آگ بگولہ کر دیا تھا۔

”خان بابا تو گھر نہیں ہیں۔ انکو واپسی تک شام ہو جانی ہے۔ ”عمر نے اطلاع دی تھی

”مگر مجھے علی سے ملنے جانا ہے۔“ مومنہ نے کہا تھا۔

”تمہیں تو میں بتاتا ہوں۔“ عمر نے افشاں بیگم کا لحاظ کرتے سوچتے ہوئے خون کے گھونٹ بھرے تھے۔

”چلو یوں کرو عمر تم لے جاؤ۔ فیکٹری سے واپسی پہلاتے آنسا تھے ہی۔“ افشاں بیگم نے کہا تھا۔

”بھی ٹھیک ہے آپ فکر نہ کریں۔ چلو۔“ عمر نے مومنہ کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ اور دونوں باہر نکل آئے تھے۔

”جلدی کرو میں علی سے ملنے کے بعد واپس گھر بھی آنا ہے۔“ مومنہ نے عجلت سے ڈوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا تھا۔ علی مومنہ کاموں زاد تھا جو عمر اور مومنہ کا ہی ہم عمر تھا۔ وہ اسٹڈیز کے لیے لندن گیا ہوا تھا سسٹر بریک پہ پاکستان آیا ہوا تھا۔

”کیا علی علی اگائی ہوئی ہے۔ علی بھائی بولو۔“ عمر نے گاڑی کو ان لاک کرتے ہوئے مومنہ کے مزاج درست کئے تھے ماتھے پہ ان گنت بل آچکے تھے۔

”کیا مطلب!“ مومنہ نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے عمر کو گھورا تھا۔

”مطلب علی بھائی بولو۔ ایسی کوئی زبان بول دی میں جو سمجھ نہیں آ رہی۔“ عمر نے اپنا رخ اسکی طرف موڑتے ہوئے کہا تھا۔

”تمہیں میں بھائی نہیں کہتی نا۔ تو علی کو کیوں بولوں میں بھائی۔ نیور۔“ مومنہ بھی میدان میں کو دی تھی۔

”ٹھیک ہے پھر میں تمہیں کسی علی کے گھر نہیں لے کے جاؤ نگا۔ ہر بات میں مجھے کیوں لے کے آتی ہوں؟ میری بات اور ہے۔ ”عمر اسکو کیسے سمجھاتا ہے۔

”ہاں تم تو شہزادہ چارلس ہو۔ ”momne چڑی۔

”momne بی بی! اپنی خصوصیات منوانے پہ آیاناں میں توقت کم پڑ جانا ہے اب بولو علی بھائی۔ اگر جانا ہے۔ اور یہ جھمکے اتار کے ادھر رکھو۔ تم وہاں شادی پہ نہیں جا رہی۔ ”عمر نے اسکا جائزہ لیتے ہوئے ایک اور ڈیمانڈ کی تھی۔

”عمر تم اب حد سے بڑھ رہے ہو۔ ”momne کو غصہ آیا۔

”وقت کم ہے momne اب چاہو تو بحث کر لو چاہو تو علی بھائی سے مل آؤ۔ ویسے ملنا اتنا ضروری بھی نہیں گھر جاؤ تم۔ شباباش۔ ”عمر نے ایک اور مشورہ دیا تھا۔

”مجھے جانا ہے لازمی۔ وہ میرے لئے اتنے چاکلیٹ بھی لائے تھے۔ میں ملنے بھی نہیں جا سکتی۔ یہ لوپڑے ہیں جھمکے۔ ”momne نے جانا کا فیصلہ کیا اور جھمکے اسکی ہتھیلی پہ پٹھنے تھے۔

”momne تم میرے سے خون کرواؤ گی لازمی۔ ”عمر نے کڑھتے ہوئے سوچا تھا۔

”کس سے ملنے جا رہی ہو؟ ذرا بتانا۔ ”عمر نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے پھر پوچھا تھا۔
”عمر! ”momne چیخنی تھی۔

”عمر تمہارے سامنے ہے اس سے ملنے جانے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ اب جلدی سے بتاؤ شباباش۔ ”عمر نے اپنی کہی۔

”علی! علی بھائی سے۔ اب اگر تم نے مجھے اب بلا یا تو میرے سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“ مومنہ نے خونخوار آنکھوں سے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ عمر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”اچھا بتاؤ۔ شاپنگ کرنی ہے رات میں فنکشن ہے نا۔“ عمر نے اسکا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔ مومنہ چپ رہی۔

”لڑکیوں کی تو اتنی شاپنگ ہوتی ہے ایک ہماری مومنہ ہے بیچاری اسکو تو کوئی پتہ ہی نہیں۔“ عمر اسکا روٹھا چہرہ دیکھتے ہوئے پھر بولا تھا۔

”کرنی تو تھی مگر ہمارا کونسا اتنا بڑا فنکشن ہونا ہے۔ طلال چاچو نے ہر کام پہ پابندی لگائی ہوئی ہے۔“ مومنہ سب بھلائے اپناد کھڑا سنارہی تھی اسے اور یہ تھا انکار شدہ مخلص دھوپ چھاؤں جیسا۔

”اوہ نہ۔ چلو دل نہ برا کرو تم اپنی شادی پہ سب ارمان پورے کر لینا۔ اب طلال چاچو شادی کو مان گئے ہیں بہت بڑی بات۔“ عمر نے اسکو سمجھایا تھا

”نہیں نہیں۔ اپنی شادی پہ تو مجھے کوئی اتنا ہلا گلا نہیں کرنے دے گانا۔ یونو اپنے گھر کی عورتیں۔ ہاں تمہارے شادی پہ لازمی کرو گی۔“ مومنہ اب موڈ میں آئی تھی۔

”تو عقل کی موٹی عورت بات تو ایک ہی ہے نا۔“ عمر نے تند نظروں سے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”مطلوب! اچھا تم اب شادی بھی میری شادی والے دن کرواو گے عمر۔“ مومنہ نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

”مومنہ اپنا منہ بند کر لو اب۔ میں اور بھی بہت کچھ کروں گا مگر اب مجھے تمہاری آواز نہ آئے۔“ عمر کا پارہ پھر چڑھ گیا تھا۔ مومنہ نے اسکو گھورا تھا۔

”اب میں نے کیا کہہ دیا۔“ مومنہ نے منہ پھلا�ا۔ پھر گاڑی میں خاموشی رہی اور دس منٹ کے بعد وہ مطلوبہ پتے پہ تھے۔ مومنہ گاڑی سے نکلی پیچھے ہی عمر نکلا تھا۔

”تم کدھر؟“ مومنہ نے اسکو ساتھ اندر جاتے دیکھا تو پوچھا تھا۔

”ظاہری سے بات ہے تمہارے ساتھ۔ پندرہ منٹ میں جس جس بھائی سے ملنا ہوا مل لینا۔ اگلامنٹ نہ لگے۔ اور زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چاکلیس سب باہر سے آئے ریلیووز دیتے ہیں اسنے کوئی تیر نہیں مارا۔ میرا دماغ گھما تو چاکلیس سیمیت اسکی دی ہوئی ہر چیز گھر سے گھر پھینک دوں گا۔ اب سیدھی چلو۔“ عمر نے دانت پستہ ہوئے ہدایت نامہ مومنہ کو سنایا تھا۔ مومنہ صرف ضبط کر سکتی تھی جو وہ کر رہی تھی۔

”تمہیں پتہ ہے عمر تم بہت۔۔۔“ مومنہ نے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”خوبصورت ہوں۔ چلو اب! ایک ہی بات بتاتی رہتی ہو۔“ عمر اپنی کہہ کے آگے بڑھ گیا تھا۔ اور مومنہ نے صبر کی دعا کی تھی۔

”منتہا صیر ولد صغیر احمد آپ کو طلال ولد وجہت احمد کے نکاح میں دس لاکھ حق مہر سکھ رانج وقت کے تحت دیا جاتا ہے۔ آپ کو قبول ہے؟“ مولوی صاحب نے سامنے کھلے صفحات پر نظر دوڑاتے ہوئے یہ الفاظ ادا کئے تھے۔

وہی منظر تھا جس سے وہ چند ماہ پہلے گزری تھی۔ ایک بار وہی راہگز رسانے تھی پھر۔ اب آگے کیا ہو گا؟؟

زندگی اسکے لیے کیا لائے گی؟

اسے کچھ نہیں پتہ تھا۔ بس ایک امید تھی اور خدا اپہ یقین تھا کہ وہ سب سنبحاں لے گا۔
مگر آزمائشیں تو سب کے لیے ہوتی ہیں!!!!!!

”قبول ہے!“ منتہا کی نم آواز ابھری تھی اور تین بار یہاں الفاظ ادا ہوئے تھے ادھر مبارک باد کی آوازیں گونج اٹھی تھیں۔

سرخ دوپٹے میں چھپا حسین مکھڑا کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ صفیہ بیگم نے بیٹی کا سرپیار سے چوتے ہوئے اپنی نم آنکھیں صاف کی تھیں اور اسکو ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

رقیہ بیگم نے آگے بڑھ کے بہو کا گھونگٹ اٹھا کے اس کامنہ دیکھا تھا اور ما تحے چوتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

گز شستہ رات مہندی کی رسم میں گھروں نے ہلا گلا کیا تھا جس میں طلال سے دوبار جھٹ کیا بھی کھا چکے تھے سب۔

جمعہ کا دن اپنی تمام برکتیں لے کے طلوع ہوا تھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد نکاح کا وقت مقرر تھا۔

چند افراد پہ مشتمل قافلہ منتہا کے گھر روانہ ہو گیا تھا۔ اور نکاح کے بعد باقی رسماں سے فارغ ہو کے رات دس بجے واپسی ہوئی تھی۔

منتہا اندیشوں میں گھری ہوئی صغير صاحب کے گھر کی دہليز چھوڑے طلال وجاہت کی دہليز پہ آگئی تھی۔

اب یہ دہليز اسکو کیا دے گئی؟؟؟

عزت!!!

مان!!!!

بھروسہ!!!

محبت!!!!

عورت کو یہی چیزیں چاہیے ہوتی ہے۔ جس سے وہ مرد کے گھر کو جنت بنادیتی ہے۔

منتہا سرخ رنگ کے کامدار جوڑے میں طلال وجاہت کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ صالحہ آپی اسکو بیڈ پہ بیٹھا کے پر سکون ہونے کے ساتھ ساتھ چند نصیحتیں اور کرتی باہر چلی گئی تھی۔

منتها قسمت کے ان رنگوں پہ غور کر رہی تھی کمرے کے دروازہ کھولا تھا اور قدموں
کے چاپ سنائی دی تھی۔
منتها کا سر جھک گیا تھا۔

”السلام عليکم۔“ بار عرب سرد لبجہ کانوں میں پڑا تھا۔ منتها کی ہتھلیاں نم ہوئی تھیں۔ منتها
نے گود میں رکھے ہاتھوں کو مضبوطی سے آپس میں بھینچا تھا۔
مقابل کی آنکھوں سے یہ مخفی نہ رہا تھا۔ طلال سر دسائیں خارج کرتا بیڈ پہ بیٹھا تھا اور گلا
کھنکارتے ہوئے اپنی بات کا آغاز کیا تھا۔

”میرے گھروالے میرے بارے میں آپکو سب بتا چکے ہونگے۔ یہ شادی جن حالات
میں ہوئی انکو بھی آپکو بخوبی علم ہو گا۔ میری والدہ نے ایک طرح کی افرا تفری میں شادی
کروائی یہ سراسر انکی خواہش پہ ہوا ہے۔ میں اپنی گیملی سے بے حد پیار کرتا ہوں۔ تو میں
آپ سے بس یہی کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے میری بیٹی آنسیہ کی طرف سے کوئی کوتاہی نظر نہ
آئے۔“ طلال نے جس قدر ہو سکا بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرد لبجہ میں کہا تھا۔
منتها تو ویسے بھی کوئی ارمان لے کے نہیں آئی تھی جانتی تھی وہ ایک طلاق شدہ ہے تو
خواب سجانا اسکو جبتا نہیں اب۔

”باقی یہاں آپکو کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ ہر چیز آپکو میسر ہو گی۔“ طلال نے مزید
کہا تھا۔

”سکون اور خوشیاں بھی۔“ منتها نے بے اختیار سوچا تھا مگر اس وقت اس کا جواب کسی کے
پاس نہیں تھا۔

”مجھے امید ہے آپ میری بات سمجھ گئی ہوں گی۔ میں مزید۔۔۔ ”طلال کو دروازے پر دستک کی آواز پر چپ ہونا پڑا تھا۔

”جی آ جائیں! ”طلال نے بلند آواز میں کہا تھا۔ تبھی حمیدہ بی آنیہ کو اندر لائیں تھیں۔ ”طلال بیٹا! ”حمیدہ بی نے اندر آتے ہوئے طلال کو بولا جسکے ہاتھ میں ایک سالہ آنیہ فرما کر پہنے ہوئی تھی اور پونیاں بنائی ہوئی تھیں مگر اب وہ بکل تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ طلال نے ایک تھکی نظر بیٹی کو دیکھا تھا۔

منتها نے بھی آنیہ کو دیکھا تھا۔ اسکو چند روز قبل والی ملاقات یاد آگئی تھی۔ تو یہی تھا وہ ماسک کے پچھے سرد لہجہ!

”لائیں مجھے دیں۔ ”منتها نے حمیدہ بی سے آنیہ کو لینے کو ہاتھ بڑھائے تھے۔

”ڈرامے۔ ”طلال سوچ کے رہ گیا تھا۔ مگر منتها آنیہ کو پکڑ کے اس کے ساتھ مصروف ہو چکی تھی۔

”آپ جائیں۔ شکریہ۔ ”طلال نے حمیدہ بی کو جانے کا بولا تھا۔

”یہ میری بیٹی ہے۔ آنیہ۔ ایک سال کی ہے۔ ”طلال نے منتها اور آنیہ پر ایک نظر ڈالی تھی۔ آنیہ منتها کی گود میں بیٹھی اسکو غور سے دیکھ رہی تھی۔

”ماشاء اللہ۔ ”منتها نے آنیہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ آنیہ کارنگٹ صاف شفاف تھی، بال گھنگریا لے بالوں، کالی روشن بڑی بڑی سی آنکھیں تھیں۔ کھڑی ناک تھی باپ جیسی مغرور۔

”ب۔ بابا۔ ب۔ ب۔“ آنیہ منتہا کے ڈوپٹے سے کھلیتی منمنائی تھی۔ ابھی اسے بولنا شروع نہیں کیا تھا مگر چند الفاظ کا حلوہ بناتی رہتی تھی۔

”آپ اب ریسٹ کریں۔ کل سے آپ کو حمیدہ بی اور گھر کے باقی لوگ اسکی روٹین بتادیں گے۔ امید ہے کہ جلدی ہی آپکے ساتھ ریلمکسیں ہو جائے گی۔“ طلال نے آنیہ کو لیتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کہاں لے کے جا رہے ہیں اسکو۔“ منتہا بے ساختہ بول پڑی تھی۔

”آنیہ نام ہے اسکا۔“ طلال نے جس لمحے میں کہا تھا منتہا کو شرمندگی محسوس ہوئی تھی اسکے کہنے کا یہ توہر گز مطلب نہیں تھا۔

”آپ آنیہ کو ادھر ہی چھوڑ دیں میرے پاس۔ میں اسکو سنبھال لوں گی۔“ منتہا نے حوصلہ کر کے کہا تھا۔

”فکر نہ کریں آپکے پاس ہی رہے گی اسکو سنبھالنے ہی آئی ہیں آپ۔ آپ کپڑے چلنچ کر کے سو سکتی ہیں۔ کل سے آنیہ اس روم میں آجائیں گی۔“ طلال اپنے مخصوص سرد لمحے میں کہتا آنیہ کو لئے باہر نکل گیا تھا۔

اور منتہا اسکے لفظوں کے تیر محسوس کرتی کپڑے تبدیل کرنے اٹھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔

عام دنوں کی طرح اگلا دن بھی طلوع ہوا تھا۔ منتہا بیدار ہوئی تو ایک دو منٹ غائب دماغی سے بیڈ پہ لیٹی چھت کو گھورتی رہی پھر ہوش آنے پہ اچھلتے ہوئے اٹھی تھی۔

”نماز تو قضا ہو گئی۔“ منتها نے کھڑکیوں سے چھن کرتی آتی روشنی کو دیکھتے ہوئے افسر دہ لبج میں ہمکلامی کی تھی۔ تبھی نظر صوفے پر لیٹے وجود پر پڑی تھی۔

”اف اللہ!“ منتها نے اسکو صوفے پر لیٹے دیکھا تو بولی تھی۔ رات وہ نماز کے بعد بیڈ پر لیٹے تھی تو سوچوں میں کب آنکھ لگی پتہ نہیں چلا۔

منتها اٹھی اور وضو کا ارادہ کرتے آواز پیدا کرنے بغیر واش رون گھس گئی تھی۔ واپس روم میں آئی تو صوفہ خالی تھی۔

”عجیب انسان ہے۔ زندگی انہیں پہلیلیوں میں گزرنے والی ہے لگتا۔“ منتها سوچتے ہوئے جائے نماز بچھا چکی تھی۔

منتها کو سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ منتها اس محبت پر مشکور ہو رہی تھی۔ طلال تو اسکو ناشتے کے بعد نظر نہیں آیا تھا۔ آنیہ کو بہر حال اس نے اپی گود سے نہیں نکالا تھا۔ آنیہ کے عادت بھی اگرچہ موڈی بچوں کی سی نہیں تھی وہ شروع سے ہی سب سے گھل مل جایا کرتی تھی جس کا فائدہ منتها کو بھی ہوا تھا۔

صحیح سے ایک دوبار اسے فیڈر منتها سے نہ پینے کی ضد کی تھی مگر شام تک ایک فیڈر اسکو لاکھ طریقے سے کھیلاتے ہوئی پلانے میں کامیاب ہو چکی تھی جس پر وہ پھولے نہ سمارہ ہی تھی۔ ابھی بھی منتها کی گود میں بیٹھی وہ اپنی گڑی سے کھیل رہی تھی۔ صالحہ آپی اسکو سب کے بارے میں فردًا فردًا بتا چکی تھی۔ اور طلال کی پہلی بیوی کے احوال بھی۔

”لو بھئی اب یہ گھر تمہارے سپرد ہے منتها۔“ صالحہ آپی نے کہا تھا۔
اس وقت گھر کی سب خواتین موجود تھیں۔

”ہاں منتها۔ اگر ہمیں بھی نکالنا چاہو تو بتا دینا۔“ افشاں نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں بھا بھی آپ۔ ایسا کچھ نہیں چاہو گی میں۔“ منہاج جہٹ سے بولی تھی۔

” ہے بھئی مجھے اپنی بہو پہ پورا یقین ہے۔“ رقیہ بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔
” ہاں چار دن کی زندگی ہے یہ محبت سے گزارنے میں کم ہے اسکو نفرت اور کینہ سے
کیوں ضائع کرنا۔ اللہ اس گھر کو محبت کا گھوارہ بنادے۔“ عاصمہ بیگم نے بھی کہا تھا۔
مومنہ سب کے لیے چائے لے کے آئی تھی۔

”دادو سمجھا لیں اپنے بیٹے کو۔ خود کے تو امران ہے ہی نہیں دوسروں کے امران کا بھی
خون کرتے ہیں۔“ عمر کی دہائیاں عروج پہ تھیں۔
تبھی عمر کی آواز آئی تھی۔ اور ساتھ ہی طلال وجاہت تھکا سا اندر داخل ہوا تھا۔ اس
وقت وہ کالے سوت میں ملبوس تھا سیاہ ہی کوت پہنا ہوا تھا۔ بال معمول کی طرح ماتھے پہ
پڑے ہوئے تھے۔ جو اسکو مزید پرکشش بناتے تھے۔
منہانے آئیں کو خود میں بھینچا تھا۔

”اسلام علیکم۔ عمر تمیز سیکھ لو۔“ طلال نے اپنی بار عب آواز میں سلام کیا تھا اور ساتھ
ہی عمر کو گھورا تھا۔

اور ایک نظر سب پہ ڈالی منہا سب کے درمیان گھری بیٹھی تھی سی گرین کلر کا نقیس سا
سوٹ پہنا ہوا تھا سر پہ ڈوپٹہ رکھا ہوا تھا اور ہلاکا سامیک اپ کیا تھا۔

اگر کہا جاتا اس وقت وہ خوبصورت ترین لگ رہی تھی تو بجا تھا۔ طلال وجاہت نے ایک
نظر دیکھ کے اسکے گود میں بیٹھی بیٹی پہ ڈالی جو باپ کو دیکھ کے خوش ہو گئی تھی اب بازو
اسکی طرف پھیلا کے اسکا استقبال کر رہی تھی۔

واضح اشارہ تھا کہ اسکو اٹھایا جائے۔ طلال دنیا بھر کی محبت چہرے پہ سجائے اپنی بیٹی کی طرف بڑھا تھا۔ آنیہ کو پکڑتے ہوئے اسکا بھاری ہاتھ متھا کے ہاتھ سے ٹکڑا یا تھا۔ متھا اپنی جگہ ٹھہر کے رہ گئی تھی۔

اور طلال آنیہ کو اٹھاتا پچھے ہوا تھا۔ یہ کسی مرد کا پہلے لمس تھا۔ متھا کے بابا اور بھائی کے علاوہ اسکے شوہر کا۔۔۔

اب وہ رقیہ بیگم کے پاس آکے بیٹھا تھا اور انکے سر پہ بوسہ دیا تھا۔

”اب کون سے ارمانوں کے خون ہوا ہے عمر۔“ صالح نے ہنسنے ہوئے پوچھا تھا۔

”کون کون سے بتاؤ میری بھی شادی کی عمر ہے مگر یہ صاحب مجھ سے گدھوں کی طرح کام کر داتے ہیں۔ خود تو زندگی کے رنگ نظر نہیں آتے مجھ پہ بھی فتوے لگائے ہوئے ہیں۔ عمر نے ایک نظر مومنہ کو دیکھے ہوئے کہا تھا۔

طلال نے ایک نظر متھا پہ ڈالی تھی۔

”سن لو عاصمہ۔ بیٹا جوان ہو گیا ہے۔ تو ڈھونڈیں لڑکی پھر تمہارے لیے میاں۔“ رقیہ بیگم نے ہنسنے ہوئے پوچھا تھا۔

”لڑکی تو سمجھ لیں میں ڈھونڈی ہوئی ہے۔“ عمر نے جس انداز میں کہا تھا سب کا قہقہہ چھوٹا

”ایک منٹ ایک منٹ۔ اس طرح ہنسنے سے کیا مطلب آپ۔ کہنا کیا چاہتے ہیں آپ سب مجھے کوئی لڑکی پسند نہیں کر سکتی۔“ عمر نے سبکو گھورا تھا۔

”عقلمند ہوتے جا رہے ہو۔“ طلال نے عمر کو کہا تھا۔

”چاچو ایک تو آپ ولیمہ کینسل کر کے بیٹھے ہیں جس پہ مجھے پہلے ہی غصہ اب آپ مجھ پہ ہنس رہے ہیں۔ یہ سراسر نا انصافی ہے۔۔۔ چھی آپ بولتی کیوں نہیں کچھ۔“ عمر نے طلال سے شکوئے کرتے ہوئے متھا کو بھی اندر گھسیٹا تھا۔

مantha کا حلق خشک ہوا۔ وہ کیا کہتی اب بھلا۔ اسکو تو خود اس شخص کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔

”ولیمہ میرا۔ فیصلہ میرا۔ تمہیں کیوں غصہ ہے۔“ طلال نے پھر عمر کو گھورا تھا۔

”آپ اکیلے کا ولیمہ نہیں تھا۔ وہ بیٹھی ہیں حور جن کی وجہ سے یہ دن آیا ہے۔ اور آپ اکیلے فیصلے لیتے پھر رہے ہیں۔“ عمر نے کہا تھا۔

”لگ رہا ہے کل تم نے سندے کے دن بھی آفس جانا ہے تھی زبان بڑی تیزی سے چل رہی ہے۔“ طلال نے دھمکا یا تھا۔

”اف نہ کریں چاچوں بھی میرے پہلے زخم تازہ ہیں۔“ عمر نے پھر دھائی دی تھی۔

”یہ لڑکا تو کبھی ہار نہیں مانے گا۔“ عاصمہ بیگم نے اب عمر کو گھورا تھا۔

”تاں اماں پوچھیں ناں کو نسی لڑکی پسند کر کے بیٹھا ہوا ہے یہ نہ ہو کل کو یہ اپنی دلہن سمیت گھر آن دھمکے۔“ مومنہ بھی میدان میں کوڈی تھی۔

”تو بہتر نہیں ہم خود رشتہ لے کے چلے جائیں اس بہانے میرے بھی سارے ارمان پورے ہو جائیں گے۔ طلال چاچوں کی شادی پہ تو نہیں ہو سکے۔“ مومنہ اب عاصمہ بیگم کے ساتھ پلانگ پہ اتر آئی تھی۔

”چھی پیسین کریں اگر کہی سے عقل ملتی ہونا تو سب سے پہلے میں اسکولا کے دوں۔ کچھ بھی بولتی ہے۔“ عمر نے افشاں بیگم کو مدد طلب نظر وں سے دیکھتے ہوئے مومنہ کا گلا دبانے کا سوچا تھا۔

”یہ اب ایسی باتیں کر کے آپکی توجہ اس ٹاپک سے ہٹا رہا ہے۔ مجھے تو پہلے ہی اس پہ شک تھا۔ موبائل پہ بڑی ہنس کے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ تاں اماں۔“ مومنہ اب پھر پھر کلٹنی کا روں ادا کر رہی تھی۔

”اوہو کن باتوں میں لگ گئے ہیں آپ سب کچھ کھانے کا انتظام بھی کیا ہے یا نہیں یہ تو ویسے دماغ سے پیدل لڑکی۔ ” عمر نے اسکی بات کو انور کرتے ہوئے کھانے کا پوچھا تھا۔

”ہاں بھئی کھانا لگواو۔ اور محسن اور اکرام کو بھی بلا و سب ساتھ کھانا کھائیں۔ اور باقی بچے کدھر ہیں مومنہ دیکھو انکو بھی۔ ” رقیہ بیگم نے سب کو کام پہ لگایا تھا۔

”ہاں میں دیکھتی ہوں کچن میں بس۔ افشاں تم اکرام بھائی کو دیکھ لو۔ ” عاصمہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کھا تھا۔ تو سب ایک ایک کر کے نکل گئے تھے۔

”میں فریش ہو لوں۔ ” طلال کہتے اٹھا تھا۔

”اسکو ساتھ لے جاؤ کمرے میں ہی منتہا جاؤ تم بھی۔ ” رقیہ بیگم نے طلال کو دیکھا جو آنیہ کو مومنہ کو تھمارہا تھی رقیہ بیگم بولی تھیں۔

طلال نے ایک نظر سر جھکائے بیٹھی منتہا پہ ڈالی تھی۔

”پوری سپورٹ کر رہی ہیں بہو کی۔ ” طلال صرف سوچ سکا تھا اور آنیہ کو لیتا آگے بڑھ گیا تھا۔ منتہا البتہ ویسے ہی بیٹھی تھی۔

”جاوے بیٹا۔ ” رقیہ بیگم نے منتہا کو کھا تھا۔ منتہا نے ایک نظر رقیہ بیگم کو دیکھا تھا۔

”بیٹا میں سمجھ سکتی ہوں۔ ہر چیز اور رشتے کو وقت درکار ہوتا ہے۔ تم بھی وقت دو اپنے رشتے کو تمہیں مایوسی نہیں ہو گی۔ میرا بیٹا زبان کالا کھ تلخ سہی مگر دل کا بر انہیں ہے۔ جانتی ہوں تمہارے لیے مرد ذات پہ اعتماد کرنا مشکل ترین کام ہے۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی مگر آزمائش شرط ہے۔ ” رقیہ بیگم نے اسکو سمجھایا تھا۔ تو منتہا سر ہلاتے اٹھ گئی تھی۔

”اگر زیادہ چوں چراں کی ناں تو بلا لیجئے گا مجھے دونوں مل کے سیدھا کریں گے آپکے مجازی خدا کو۔ ” عمر نے بھی پچھے سے ہانک لگائی۔ منتہا ہولے سے ہنسی تھی۔

”شرم کرو عمر کچھ۔ ” رقیہ بیگم نے اسکو ڈپٹا تھا۔

”دادوزر ایک اور انسان کو سیدھا کر آؤں اسکے بعد آپ کی شرم والی بات پہ عمل کروں گا۔ آتا ہوں۔ ”عمر کہتا باہر نکلا تھا۔

”اللہ یہ لڑکا۔ اللہ میرے گھر کی خوشیوں کو یوں نبھی سلامت رکھے۔ اور میرے طلال کے زندگی میں بھی رنگ بھردے آمین۔ ”رقیہ بیگم نم آنکھوں سے دعا کر رہی تھیں۔

طلال اب فل بیزار بیٹھا اپنی بیگم کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آئے اور آنیہ کو اسکے سپرد کر کے وہ فریش ہو۔

”آنیہ اپنی دادو کو سمجھاؤں یار۔ وہ ہر کسی پہ اعتبار کر لیتی ہیں۔ ایسے تھوڑا ہوتا ہے۔ ابھی دیکھ لو ہمیں کمرے میں آئے پانچ منٹ ہو گئے ہیں اور آپ کی دادو کی بہو کی نظر نہیں آ رہی۔ ”طلال آنیہ کو بیڈ پہ بیٹھا کے اسکے سامنے بیٹھا بول رہا تھا جیسے وہ اسکا شکوہ سمجھ رہی ہو۔ وہ بس باپ کو بولتا دیکھ کے خوش ہو رہی تھی۔

”بایا کی باتوں پہ ہنسی آرہی ہے۔ ”طلال نے اسکو ہنستا دیکھتے ہوئے اسکے گال پہ پیار کیا تھا۔

تبھی آنیہ کی نظر اندر آتے وجود پہ پڑی تھی۔ تو سنے اب بازو واکنے تھے کہ اسکو اٹھایا جائے۔

وہ بڑی ہو رہی تھی تو جس کو کھڑا اپاتی یا جس کے پاس ہوتی بس یہی فرمائش ہوتی کہ اسکو اٹھایا جائے اور گھومایا جائے۔

”ویسے فریش میں اسی صدی میں ہونا تھا۔ ”طلال نے اسکو آتے دیکھا تو بیڈ سے اٹھا تھا۔ اور اسکے پاس سے گزرتے کہنا نہیں بھولا تھا۔

”آپکے کپڑے واش روم میں ہیں۔“ منہانے اسکی بات اگنور کرتے ہوئے کہا تھا
وارڈروب کی طرف جاتا طلال ایک منٹ کو رکا تھا۔

”پوری تیاری کی ہوئی ہے۔“ طلال نے تلخ سوچا تھا۔

”حمدیدہ بی نے رکھے تھے۔“ منہانے کہا تھا۔ طلال نے اب مرکے اسکو ایک نظر دیکھا
تھا۔ مگر وہ آنسیہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

مومنہ لاونچ میں بیٹھی تھی۔ جب عمر آن دھم کا تھا۔

”اب بتاؤ تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ کونسے چکر چل رہے ہیں میرے؟“ عمر دھم سے اسکے
سامنے آ کے بیٹھا تھا۔

”طلال چاچو ٹھیک کہتے ہیں تمیز سیکھ لو۔“ مومنہ نے اسکو بیٹھنے کے انداز پہ گھر کا تھا۔

”تو تم سکھا دو۔“ عمر نے کشن کو بازو کے نیچے رکھتے ہوئے کہا تھا۔ ”جن سے چکر چل رہے
ہیں اور جن کے چکروں میں ارمانوں کے خون ہو رہے ہیں۔ جا کے ان سے کلاسز لو تمیز
کی۔“ مومنہ نے دانت پسیتے ہوئے کہا تھا۔

”ارے ان کلاسز میں تو پیار محبت کی باتوں سے فرصت نہیں ملتی۔“ عمر نے شرماتے
ہوئے کہا تھا۔ اور مومنہ کامنہ ہاہ کی شکل میں کھلا تھا۔

”عمر۔“ مومنہ نے صدمے سے اسکو پکارا تھا۔

”جی عمر کی چڑیل۔“ عمر نے پیار سے جواب دیا تھا۔

”دفع ہو جاؤ میری نظروں سے۔ اس سے پہلے کے میں تمہارے پول سارے گھروالوں
کے سامنے کھول دوں۔“ مومنہ نے اسکو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”تمہیں واقعی ایسا لگتا ہے کہ میرا چکرو کر چل رہا ہے۔“ عمر نے اب سیر لیں ہو کے اسکا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا تھا۔

”نہیں مگر تمہاری باتوں سے لگتا ہے مجھے کبھی کبھار۔“ مومنہ نے معصوم سے صورت بناتے ہوئے کہا تھا۔

”اف اب جو باتیں میں تمہارے لیے کہتا ہوں تم کو نہیں سمجھ آتی تو میرا کیا صوراں میں۔“ عمر دانت پسیتے ہوئے بولا تھا۔

”کیا بول رہے ہو۔ اوپھی بولو۔“ مومنہ نے اسکو بڑبرڑاتے دیکھا تو بولی تھی۔

”مومنہ کیا واقعی ہی تمہیں میں ایسا لگتا ہے۔ میں بس ویسے ہی تمہیں تنگ کرتا ہوں کچھ الٹاسیدھامت سوچو۔ ٹھیک ہے۔“ عمر نے اس کو سمجھایا تھا۔

”ہاں ہاں مجھے پتہ ہے تمہارا۔ مگر ہمیں تو اجازت ہے ناں اب تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈ لیں۔ تاکہ ہم تو اپنے ارمان پوری کر سکیں۔“ مومنہ نے پر جوش ہوتے کہا تھا۔

”مومنہ میں اپنا سر کھاں ماروں۔“ عمر نے اب بے بسی سے کہا تھا۔

”وہ سامنے دیوار ہے۔“ مومنہ نے معصومیت سے سامنے دیوار کی طرف اشارہ کیا تھا۔ عمر کو وہ اتنی معصوم لگی تھی اس نے بے ساختہ خواہش کی تھی کہ کاش انکے درمیان کوئی دوری نہ ہوتی۔ انکا ایک مضبوط رشتہ ہوتا۔

”مومنہ میرا اپنے کیا دل کر رہا ہے اس وقت۔“ عمر نے جذبات سے بو جھل انداز میں کہا تھا۔

”مجھے پتہ ہے۔ گول گپے کھانے کو یا آلس شیک پینے کو۔“ مومنہ نے معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتے تھے۔

عمر ایک پل کو ہنسا تھا
پھر غصے سے دھاڑا تھا۔

”میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔۔۔ تمہارے ارمان تواب سارے میں پورے کروں گا۔ ”عمر جو اسکو سیدھا کرنے آیا تھا اسکی حرکتوں سے زبج ہو تا خود واک آؤٹ کر گیا تھا۔

”میں تواب کچھ کہا بھی نہیں تھا۔ ”مومنہ سوچ کے رہ گئی تھی۔

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کچھ دیر با تیں کر کے سب اپنے اپنے پورشنز میں چلے گئے تھے اگلے دن سنڈے تھا۔

منتہا بھی آنسیہ کو لیے روم میں آگئی تھی جو سوگئی تھی۔ طلال صوفے پہ بیٹھا لیپ ٹاپ میں مصروف تھا۔

منتہا آنسیہ کو بیڈ پہ لیٹا کے جو نہیں واش روم جانے لگی تو اسکی نظر ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی ایک تصویر پہ پڑی تھی۔ وہ ماہوش کی تصویر تھی۔ طلال کی پہلی بیوی۔

منتہا جو نہیں ماہوش (طلال کی پہلی بیگم) کی تصویر اٹھانے کو آگے بڑھی طلال بھی بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کے ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آیا جہاں سے منتہا تصویر کو اٹھانے لگی تھی۔

”فکرناہ کریں میں اسکو محفوظ جگہ پہ رکھنے لگی ہوں۔ میرا مقصد ہرگز ان کو آپ کی زندگی یا سوچوں سے دور کرنا نہیں اور سب سے اہم بات مجھے اپنے مقام اور حیثیت کا بخوبی علم ہے۔ ”منتہا نے طلال کا بے ساختہ اٹھ کے آنانوٹس کیا تھا تو جو اباؤلی تھی۔ طلال ایک پل کو شر مند ہوا بھلا کیا ضرورت تھی اتنا اؤولہ ہونے کی۔

”اور مجھے پتہ ہے بلکہ یہ حقیقت بخوبی ازبر ہے کہ میں آپکی زندگی میں انیسیہ کی دیکھ بھال کے لیے لائی گئی ہوں اور میں اس فریضے کو دل و جان سے پورا کروں گی۔ ”منتہا پر اعتماد لبھ میں بول رہی تھی۔ طلال نے ایک نظر اسکے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”تو آپ جس کام کے لیے لائی گئی ہیں وہی کام کریں یعنی انسیہ۔ میں یہ خود کرو لوں گا۔“ طلال نے بھی بنائی چک کے کھاتھا اور اسکے ہاتھ سے تصویر پکڑ کے سٹڈی کی طرف چل پڑا تھا اور منتها وہیں کھڑی اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

منتها نماز سے فارغ ہوئی تو تب تک طلال بیڈ پہ لیٹ چکا تھا۔ اب سویا ہوا تھا یا جا گا ہوا تھا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ منتها نے بھی آنسیہ کے بائیں جانب بیڈ پہ بسیرا کیا تھا۔ جھجک تو آرہی تھی مگر جھجک کے سہارے زندگی تھوڑی ناکلٹنی تھی۔ ابھی منہا سیدھی ہی ہوئی تھی آنسیہ حرکت میں آنا شروع ہو گئی تھی۔

”فیڈر پیے دو گھنٹے ہونے والے ہیں اب یقیناً بھوک لگی ہو گی۔“ منتها نے ملکے سے آنسیہ کو تھیص پھایا تھا۔ اور منتها نے مڑ کے بیڈ کی سامانیہ پڑا فیڈر اٹھا کے اسکے لیے فیڈر بنانے لگی ابھی فیڈر میں پانی ہی ڈالا تھا آنسیہ کو تاخیر ناگوار گزری اور اسنے اونچی اونچی رو ناشروع کر دیا تھا۔

منتها کے ہاتھ پاؤں بچول گئے تھے پہلی بار کسی بچے کو سنبھال رہی تھی تجربہ تھا مگر کم تھا۔ ایک سال پہلے اسکی خالہ زاد بہن اپنے دو بچوں کے ساتھ آئی تھی تب انکے بچوں کو سنبھالنے میں انکی مدد کرتی تھی جو یہاں کام آرہی تھی۔ مگر اب یہ اسکی بیٹی تھی اسکی خاطر سب کرنا تھا۔

”بس بس آنسیہ بچے آرہی ہوں۔“ منتها نے ملک پاؤ ڈر ڈالتے ہوئے ہلکی سی آواز میں کہا تھا۔ فرشتے کے بھی اٹھ جانے کا بھی ڈر تھا۔

منتها فیڈر کا ڈھکن بند کرتے اسکو ہلاتی جلدی سے بیڈ پہ آکے آنسیہ کو گود میں اٹھا چکی تھی مگر آنسیہ کا مود بلکل اس وقت چپ ہونے کا نہیں تھا۔

مُنتہا نے اسکو ہلکا ساتھ پتھرا کیا تو وہ تھوڑا چپ ہوئی تو مُنتہا نے اسکو فیڈر دیا مگر یہ کیا اسے فیڈر پینے کی بجائے رونا شروع کر دیا تھا۔
مُنتہا پر پیشانی ہوئی تھی۔

”بس بس آنیہ جانو۔ سو جاؤ۔“ مُنتہا نے اب اسکو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے اسکی پیٹھ سہلائی تھی مگر آنیہ کو بھوک لگی تھی۔ فیڈر وہ مُنتہا سے پی نہیں رہی تھی۔

”اف یہ اٹھ کیوں نہیں رہے۔“ مُنتہا نے طلال کو سوتے دیکھا تو بیزار ہوئی تھی۔

”اٹھا لیتی ہوں کتنے برے سے رو رہی ہے آنیہ۔“ مُنتہا نے طلال کو اٹھانے کا تھیہ کیا تھا۔ اٹھاتی کیسے۔۔۔؟ از لی جھجک آڑے آئی۔

مگر آنیہ کو رونا سن کے وہ سب بھلا چکی تھی۔

”طلال اٹھیں پلیز۔“ مُنتہا نے آگے بڑھ کے اسکا کندھا ہالایا تھا۔ طلال جو آنیہ کی پہلی ریس کی آواز سے اٹھ جاتا تھا آج شاید مُنتہا کے سپرد کر کے پر سکون نیند سویا ہوا تھا۔

”طلال۔“ مُنتہا اب تھوڑا قریب ہو کے بولی تھی تبھی طلال نے نیند سے بو جھل سرخ آنکھیں کھول تھیں اور بائیں جانب دیکھا جہاں تکیے کے نزدیک دو خوبصورت روشن آنکھیں اسکا نام پکار رہی تھی۔ ساتھ ہی پر پیشانی عیاں تھی۔

”کیا ہوا۔“ طلال فوراً ہوش میں آیا۔

”آنیہ رو رہی ہے مجھ سے فیڈر نہیں پی رہی۔ کب سے کوشش کر رہی ہوں۔“ مُنتہا رو دینے کو تھی۔ طلال نے ایک پل کو اسکا پر پیشان سراپا دیکھا تھا۔

آنیہ اسکے سینے سے لگی ہوئی تھی اور وہ اسکو بہلانے میں مصروف تھی۔

”دیں ادھر مجھے۔“ طلال نے اسی ٹھنڈے ٹھار لبھے میں کہا تھا۔

مُنتہا نے آنیہ کو دیا اور ساتھ ہی فیڈر اسکی طرف بڑھایا۔

”آنیہ بے بی کیا ہوا ہے۔ موڈ نہیں فیڈر پینے کا بچے۔“ طلال کے لمحے میں نرمی، ہی نرمی تھی۔ جو صرف چند لوگوں کے لیے تھی۔

”میرا شمار تو ان لوگوں میں ہرگز نہیں۔“ منتها سوچ کے رہ گئی تھی۔

طلال اسکولے کے بیڈ سے اتر اتھا۔ اور اسکوا سکے کھلونوں سے بہلانے لگا تھا۔ آنیہ تھوڑا چپ ہوئی تھی تو طلال اسکولے کے صوفے پہ بیٹھ چکا تھا تبھی پریشان سی منتها اسکے پاس آ کے بیٹھی تھی۔

”یہ صحیح تو نہیں رورہی تھی میرے پاس۔ اب کیوں رورہی ہے۔“ منتها اس رو دینے کو تھی۔

”چلو جی۔ کس کو چپ کرواؤ گا۔“ پہلے بیٹی اب یہ میدم بھی رونے کو تیار بیٹھی ہیں۔ ”طلال سوچ کے رہ گیا تھا۔

”ابھی اسکو آپ کے پاس آئے ٹائم کم ہوا ہے جلدی ہی آپ کے ساتھ اٹھج ہو جائے گی تو نہیں روانے گی۔“ طلال نے نپے تلے الفاظ میں جواب دیا تھا۔

”اسکو بھوک بھی لگی ہے دو گھنٹے ہو گئے ہیں اسکو فیڈر پیے ہوئے۔“ منتها نہاتھ میں پکڑا فیڈر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

آنیہ اب کھلونوں سے کھیل رہی تھی اور چپ تھی۔ اسکے گھنگھریاں لے لکے براؤن بال بکھرے ہوئے تھے۔

”اسکو اپنی گود میں کریں۔“ طلال نے کچھ سوچتے ہوئے منتها کو کہا تھا۔

”وہ پھر روپڑے گی۔“ منتها نے طلال کو کہا تھا۔ پریشانی منتها کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ طلال نے منتها کو ایک نظر دیکھا تھا۔

مُنْتَهَا نے اب سوال کرنے سے گریز کیا تھا اور پیار سے مُنْتَهَا کو اٹھایا تھا آئی نے ایک نظر اٹھا کے مُنْتَهَا کو دیکھا تھا مُنْتَهَا نے سماں کی تھی مگر آئی پھر اپنے کھلونے میں مصروف ہو گئی تھی۔

”ٹوائے اسکے ہاتھ میں ہی رہنے دیں اور اسکو فیڈ ر دیں۔ یہ فیڈ ر پینے پیتے سوجائے گی۔“ طلال نے مُنْتَهَا کو ہدایت دی تھی۔ مُنْتَهَا نے سر ہلا کیا تھا۔

مُنْتَهَا نے دو منٹ بعد مُنْتَهَا کو فیڈ ر دیا تھا تو آرام سے پینے لگ گئی تھی۔

ٹھیک تین سے چار منٹ کے دوران اسکو نیند آگئی تھی۔ وہ اب آنکھیں موندرہی تھی مُنْتَهَا نے اسکو ایک بازو سے مضبوط سے حصار میں لیا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اسکو فیڈ ر پلار ہی تھی۔

طلال کے نظر اسکے بالوں پہ پڑی تھی پہلی دفعہ اسکے بال دیکھ رہا تھا۔ گھنے لمبے بالوں کی آبشار اسکی کمر پہ پڑ رہی تھی۔ مُنْتَهَا کا ڈوپٹہ پریشانی میں ڈھل کا ہوا تھا۔ طلال نے نظریں چرا لی تھیں۔

”جب بچے روتے ہیں تو خود کو پر سکون رکھنا سب سے اہم ہوتا ہے۔ تاکہ بچوں کو سنبھالا جاسکے نال کہ خود بھی بچوں کی طرح رونے لگ جائیں کہ سامنے والے کو سمجھنہ آئے کس کو چپ کروایا جائے۔“ طلال اس پہ چوٹ کرتا اٹھا تھا اور واش روم گھس گیا تھا۔

”آئیہ آپکے بابا بلکل بھی نہیں اچھے۔“ مُنْتَهَا نے خود پہ کتنے جانے والے طنز کی شکایت آئی سے کی تھی۔

جو اس سب سے بے خبر نیند کی وادی میں اتر رہی تھی۔ مُنْتَهَا نے جھک کے اسکی پریشانی پہ بوسہ دیا تھا۔

عمر فیکٹری سے واپس پہ بیکری گیا تھا مطلوبہ چیزیں لے کے واپس آیا اور فریش ہونے کے بعد مومنہ کے پاس جانا کا سوچتا باہر نکلا تھا۔ شام کے سامنے پھیل رہے تھے۔

مومنہ توقع کے مطابق لاونچ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ عمر بھی اسکے پاس آ کے بیٹھ گیا تھا۔

”کیا چل رہا ہے۔“ عمر نے پوچھا تھا۔

”کچھ بھی نہیں فی الحال تو بور ہو رہی تھی۔“ مومنہ نے منہ پھلا�ا تھا۔

”ارے یاد آیا جو چاکلیٹس آئے تھے تمہارے وہ لاڈنال کھاتے ہیں۔“ عمر نے دانت پیستے ہوئے چہرے پہ مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں میرا بھی موڑ ہو رہا تھا کھانے کا ویٹ میں لاتی ہوں۔“ مومنہ کچن میں گئی اور چاکلیٹس کے ڈبے اٹھالائی تھی جس میں ایک dairy milk کا ڈبہ تھا اور kitkat کا ڈبہ تھا۔

”یہ لو کھاؤ تم بھی علی کو پتہ ہے میں یہ ہی کھاتی ہوں۔“ مومنہ نے خوش سے بتایا تھا۔

”مومنہ بھائی بولو۔“ عمر خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا تھا۔

”عمر تم کبھی کبھار بہت عجیب حرکتیں کرتے ہو۔“ مومنہ نے اسکو گھر کا تھا۔

”میں ایسا ہی کروں گا۔ ارے یہ تو ایکسپری ڈیٹ ہے۔“ عمر نے ایک چاکلیٹ کا ڈبہ اٹھایا تھا اور ایک چاکلیٹ اٹھا کے اسکی ڈیٹ چیک کی تھی۔

”کیا بات کرتے ہو۔“ مومنہ نے اسکو گھر کا۔

”خود دیکھ لو۔“ عمر نے چاکلیٹ اسکو تھما�ا تھا۔

”یہ بھی دیکھو۔ خود پڑھ لو مجھ پہ کونسا یقین تمہیں۔“ عمر نے براسامنہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

”ایسی بھی بات نہیں اب۔“ مومنہ نے کہا تھا۔ اب جبکہ چھ چاکلیٹس وہ خود اپنی نظر وہ سے ایکسپری دیکھ چکی تھی۔

”دوسرے ڈبے میں بھی ایسے ہی ہیں یہ دیکھو صرف دو ٹھیک ہیں۔“ عمر نے دوسرے ڈبے کا بھی معاشرہ کیا تھا۔

”ہم۔۔ ٹھیک ہے پتہ نہیں چلا ہو گا میں سچینک دیتی ہوں۔ دل تو نہیں کر رہا میرے فیورٹ ہیں۔“ مومنہ کا دل برا ہوا۔

”تو میں کل لے آؤں گا۔ تم دل کیوں برا کر رہی ہو۔۔ اچھا میں یہ سچینک کے آتا ہوں۔“ عمر نے اسکو کہا اور دونوں ڈبے اٹھا کے باہر نکلا تھا۔

باہر آتے ہوئے وہ پر سکون تھا۔ کیونکہ وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ سیٹی بجاتا وہ گھر سے باہر نکلا تھا۔

تو عمر صاحب بیکری سے ایکسپریٹ چاکلیٹس لے کے آئے تھے جو سات سات چاکلیٹ تھے۔ اب مومنہ سے چاکلیٹ منگو کے عمر صاحب نے اسکو باتوں میں لگا کے وہ ایکسپریٹ چاکلیٹ اوپر رکھے تھے اور کمال مہارت سے وہی چاکلیٹ چیک کرواتا رہا تو کبھی ایموشنل کر کے اسکو اپنی بات کا یقین دلوایا تھا۔

اب وہ پر سکون اپنے مشن کے بعد قربی پارک میں آیا تھا اور ایکسپریٹ چاکلیٹ ڈسٹ بن میں سچینکے تھے اور باقی چاکلیٹس بچوں کو بانٹنے کے بعد آگے بڑھا تھے۔ سب بچے چاکلیٹس کھاتے ہوئے واپس کھلینے میں مصروف ہو گئے تھے۔

اور عمر اس پارک کے مالی بابا کے بیٹے کی طرف گیا تھا جو عمر سے واقف تھا۔

”اسلام علیکم کیسے ہیں بھائی۔“ بچے نے عمر کو آتے دیکھا تو خوش ہوا تھا۔

”و علیکم اسلام۔ میں ٹھیک ہوں تم سناو۔“ عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”یہ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لے کے آیا ہوں۔“ عمر نے چاکلیٹس اسکون کال کے دیئے تھے جس پہ وہ بچہ خوش ہو کے اچھلا تھا۔

”بہت شکر یہ تھا عمر بھائی۔“ بچے نے کہا تھا اور ڈبہ پکڑا تھا۔

”شکریہ عمر بھائی نہیں علی بھائی۔ ”عمر ہستا ہوا اپسی کے لیے مڑا تھا۔

”چلو اس بہانے علی نے نیکی کمالی۔ ”عمر مسلسل اپنی حرکت پہ نہ رہا تھا۔

اور ایک چاکلیٹ خود نکال کے کھا رہا تھا۔ اور واپس پہ بیکری گیا تھا کیونکہ مومنہ کو افسر دہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

آج طلال اور منہما کی شادی کو سات دن گزر چکے تھے۔ صالحہ کی پرسوں واپسی تھی۔ ضرار شادی پہ نہیں آسکا تھا۔ وجہ ضرار کی والدہ کی طبیعت کی خرابی تھی جو اچانک خراب ہونے پہ انکو ہا سپٹل شفت کرنا پڑا تھا اب وہ بہتر تھی تو ضرار صالحہ اور بچوں کو خود لینے آ رہا تھا۔

منہما صالحہ کے بچوں کو سینڈ و چز بنائے دے رہی تھی۔ تبھی طلال آفس سے آیا، وہ بے حد تھا ہو الگ رہا تھا۔ معمول کے مطابق وہ رقیہ بیگم سے ملتا نکلے پاس بیٹھ گیا تھا آئیہ کو صالحہ نے اٹھایا ہوا تھا۔

منہما بچوں کو سینڈ و چز دیتی ہوئی کبھی کچن اور کبھی لاونچ میں چکر لگا رہی تھی۔ طلال اور منہما میں بے تکلفی اتنی نہیں ہوئی تھی بس دن میں ضرورت کے وقت بات ہو جاتی تھی۔ اس وقت منہما طلال کی آمد سے بے خبر دوپٹے کو سر سے اتارے گھوم رہی تھی، سادہ سا سوت پہنا ہوا تھا۔ بالوں کی آبشار کو انسنے چُلیا کی صورت میں باندھ رکھا تھا۔ طلال کی نظریں اسکی چُلیا سے الجھ کے رہ گئی تھیں۔ وہ اسکی نظروں کے ارتکاز سے بڑ بڑا تی ہوئی کچن میں غائب ہو گئی تھی۔

”طبیعت ٹھیک ہے۔ آج جلدی لوٹ آئے آفس سے، ویسے اچھی بات ہے جلدی آیا کرو منہما کو بھی وقت دیا کرو۔ ”رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”جی! بس سر میں تھوڑا درد تھا۔“ طلال نے دوسری بات کا جواب گول کر دیا تھا۔

”ماشاء اللہ! میری بہونے اس گھر میں رونق لگادی ہے۔“ رقیہ بیگم اسکے صدقے واری جاتی تھکتی نہ تھی۔ متھا بھی اپنی ساری توجہ اس گھر پر دے رہی تھی۔

”تم خوش ہو۔“ رقیہ بیگم نے طلال سے پوچھا تھا۔ جو تھکا ہوا سا بیٹھا بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔

”آپ کو خوش دیکھ کے مطمئن ہوں۔“ طلال نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

”ان شاء اللہ! اطمینان جلدی خوشی میں تبدیل ہو جائے گا۔“ صالح نے کہا تھا۔

”اکثر کچھ اطمینان عارضی بھی ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے اطمینان پر آگے کے مراحل استوار کرنا بیو قوی کے سوا کچھ نہیں۔“ طلال کا جواب حاضر تھا۔

”تمہاری طرح اسکو بھی یہی خدشات ہیں طلال مگر وہ پھر بھی سب بھلائے اپنی نئی زندگی میں سیٹ ہو رہی ہے۔ حالانکہ وہ جن حالات سے گزری ہے اس وقت کسی مرد پر اس کے لیے اعتبار کرنے بہت مشکل ہے جسکا وہ اظہار بھی مجھ سے کر جکی ہے۔ اسے بھی ایک مرد ہو کہ دے چکا ہے۔“ رقیہ بیگم نے صاف گوئی سے کہا تھا۔
طلال کی رگیں ابھری تھیں۔

”دیکھیں اماں اسکے ماضی سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔ آپ آئندہ اس بات کا مجھ سے ذکر نہیں کریں گی اور باقی سب مرد ایک سے نہیں ہوتے۔“ طلال اسکے سابقہ رشتے کے ذکر پر بلبلہ اٹھا تھا آخر کو مرد تھا جس میں غیرت کوٹ کوٹ بھری تھی۔

”میاں اسکا صرف نکاح ہوا تھا خصتی نہیں ہوئی تھی۔ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں زیادہ۔ وہ کافی لڑکی ہے اسکو سنبھال کر رکھنا۔“ رقیہ بیگم نے بیٹی کے تیور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اس وضاحت پر طلال تھوڑا نرم پڑا تھا۔

”میرا وہ مطلب نہیں تھا۔“ طلال ہلکی آواز میں بولا تھا تھا خود بھی تو وہ ایک بچی کا باب پ تھا۔

”سب مرد ایک سے نہیں ہوتے اس بات کا یقین دلانا تمہارا کام ہے۔“ صالح نے بھی کہا
تھا جو اتنی دیر سے چپ بیٹھی تھی۔

”مجھے کچھ کھانے پینے کا بھی پوچھا جائے گا یا میدم کے ذکر سے مجھے پیٹ بھرن پڑے
گا۔“ طلال اب کے چڑا تھا۔ تبھی منتها لاونچ میں آئی تھی۔

”السلام علیکم!“ منتها نے طلال کو دیکھ کے دھمی آواز میں سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام!“ طلال کی آواز اتنی دھمی تھی کہ وہ خود ہی سن سکتا تھا۔ ایک گہری نظر
البتہ منتها پہ ڈالی تھی جو یوں لگ رہی تھی جیسے پتہ نہیں کتنے ٹائم سے یہاں رہتی ہو۔
”لنج لگا دوں صالح آپی؟“ منتها نے صالح کو مناطب کیا تھا۔

”اپنے میاں سے پوچھو۔ ہم ابھی نہیں کھائیں گے۔“ صالح نے ہستے ہوئے کہا تھا۔ منتها
کچھ کے کاموں میں مدد کرواتی رہتی تھی مگر مکمل کام رقیہ بیگم نے صالح کی واپسی تک
اسکے لیے روکے ہوئے تھے۔

منتها کو دیکھ کے صالح کی گود میں بیٹھی آنیہ نے شور مچا دیا تھا کہ اسکو اٹھایا جائے۔ منتها نے
ہستے ہوئے آنیہ کو اٹھایا تھا اور اسکو لئے باہر نکلنے لگی، ہی تھی کہ طلال کی آواز آئی۔

”نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔“ طلال کی بھاری آواز آئی تھی۔

”پچ جا کے ریسٹ کرو۔ کام میں تو خود کو اتنا الجھایا ہوا ہے تم نے صحت پہ تو کوئی توجہ
نہیں۔ میں چائے بھجواتی ہوں ساتھ سر درد کی دوا بھی۔“ رقیہ بیگم نے اس پہ سورتیں
پڑھ کے پھونکتی ہوئی بولی تھیں۔ جاتی ہوئی منتها نے بھی سنا تھا۔

افشاں اور عاصمہ بیگم کے ہاں بھی سینڈ و چز بھجوائے منتها نے چائے بنائی اور ساتھ سر درد
کی گولی ٹرے میں رکھ کے حمیدہ بی کے ہاتھوں طلال کو بھجوادی تھی۔
طلال جب واش روم سے باہر آیا تو ٹرے سمجھی موجود تھی۔

کسی بھی رشتے میں احساس اور عزت دو اہم چیزیں ہیں۔ پیار اور محبت بعد میں آتے ہیں۔ بعض اوقات محبت کے بغیر تو گزارہ ہو جاتا ہے مگر احساس اور عزت کے بغیر رشتے بوجھ لگنے لگتے ہیں۔

احساس رشتے کو بہت انمول اور عزت دلعزیز بناتا ہے اور پھر اس پہ محبت کی آبیاری تو لازمی ہوتی ہے۔

طلال منتها کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ ماضی بھی نہیں دھرا نا چاہتا تھا۔ وہ سوچوں کو جھٹکتا چائے کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

طلال کچھ دیر ریسٹ کے بعد باہر نکلا تھا تو لاونج میں رونق لگی ہوئی تھی عاصمہ، افشاں بیگم اور سب بچے موجود تھے۔ عرصے سے وہ ان رونقوں کو ترسا ہوا تھا۔

”السلام علیکم۔“ طلال نے بلند آواز میں کہا تھا۔

”و علیکم السلام۔“ سب نے کورس میں جواب دیا تھا۔ عاصمہ، رقیہ اور افشاں بیگم تینوں بڑے صوفے پہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ سامنے ہی کر سی پہ صالحہ بیٹھی ہوئی تھی۔ عمرہ بچوں کے ساتھ کارٹون دیکھنے میں مصروف تھی۔ مومنہ بھی صالحہ کے پاس نیچے کارپٹ پر رکھے فلور کشن پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ عمر نے وون سیٹر صوفہ سنبھالا ہوا تھا اور منتها آنسیہ کو ساتھ بیٹھائے ہوئے ٹو سیٹر صوف پہ بیٹھی تھی۔

طلال کے پاس بیٹھنے کا وہی آپشن تھا تو وہ جا کے منتها کے پاس بیٹھا تھا۔ منتها کا دل دھیمے سروں پہ تب دھڑ کا جب طلال نے اپنا بازو صوف کی بیک پہ ٹکایا تھا، منتها بیک سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

طلال ریلیکس ہو کے بیٹھتا دوسرا جان کو مشکل میں ڈال گیا تھا۔ مرتبا نے تھوک نگتے ہوئے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کی تھی جو طلال کی نظر سے ہرگز مخفی نہ رہی تھی

”دادو نورہ تو سننا ہو گانا! تبدیلی آئی نہیں، تبدیلی آچکی ہے۔“ عمر کی زبان میں کھجولی ہوئی تھی سب اسکی بات کا مقصد سمجھ چکے تھے کہ طلال پہ چوت کی گئی ہے کہاں وہ رات کو لیٹ واپس آنے والا آج سے پہر کو ہی گھر لوٹ آیا تھا۔

”تبدیلی تو چلو آگئی ہے بیٹا یہ مت بھولو کہ تمہاری پے ابھی تمہارے اکاؤنٹ میں آنا باقی ہے تو مجھے مجبور مت کرو۔“ طلال نے دھمکی دی تھی۔ خواتین کو پتہ تھا اب عمر کی باتیں تو ختم نہیں ہونی اسلیے وہ آپس میں باتوں میں لگ گئی تھیں۔

آنیہ نے اب مرتبا اور طلال دونوں کے بیچ میں صوفے پہ کھڑا ہونا شروع کر دیا تھا۔ مرتبا مزید الٹ ہو کے بیٹھ گئی تھی کہ کہی گرہی نہ جائے۔ اوپر سے بیک پہ پڑا بازو اسکو سیدھا بھی نہیں ہونے دے رہا تھا۔

”طلال یہ تم زیادتی کرتے ہو میرے عمر کے ساتھ۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”دیکھا دادو ہمیشہ ایسے ہی دھمکاتے ہیں مجھے۔“ عمر ہمدردی پہ اور پھیلا تھا۔

”تم پھر بھی باز نہیں آتے۔ ابھی سات ہزار نو سو نور پے والے حادثے کو نو دن پورے نہیں ہوئے۔“ مومنہ نے بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

”وہ بدلہ میں کل کالے چکا ہوں۔ وہ الگ بات ہے کسی کو خبر تک نہیں ہونے دی۔ میں عمر محسن ہوں اپنے بدلے جلد پورے کر لیتا ہوں۔“ عمر نے اپنا کالر کھڑا کرتے ہوئے خود کو شباباشی دی تھی چاکلیٹس والے کارنامے پہ۔

”اتنے آئے تم سپر ہیرو۔“ مومنہ نے ناسمجھی سے کہا تھا۔

”آنیہ آرام سے، گر جاؤ گی۔“ منتها نے صوفے پہ گھومتی آنیہ کو کہا تھا جو تھوڑی سے آٹ آف بیلنس ہوئی تھی منتها نے اسکو جلدی سے پکڑا تھا۔

”آپ کے لیے بھی میں یہی کہوں گا۔“ طلال نے دوہاتھ کے فاصلے پہ بیٹھی حواس باختہ بیوی سے کہا تھا۔

”جی! کیا؟“ منتها ہونق ہوئی۔

”یہی کہ آرام سے بیٹھیں آنیہ کا توپتہ نہیں البتہ آپ نے گرجانا ہے۔“ طلال نے جس لمحے میں کہا تھا منتها پانی پانی ہو گئی تھی۔

”آنیہ ادھر آؤ بابا پاس۔ ممکوسانس لینے دو۔“ طلال نے بازو ہٹاتے ہوئے آنیہ کو گود میں کیا تھا۔ البتہ منتها سبکی موجودگی میں خود کو پر سکون کرنے لگی تھی۔

”اگر کوئی ضروری بات کرنی ہے تو باہر لے جاسکتے ہو۔ بیوی ہے تمہاری۔“ صالحہ نے طلال کو نشانہ بنایا تھا۔

”جی پتہ ہے بیوی ہے میری مگریہ بات ابھی انکو ہضم ہو لینے دیں۔“ طلال نے دو بدو کہا تھا البتہ دوسری بات منتها کی جھجھک پہ چوتھی جو اتنی آواز میں ہی کہی کہ صرف منتها سن سکی۔

”ارے جانے کی بات سے یاد آیا طلال کل منتها کو تم اسکے میکے لے کے جاؤ گے۔ شادی کے بعد جانا ہی نہ ہو سکا اور یہ رسم ہے تو اس پہ بحث نہیں کوئی۔“ رقیہ بیگم نے کہتے ہوئے انکار کی گنجائش، ہی ختم کر دی تھی۔

”ٹھیک ہے اور کچھ؟“ طلال نے ماں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”فی الحال یہی کرو۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”چائے ہی پلوادیں بھئی۔“ عمر نے نیا سلسلہ شروع کیا تھا۔

مومنہ کو عمر کی اس عادت سے سخت چڑھتی۔ اب بھی وہ چڑھتی تھی۔

”جاوہ مومنہ بنے کے لا و سب کے لئے چائے۔ ”صالح نے مومنہ کو کہا تھا۔ مومنہ عمر کو خونخوار نظروں سے دیکھتی اٹھی تھی۔

”اس چائے کے نشی کو مجھے دیکھ کے ہی چائے یاد آتی ہے۔ اف! اف! ”مومنہ جلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

”میں چائے نہیں پہیوں گا۔ میں آنیہ کو لے کے باہر جا رہوں۔ ”طلال نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”رکود را طلال تم۔ منہا کو بھی لے کے جاؤ ساتھ۔ ”عاصمہ بیگم نے اسکو ٹوکا تھا۔ منہا کا سر مزید جھک گیا تھا۔

”میں باہر لان میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا بس۔ ”طلال نے اس حکم پر کہا تھا۔

”واہ چاچو واہ لان نہ ہو گیا مار گلہ کا پہاڑی سلسلہ ہو گیا۔ ”عمر کہاں بازر ہنے والا تھا۔

”میاں لان کے علاوہ کہیں اور جانے میں پابندی تو نہیں لگی۔ ”رقیہ بیگم نے بھی غصہ نکالا تھا بیٹھ پہ۔

”تو لان میں منہا کو ساتھ لے کے جانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ویسے۔ ”صالح نے بھی حصہ لیا تھا۔

”منہا اٹھ جائیں اس سے پہلے کہ یہ لوگ ہنی مون کی بلنگ کر وادیں۔ ”طلال کا دماغ ایک منٹ میں گھما تھا۔ منہا کا دل ایک منٹ کو اس سیجپو یشن پر رکا تھا۔

”منہا جاؤ اس سے پہلے کہ یہ اکتا کے لان والا ارادہ بھی کینسل کرے۔ ”افشاں بیگم نے بھی گل افسانی کی تھی۔ منہا کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا تو دل بڑا کرتی اٹھی تھی۔

طلال آنیہ کو گود میں اٹھائے لاونچ سے باہر نکلتا گیا تھا۔ پچھے مرٹ کے دیکھا تو منہا آہستہ آہستہ چلتی نظر آئی۔

”ایک یہ خاتون میرے صبر کا امتحان لینے کو بھیجی گئی ہیں۔ ”طلال نے تاسف سے کہا تھا۔

”مُنْتَهَا اسی جنم میں لان میں جانے کا ارادہ کیا تھا میں نے بد قسمتی سے اب جلدی آئیں۔ ”طلال نے اسکی سست روی پہ طنز کیا تھا۔ طلال نے نہ صرف کہا تھا بلکہ آگے بڑھ کے اسکا ہاتھ پکڑا اور باہر کی طرف بڑھا تھا۔

مُنْتَهَا کی تو سٹی گم ہوئی تھی آج طلال کی حرکتوں سے۔

طلال بلاشبہ ایک وجیہہ مرد تھا۔ آج اس نے گرے ٹرواز رپہنا ہوا تھا اور بلیک ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ بال ما تھے پہ بکھرے ہوئے تھے اور ما تھے پہ معمول کی طرح لکیروں کا جال بھی موجود تھا۔

ایک بازو میں آنسیہ کو اٹھایا ہوئے اور دوسرا ہاتھ سے مُنْتَهَا کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ وہ ان دونوں کو لئے وجاہت ہاؤس کا گیٹ پار کر گیا تھا۔

”آپ تو لان کا کہہ رہے تھے۔ ”مُنْتَهَا نے لب کشائی کی تھی۔ طلال نے ایک پل کو برابر چلتی مُنْتَهَا کو دیکھا تھا۔

”اب بھی میں ہی آپکو قربی پارک میں لے کے جا رہا ہوں۔ بیوی ہیں میری آپ حوصلہ رکھیں کڈنیپ نہیں کر رہا آپکو۔ ”طلال نے مخصوص لٹھ مار انداز میں کہا تھا۔ اس وقت سڑک پر رشنہ ہونے کے برابر تھا۔ یہ کالونی کی سڑکیں تھیں۔ سڑکوں پہ زیادہ روشنی بھی نہیں تھی۔

”آنیہ کو مجھے دے دیں۔ ”تھوڑی دیر چلنے کے بعد پھر مُنْتَهَا کی آواز آئی تھی۔ مُنْتَهَا کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی کیونکہ وہ طلال کے ساتھ مشکل سے چل رہی تھی۔ تبھی مُنْتَهَا کو ٹھوکر لگی۔

”کیوں آپ کا آنسیہ کو ساتھ لے کے گرنے کا ارادہ ہے۔ آپ خود دھیان سے چلیں۔ ”طلال نے مُنْتَهَا کو کہا تھا۔

مُنْتَهَا شر مندر ہوئی۔

”یہ انسان باتوں سے ہی مجھے مارے گا۔“ منتها نے کڑھ کے سوچا تھا۔

اس سے پہلے کہ کوئی اور بات ہوتی وہ چھ سے سات منٹ کی واک کے بعد پارک میں داخل ہو چکے تھے۔

یہاں تھوڑا رش تھا۔ طلال منتها کو لے کے ایک پر سکون گوشے میں آگیا تھا۔ انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ یہاں اکثر آتا رہتا تھا۔

طلال ایک بیٹھ کی طرف بڑھا تھا۔

خود بیٹھا اور آنیہ کو بھی بیٹھایا تھا اور ایک سرد آہ خارج کی تھی۔ منتها بیٹھ کے ساتھ ٹیک لگ کے کھڑی ارڈ گرڈ لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ کچھ لوگ فیملی کے ساتھ انجوائے کر رہے تھے۔ کچھ بزرگ حضرات حالات پہ تبصرہ کر رہے تھے۔ بلکی بلکی ہوا محل کو اور اچھا اور مسحور کن بنارہی تھی۔

طلال نے ایک نظر منتها پہ ڈالی تھی۔ جس کا دوپٹہ ہوا کے زور پہ اڑتے ہوئے اسکو تنگ کر رہا تھا۔

”کل کس وقت جانا ہے آپ نے اپنے گھر؟“ طلال نے سوال کیا تھا۔

منتها وہاں سے ہٹی اور بیٹھ پہ آ کے بیٹھ گئی تھی آنیہ طلال کے موبائل کا پوسٹ مارٹم کر رہی تھی ساتھ چاکلیٹ کا ملیدہ بنارہی تھی جو طلال نے ہی اسکو دی تھی۔

”جو وقت آپکو مناسب لگے۔“ منتها نے دھیمے لبھ میں کہا تھا

”ٹھیک ہے میں کل آفس سے واپس آ جاؤں گا جلدی۔ آنیہ کو گھر چھوڑ جائیں گے صالحہ آپی پاس۔“ طلال نے منتها کو آگاہ کیا تھا۔

آج نجانے کس موڑ میں تھا جو با تین کر رہا تھا۔

”کیوں؟ آنیہ میرے ساتھ جائے گی۔“ منتها نے جھٹ ٹوکا تھا۔
طلال نے اسکو ایک نظر دیکھا تھا۔

”دیکھیں میں نہیں چاہتا میری بیٹی کو کوئی بات سننی پڑے۔ آپکے گھروالوں کو یقیناً آنیہ کا جانا اچھا نہیں لگے گا۔“ طلال نے صاف گوئی سے کہا تھا۔ وہ تو سخت نظر نہ پڑنے دے اپنی بیٹی پہ کسی کی۔ تو کسی کا سخت بول تو ہر گز برداشت نہ کر سکے گا۔

”آپ سے شادی کے بعد وہ میری بیٹی بھی ہے۔ چاہے آپ نے دباؤ میں آکے ہی شادی کی ہے۔“ منتها بھی آج صاف بات کرنے کے چکر میں تھی۔

”اندر کی باتیں بھی ساس صاحبہ نے بتائیں ہوئی ہیں۔ ٹھیک ہے یہ بھی۔“ طلال سوچ کے رہ گیا تھا۔

”اور دوسری بات میرے گھروالے اتنے کم ظرف ہرگز نہیں ہے۔ جنہوں نے اپنی بیٹی دے دی تو وہ اپنی بیٹی کی بیٹی کو بھی کھلے دل سے اپنا چکے ہیں۔ وہ ہر جگہ میرے ساتھ جائے گی۔“ منتها نے فیصلہ سنایا تھا۔

”اچھا بول لیتی ہیں آپ۔“ طلال نے لٹھ مار لبھ میں کہا تھا۔

”جو بات سچ ہے وہی کہی ہے۔ آپکو متاثر کرنے کے لیے ایک لفظ نہیں بولا۔“ منتها منمنائی تھی۔

”میں متاثر ہوا بھی نہیں ہوں۔“ طلال اور مرودت کا دور دور تک لینا دینا نہیں تھا۔ صاف گواں حد تک کے بات منہ پہ مارتا تھا۔

”خشنک ترین انسان!“ منتها نے دانت پسیے تھے۔

عمر کچن میں داخل ہوا تو بزر کے سامنے چائے بنتی مومنہ نے اسکا استقبال خوفناک نظروں سے کیا تھا۔

انہوں نے بنائی چائے

آئے ہائے آئے ہائے

عمر سینے پہ ہاتھ رکھ کے جھکتے ہوئے شاعر انہ انداز میں بولتا مومنہ کو اور سلگا گیا تھا۔

”عمر مجھ سے دس فٹ دوری پہ رہنا میں بتارہی ہوں۔“ مومنہ نے کٹلیے لبجے میں کہا تھا۔

”کیوں پیار ہونے کا ڈر ہے؟“ عمر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

”شکل دھور کھو اپنی تم۔“ مومنہ نے ہاتھ میں پکڑا کچھ اسکو مارنے کے انداز میں اٹھائے تھا۔

”باپ رے! اتنا غصے مومنی کو۔“ عمر نے بچوں کی طرح پچکارا۔

”ہائے! میر انام نہ بگاڑا کرو کتنی دفعہ کہا ہے تمہیں؟“ مومنہ پہلے ہی اسکی چائے کی فرماش پہلی پی کھڑی تھی۔

وہ کرتے ہیں ہربات پہ اختلاف ہائے

وہ کہتے ہیں کافی ہم کہتے ہیں چائے

عمر نے لہکتے ہوئے ایک اور شعر پڑھا تھا۔

”یہ چاولوں والا کفگیر تمہیں اب مارنا ہے میں۔“ مومنہ نے باقاعدہ ہاتھ میں پکڑا کفگیر اسکو دیکھایا تھا۔

”میں تو ڈر گیا۔ رکھو نیچے۔ اتنی سی چائے بنانے کو کیا کہہ دو مر نے پہ آجائی ہو

۔“ عمر نے اسکے ہاتھ سے پکڑ کے کفگیر سائیڈ پر رکھا اور سلیب کے ساتھ ٹیک لگا کے کھڑا ہو کے مومنہ کو تکنے لگا تھا۔

تبھی دماغ میں ایک اور بات سمائی۔

سنوبھجھے چائے بھی تم جیسی

سانوں لی سی، ہی پسند ہے

عمر کہاں باز آنے والا تھا۔

”خبردار اگر مجھے سانوں کہا۔ میں نہیں ہوں سانوں۔ یہ تو موسم کا اثر ہے تھوڑا دادو کہتی ہیں۔ ”مومنہ کو اپنے ڈل ہوئے رنگ پر یہ بات تیر کی طرح چبھی تھی۔

”ہاں ہاں تمہارا رنگ آتی سردیوں، جاتی سردیاں پھر ساری سردیاں اور پھر آتی گرمیاں اور جاتی گرمیاں اور پھر ساری گرمیاں متاثر ہی ہوارہتا ہے۔ ”عمر ہمیشہ اسکو اس بات سے چھپتا تھا۔ حالانکہ اسکا رنگ صاف تھا مگر عمر سے تھوڑا کم یہی فائدہ عمر اٹھاتا تھا۔ ”اللہ کرے تمہیں بھی میرے جیسے رنگ والی بیوی ملی۔ ”مومنہ بس یہی کہہ سکتی تھی۔ اپنی طرف سے بد دعا دی تھی۔

”آمین ثم آمین۔ مجھے جی جان سے قبول ہے۔ میری ہونے والی بیوی کا رنگ مانو تمہارے جیسے ہے۔ مانو وہ تمہاری ہی کاپی ہے۔ ”عمر ترنگ سے بولا تھا۔

”تم سے توبات کرنا ہی فضول ہے۔ ”مومنہ نے بات ختم کرتے ہوئے کپوں میں چائے نکلنی شروع کی تھی تبھی چائے چھلکتی اسکے ہاتھ پر پڑی تھی۔ ”اف! ”مومنہ بلبلہ اٹھی تھی۔

”کیا کرتی ہو یار؟ ادھر دیکھاؤ۔ ”عمر تیزی سے اسکی طرف بڑھا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی شوخی اب پریشانی میں بدل چکی تھی۔

”دھیان کہا ہوتا ہے تمہارا؟ ”عمر نے اسکا ہاتھ پکڑتے ہوئے دیکھا جو سرخ ہو چکا تھا۔ کچھ میں لگے سنیک کے نل کے نیچے کیا تھا۔

”تم میں ہی تھا۔ تم کہیں اور جانے دیتے ہو۔ ”مومنہ نے منہ پھلا کے کہا تھا۔ عمر اس شکایت پر دل جان سے قربان گیا تھا۔

”کرو دیا میر انقصان اب خوش ہونا۔ ”مومنہ نے عمر سے کہا تھا۔ ”یہ تمہارا نہیں میر انقصان ہے اور تمہیں درد دے کے میں خوش ہوتا ہوں یہ سوچ اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔ درد ہو رہا ہے؟ ”عمر کے لمحے میں پیار، عزت محبت، دوستی اور

اپناست کے سارے رنگ تھے۔ مومنہ ایک لمحے کو ساکت ہوئی تھی۔ دل انوکھے انداز سے دھڑکا تھا۔

”عمر تم میرا اتنا خیال کیوں رکھتے ہو۔“ مومنہ نے عمر سے سوال کیا تھا جو اسکے ہاتھ پر اب آئندہ لگا رہا تھا۔

میں نے ہر بار نئی آنکھ سے دیکھا تجھ کو
مجھے کو ہر بار نیا عشق ہوا ہے تجھ سے
عمر کا ہاتھ ایک پل کو رکھا تھا اسے مومنہ کو دیکھا تھا جو عمر کی طرف ہی متوجہ تھی۔ سیاہ آنکھوں کے پچھے آج خاموشی کوئی اور ہی کہانی بُن رہی تھی۔ جس پر مومنہ بھی حیران تھی۔

عمر کے دل بھی بے اختیار خواہشوں نے سراٹھانا شروع کیا تھا مگر ابھی اظہار کا مرحلہ نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی کچھ رشتؤں میں احتیاط اور احترام واجب ہوتا ہے جو عمر اور مومنہ کے رشتے میں بھی تھالا کھو دوست اور نزدیک سہی مگر عمر نے کبھی اسکو بری نظر سے نہیں دیکھا تھا۔

وہ عزت تھی اسکے اور اپنی عزت پر نق卜 نہیں لگایا کرتے۔ اس مرد سے زیادہ کوئی بہترین نہیں ہوتا جسکو اپنی محبت کو پا کیزہ رکھنا آتا ہو۔ عمر محسن کو یہ گن آتا تھا۔
”کیونکہ تم خود تو کھسکی ہوئی ہو۔“ عمر نے فسوں توڑا تھا۔
مومنہ بھی سن بھلی تھی۔

”جنگلی انسان ہو تم۔ اب کپوں میں چائے تم ڈال کے لاوے گے میں جا رہی ہوں۔“ مومنہ نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

”اوے کے باس!“ عمر اسکا حکم بجا لایا تھا۔

مومنہ ہنس کے باہر نکل گئی تھی۔ پچھے عمر اپنے جذبات زبان پر لایا تھا۔

تمہاری ہنسی میں ہی تو میری جان بستی ہے
طلال اس وقت متھا اور آنیہ کو لئے صغیر ہاؤس آیا تھا تو صغیر ہاؤس میں خوشی کا سماں بندھ گیا تھا۔ طلال کی توجو آؤ بھگت ہو رہی تھی وہ الگ بات آنیہ کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔
”طلال بیٹا! ایزی ہو کے بیٹھ جاؤ۔ ہمارا گھر آپکے گھر جیسا آرام دہ تو نہیں ہے مگر ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ آپکو یہاں کوئی تکلیف نہ ہو۔“ صفیہ بیگم نے داماد کو کوئی دسویں بار کہا تھا۔

”آنٹی! پیز شرمندہ مت کریں مجھے۔ میں بلکل ایزی ہوں۔“ طلال جیسا بے مرودت انسان بھی آج مرودت سے کام لے رہا تھا۔

”بیٹا ہمارے گھر انوں میں داماد کی آؤ بھگت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔“ صفیہ بیگم نے معاشرے کی ریت بیان کی تھی۔ جسکو پورے کرنے کے واسطے کچھ لوگ کے مہینے کا بجٹ دو دن میں ختم ہو جایا کرتا ہے۔

ان رسماں میں قصور کہا ہے؟ ہماری ذہنیت کا، تربیت کا؟ یا رسماں کا؟
”آپ اگر مجھے داماد کی بجائے بیٹا سمجھیں گی تو زیادہ اچھا لگے گا مجھے۔ میں ان تکلفات کا عادی نہیں ہوں۔ کافی دیر سے آپ لوگوں کی بھاگ دوڑ دیکھ رہا۔ پیز! یہ سب مناسب نہیں لگتا۔ آپ میرے بڑے ہیں۔ آپ کا احترام مجھ پر واجب ہے ناکہ آپ سب میرا بے جا احترام کریں۔“ طلال نے بغیر لگی لپٹی کے انکی تیاریوں پر کہا تھا۔

کچن سے الگ کھانوں کی خوشبو آرہی تھی۔ ٹیبل پر تین بار اسکو دیگر چیزیں چائے سمیت پیش کی جا چکیں تھیں۔ صفیہ اور صغیر احمد کو وہ پھر بھی پریشان دیکھ چکا تھا۔ یاسر بھی اسکی خدمت پر پیش تھا البتہ بیوی اور بیٹی کا کوئی اتنا پتہ نہیں تھا۔ کائنات کی طبیعت چونکہ ابھی ٹھیک نہیں تھی تو زیادہ چیزیں باہر سے ہی منگوائیں تھیں۔
 Sugir صاحب اپنے انتخاب پر مطمئن تھے آج۔

”طلال بھائی اور سنائیں کام کیسے چل رہا ہے؟“ یاسرا بھی بھی مارکیٹ سے ہو کے آیا تھا۔
”بھی! شکر ہے اللہ کا۔“ طلال نے کہا تھا۔ وہ لوگ باتوں میں لگ گئے تھے۔ اس وقت شام
کے اندر ہیرے پر پھیلارے ہے تھے۔ تبھی منتها اندر آئی تھی۔

”آجائیں کھانا لگ گیا ہے۔“ منتها نے اندر آکے پیغام دیا تھا تو طلال کو کوئی دو گھنٹے کے بعد
بیوی کی شکل دیکھنا نصیب ہوئی تھی۔

”ان کی خبر گیری تو میں کرتا ہوں۔“ طلال بڑا بڑا ایسا تھا۔

”اچھا! چلو طلال بیٹا۔“ صغیر صاحب نے اسکو کہا تھا۔ وہ سر ہلا کے اٹھا تھا اور منتها کے
ساتھ باہر نکلا تھا۔

”آنیہ کدھر ہے؟“ طلال نے ساتھ چلتی میرون سوت میں ملبوس نازک سی بیوی پہ نظر
ڈالی تھی۔

”وہ سوگئی ہے میں اسکو اپنے روم میں لیٹا آئی ہوں۔ آپ نے اگر فریش ہونے ہے تو
آجائیں۔“ منتها کو اسکی طبیعت کا اندازہ تھا کہ وہ جلدی چڑھتا تھا۔

”ہوں! چلیں۔“ طلال نے کہا۔ منتها اسے لے کے اپنے روم میں آگئی تھی جہاں وہ شادی
سے پہلے رہتی تھی۔

یہ اتنا بڑا کمرہ نہیں تھا۔ ایک بیڈ رکھا ہوا تھا نارمل سائز کا جس پہ آنیہ دنیا جہاں کی
معصومیت اپنے چہرے پہ لئے سوئی ہوئی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پہ منتها کا بیگ اور آنیہ کی چیزیں
تھیں۔

دوسری طرف ایک صوفہ رکھا تھا ایک طرف الماری تھی اور باقی کی خالی جگہ ٹیبل پہ
کتنا بیس رکھی ہوئی تھی۔

”وہ رہا وASH روم آپ فریش ہو جائیں۔ کھانا نہ ٹھنڈا ہو جائے۔“ منتها نے اٹھ باتھ روم کی
طرف اشارہ کرتے ہوئے طلال کو کہا تھا۔

طلال آگے بڑھا تو کچھ یاد آنے پہ والپس مڑا تھا۔

”منتہا آپکو پتہ ہے نامیں کس مزاج کا بندہ ہوں آپکو اپنے گھر بتانا چاہیے تھا۔ اتنا اہتمام کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں تھی۔ آئندہ ایسا کچھ نہ ہو۔“ طلال نے منتہا کی طبیعت صاف کی تھی۔

”جی ٹھیک ہے۔“ منتہا نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو طلال نے جانے کا بولا منتہا کو مگر صغیر احمد نے انکو آج رات رکنے کا بولا تھا۔ سب آج رات رکنے پہ اصرار تھا۔
طلال تو مرودت میں مارا ہی گیا تھا۔

ابھی انکو سونے کے لیے کمرے میں بھیجا گیا تھا۔ آنیہ کو اٹھا کے طلال کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

”آپکے لئے کپڑے میں واش روم میں رکھ دیئے ہیں چینچ کر لئیے گا۔“ منتہا نے کہا تھا۔ طلال اسکو ایک نظر دیکھ کے بولا تھا۔

”جلدی کمرے میں آئیں۔“ طلال نے واپسی کے لیے قدم بڑھاتی منتہا سے کہا تھا۔

”آنیہ کو مجھے پکڑا دیں آپ جا کے فریش ہو جائیں۔“ منتہا نے طلال کی مشکل آسانی کی تھی۔

طلال اسکو ایک سخت نظر سے نوازتا آنیہ کو پکڑا کے آگے بڑھ گیا تھا۔

”آنیہ کے بابا بہت خراب ہیں۔ گھورتے ہیں مماکو۔“ منتہا نے آنیہ کے گالوں پہ بوسہ دیتے ہوئے کہا جس پہ آنیہ کھی کھی کرنے لگی تھی۔

صفیہ بیگم اور کائنات بھا بھی کے ساتھ تھوڑا وقت گزار کے منتہا روم میں آگئی تھی۔ آنیہ کو ساتھ لائے ہوئے کھلو نے نکال کے دیئے اور نیچے کارپٹ پہ بیٹھا دیا۔

طلال صوفے پہ بیٹھا موبائل میں مصروف تھا ساتھ بیوی کی حرکتیں بھی نظر میں تھیں۔
منتها الماری سے آرام دہ ساسوٹ نکلا کے فریش ہونے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ
گئی تھی۔

واپس آئی تو ایک نظر صوفے پہ بیٹھے شوہر کو دیکھا تھا۔
طلال نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے نامحسوس انداز میں ما تھا صاف کیا تھا۔
”ہمارا یہاں رہنا لازمی ہے کیا؟“ طلال نے بلا خرپوچھ ہی لیا تھا۔ شادی کے بعد سرال
میں پہلے بار آیا تھا۔

”ہمارے نزدیک تولا زمی ہے۔ اگر آپ جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں۔ آپ کو مسئلہ ہو گا یہاں
رکھنے میں۔“ منتها جو کافی دیر سے اسکی بے چینی نوٹ کر رہی تھی بول پڑی۔
”مشورے کا شکر یہ۔“ طلال نے خشک لبجے میں جواب دیا تھا اور موبائل پہ لگ گیا
”کل کتنے بجے یہاں سے واپسی کا ارادہ ہے؟“ طلال نے چند منٹ کے بعد پوچھا تھا دھیان
موبائل میں ہی تھا۔

”کل شام تک۔“ منتها نے اسکے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتے کہا تھا۔ دوسری طرف
سے جواب ندار تھا۔

”دیکھیں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ہمارے ہاں اے سی بھی نہیں ہے۔“ منتها نے پھر
پیشکش کی تھی اور آئنیہ کو اٹھا کے بیڈ پہ لے آئی تھی۔

”خاتون جتنا پوچھا ہے اسکا جواب دیا کریں۔“ طلال کا موبائل چلاتا تھا تھا ایک منٹ کو رکا
اور نظریں اٹھا کے منتها کی طبیعت صاف کی تھی۔

ابھی موسم اتنا بھی گرم نہیں تھا کہ ائیر کنڈیشنر کی ضرورت پڑتی۔

”اب آپ سائیڈ پہ ہو نگی یا سارے بیڈ پہ قبضے کا رادہ ہے۔ بعد میں پتہ چلے میاں کو صوفے پہ سلانا بھی رسم کا حصہ ہے۔ ”طلال اٹھ کے بیڈ پہ گیا جہاں وہ آدھے سے زیادہ بیڈ پہ قابض تھی۔

آنیہ لیٹی ڈول کے ساتھ مصروف تھی ایک طرف منتہا بیٹھی تھی اور ساتھ لا یا گیا بیگ بھی بیڈ پہ دھرا تھا جس میں زیادہ آنیہ کی ضرورت کی چیزیں تھیں۔

”دل تو یہی کر رہا ہے جیسے آپ کے حالات ہیں۔ ”منتہا صرف سوچ کے رہ گئی تھی۔

”آپ یوں کریں آنیہ کو لے کے یہاں سو جائیں۔ آپ ایزی رہیں گے۔ ”منتہا نے بیڈ سے کھڑے ہوتے ایک اور مشورے دیا تھا۔ تکیہ ٹھیک کرتا طلال کا ہاتھ رکھا اور وہ ایک سرد سانس خارج کرتا ہاتھ باندھ کے اسکے مشورے سنتے لگا تھا۔

”اور آپ؟ ”طلال نے سوال کیا۔

”میں دیکھ لیتی ہوں۔ ادھر روم میں ہی بستر لگا لو نگی یا پھر صوفے پہ۔ آپ کو آسانی ہو گی آپ آنیہ کے ساتھ لیٹ جائیں۔ ”منتہا نے ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

”اور؟؟ ”طلال نے اسکو سراپے پہ ایک گھری نظر ڈالتے ہوئے اور مشورے طلب کئے تھے۔

”اور میں فین لگا دو نگی اور کھڑکی بھی کھول دو نگی تاکہ ٹھنڈی ہو اندر آتی رہے۔ ”منتہا کہتی صوفے کی جانب بڑھی تھی۔

”وجاہت ہاؤس میں آپکی زبان پہ تالے لگے ہوئے تھے میکے آکے سب کھل گئے ہیں۔ دماغ بھی ماشاء اللہ سے تیزی سے کام کر رہا ہے۔ واپس آئیں بیڈ پہ سونئیں، فضول میں میرا دماغ نہ خراب کریں۔ ”طلال نے اسکو تند نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”نن۔ نہیں میں تو۔ ”منتہا نے کچھ کہنا چاہا تھا جب آنیہ بیڈ سے اترنے کی کوشش میں گرنے لگی تھی طلال نے آگے بڑھ کے اسکو پکڑا تھا۔

”پکڑیں اپنی بیٹی کو۔ ابھی گر کے چوت لگوالینی تھی۔ ”طلال نے منتہا کو گھر کا تھا۔ منتہا کا دل بس ”اپنی بیٹی“ الفاظ میں اڑکا ہوا تھا۔ منتہا کی آنکھیں نم ہوئی تھیں اسے آگے بڑھ کے آنیہ کو پکڑا تھا اور اسکو خود میں بھینختے ہوئے چوما تھا۔

”بب باب۔۔۔ بب باب۔۔۔“ آنیہ اپنی زبان میں بولی تھی اور منتہا کے چہرے پہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ مارنے لگی۔

”اور ویسے بھی اگر آنیہ نے رات کو فیدر نہیں پیا آپ نے روتے ہوئے میرے پاس ہی آنا ہے تو بہتر ہے پہلے ہی پاس رہیں۔“ طلال نے جس انداز میں کہا تھا منتہا اپنا غصہ بمشکل پی گئی تھی۔

”ایک دفعہ بس ایسا ہوا ہے اب وہ مجھ سے اٹھ چکی ہے الحمد للہ۔“ منتہا نے بر امنات ہوئے کہا تھا۔

”آؤ اپنے بچے کا پیسہ پر چنج کریں۔ پھر سونا ہے نال۔ آنیہ جانو۔“ منتہا اسکو لئے آگے بڑھی

اگلے دن طلال کو کام کی وجہ سے منتہا کو جلدی ہی واپس لانا پڑا تھا۔ منتہا اور آنیہ کو گھر چھوڑ کے وہ آفس چلا گیا تھا۔ وہ آفس میں بیٹھا کام میں منہمک تھا جب اسکا موبائل بجا تھا۔ گھر کے نمبر سے کال آر ہی تھی۔

”السلام علیکم جی اماں۔ سب خیریت ہے۔“ طلال نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کے پوچھا تھا۔

”و علیکم السلام۔ ہاں سب خیریت ہے۔ وہ میں کہنا تھا آج گھر جلدی آجانا۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”اماں ابھی بھی کوئی رسم باقی ہے۔“ طلال حسب عادت چڑھا۔

”میاں تم نے ابھی رسمیں پوری کی، ہی کہاں ہیں؟“ رقیہ بیگم نے بیٹے کے تیوروں سے خائن ہوتے کہا تھا۔

”اماں ابھی کل رات آپکو عملی ثبوت دیا ہے۔ اب کیا کسر رہتی ہے۔ میں تو اب سوچ رہا ہوں کہ آفس گھر ہی شفت کرلوں۔“ طلال نے غصے سے کہا تھا۔

”اچھا بس بس۔ کل صالحہ کی واپسی ہے اسلئے کہہ رہی ہوں سب ایک ساتھ بیٹھ کے شام کی چائے پی لیں گے۔ اسلئے نہیں جلدی گھر آنے کا کہا کہ تمہاری بیگم یاد کر رہی ہیں۔“ رقیہ بیگم نے بیٹے کی طبیعت صاف کی تھی۔

”وہ کر بھی نہیں سکتی اسکا پتہ مجھے۔“ طلال صرف سوچ سکا تھا۔

”جی ٹھیک ہے آجائوں گا۔ خیال رکھیں اپنا۔ خدا حافظ۔“ طلال نے نرمی سے کہتے خدا حافظ کہا تھا۔

”خدا حافظ۔“ دوسری طرف سے جواب سن کے طلال نے کال بند کی تھی اور سر جھکلتا کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

طلال کی واپسی تقریباً ساڑھے تین بجے تک ہوئی تھی۔ وجاہت ہاؤس میں زندگی سے بھر پور قہقہے گونج رہے تھے۔

طلال فریش ہو کے لاونچ میں آیا تھا تو سب خواتین اور بچے رونق لگانے گارڈن میں بیٹھے ہوئے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

”متوجہ ہوں سب عرض کیا ہے کہ:-
بدلے بدلے سے میرے سر کا نظر آتے ہیں

عنقریب ہونے والی محبت کے صاف آثار نظر آتے ہیں۔ ”عمر نے شعر کو اپنا دماغ استعمال کرتے ہوئے طلال کے لیے پڑھا تھا۔

”اس وقت میں تمہاری بکواس سننے کے موڑ میں ہرگز نہیں ہوں۔ ”طلال نے عمر کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”منہما بیٹا چائے بنائے دو طلال کو۔ ”رقیہ بیگم نے صالحہ کے ساتھ بیٹھی منہما سے کہا تھا۔ منہما اٹھی تو طلال کی نظر اس پر پڑی تھی۔

منہما نے بلیک کلر کی فرماں پہنی ہوئی تھی جس کے گھیرے پر رنگ برلنگے پھول تھے۔ بالوں کو دو پڑی میں ہی ڈھانپا ہوا تھا۔

”انکو چھپا کے ہی رکھنا چاہیے۔ ”طلال سوچ کے رہ گیا تھا۔

چہرے پر وہی نرمی جو اس کا خاصا تھی۔ گھنیری پلکیں کبھی اٹھ اور کبھی جھک رہی تھی۔

”کتنی شوگر؟ ”منہما کی آواز پر طلال کا ارتکاز ٹوٹا وہ چونکا تھا۔

”لوان سے ہونی ہے مجھے محبت۔ ابھی تک اتنا نہیں پتہ انکو؟ ”طلال کڑھ کے رہ گیا تھا۔

”جمیدہ بی سے پوچھ لیں۔ ”طلال نے کٹلے لہجے میں کہا تھا۔

”جی! مگر وہ تو چلیں گئی ہیں اب آپ ہی بتادیں۔ ”منہما نے ہونق سامنہ بنائے پوچھا تھا۔ طلال کا دل کر رہا تھا وہ کچھ کر بیٹھے۔

وہ تاسف سے سر ہلاکے رہ گیا تھا۔

”منہما بی! جتنی شوگر ملانے کو آپ دل کرے ملادیں۔ بس چائے بنادیں۔ ”طلال دانت پس کے رہ گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتا عمر کی شاعرانہ آواز گونجی تھی۔

”نه سائیں مت ڈال یہ فریبِ محبت کا جال“

”تو بس چائے کپ میں ڈال اور ڈال اور ڈال“

منتہا سب کو متوجہ پا کے شرم سے دھری ہو گئی تھی۔ ہاتھوں میں کپ لرز کے رہ گیا تھا۔
”آرام سے بیگم۔ عمر اپنا دیوان سننجال کے رکھو کیوں انکو بے ہوش کرنا ہے۔“ طلال نے
منتہا کا سرخ پڑتارنگ دیکھ کے کہتے کپ اسکے ہاتھ سے لیا تھا۔
”مم۔ میں آنسیہ کو دیکھ لوں۔“ منتہا کہتی اٹھ گئی تھی۔
”اجی کبھی فرصت میں ہمارے چاچو کو بھی دیکھ لیں۔“ عمر کہتا کر سی چھوڑ کے بھاگا تھا
کیونکہ اب تو طلال کے ہاتھوں بچانا ممکن تھا۔

اب گارڈن میں دو ٹیمیں میدان میں اترنے کو تیار تھیں۔ سب کی پر زور فرماش پہ
کر کٹ کھیلا جانے لگا تھا۔
طلال منتوں کے بعد میدان میں اتر ہی آیا تھا۔
مرد حضرات کی ایک ٹیم تھی جس میں طلال، عمر اور عمیر تھے اور لڑکیاں ایک طرف
تھیں مومنہ، منتہا اور صالحہ۔ افشاں بیگم آنسیہ کو اپنے ساتھ اکرام صاحب سے ملوانے لے
گئیں تھیں اور عاصمہ بیگم ان سب کو دیکھنے میں مصروف تھیں اور ساتھ ساتھ رقیہ بیگم
کے ساتھ با تین کر رہی تھیں جبکہ صالحہ کے بچے اور عمیرہ دونوں ٹیموں کے جذبے بلند
کرنے کو باونڈری کے باہر موجود تھے۔
”عمر ایک بات پہلے ہی کلیئر کرو ذرا ان سے آؤٹ ہونے پہ کوئی رونے نہ لگ جائے
۔“ طلال نے پاس سے گزرتی منتہا کو نشانہ بنایا تھا۔
”عمر اگر ذاتیات پہ حملہ ہو گا تو میں نہیں کھیل رہی۔“ منتہا اس چوت پہ بلبلہ اٹھی تھی
۔ اس انسان نے تو مذاق ہی بنالیا تھا۔

”اے اے آپ غصہ بھی کر لیتی ہیں مگر میں اثر نہیں لیتا۔“ طلال نے تھوڑے سے فاصلے پہ کھڑی منتہا کی کلائی تھامتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کسی چیز کا اثر نہیں لیتے یہ میرے لئے نئی اطلاع نہیں ہے۔“ منتہا نے اسی ٹون میں کہا تھا۔

”خوش آئند بات ہے ابھی سے جان رہی ہیں مجھے آگے چل کے آسانی ہو گی۔“ طلال نے بھی بر جستگی سے کہا تھا۔

”حالانکہ آپکی سوچ تھی کہ یہ بی بی چار دنوں میں اس گھر سے بھاگ جائیں گی جس طرح کا آپ نے سلوک رکھا ہے میرے ساتھ۔“ منتہا نے بھی گن گن کے بد لے لیے تھے۔ طلال کے چہرے کارنگ ایک پل کو بدلا مگر وہ جلد ہی خود پہ قابو پا چکا تھا۔

تحوڑی سی دوری پہ کھڑی لڑکی اس سے بہت بد گمان تھی۔ اس میں بھی اسکا اپنا ہی ہاتھ تھا۔

”اس پہ کسی اور وقت بحث کریں گے فی الحال نہ موقع ہے نہ ہی موڈ۔“ طلال نے دانت پیستے ہوئے منتہا کو دیکھا تھا جس پہ ڈھلتے سورج کی سرمئی کرنیں پڑ رہی تھیں۔

”آپکے موڈ پہ تو دنیا چلتی ہے نا۔“ منتہا نے تیکھے چتونوں سے کہا تھا۔

”باقی دنیا کا تو نہیں کہہ سکتا ہے مگر اس گھر میں موجود افراد کی زندگی پہ خاص افارق پڑتا ہے میرے موڈ کا۔ جسکا ابھی ایک خاتون نے اظہار بھی کیا ہے۔“ طلال نے منتہا کی کچھ دیر پہلے والی کہی بات کا حوالہ دیا تھا۔

”آپ سے توبات کرنی ہی فضول ہے۔“ منتہا چڑی تھی۔

”تبھی اتنی دیر سے کھڑی میری رفاقت سے فیض یاب ہو رہی ہیں۔“ طلال نے ایک اور دار کیا تھا۔

”انہائی خود پسند اور غلط فہمی کا شکار ہیں آپ۔“ منہانے کہتے ساتھ ہی قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ طلال پچھے اسکو دیکھتا رہ گیا تھا۔

”کیسے رہے مذاکرات؟ چاچو کیا لگ رہا ہے آپ کوچھی کو آپ پٹالیں گے؟“ عمر نے طلال کے کندھے پہ بازو روکتے ہوئے تجویزیہ کیا تھا۔

عمر کے الفاظ پہ طلال نے اسکا بازاوا پنے کندھے سے جھٹکا تھا۔

”لینگ توچ! بیوی ہے میری۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”تبھی گھاس نہیں ڈال رہی ویسے جیسے آپکے مزاج ہیں مجھے آثار بھی نظر نہیں آتے۔“ عمر نے کہتے ہوئے دوڑ لگائی تھی مگر طلال نے اسکو جالیا تھا۔

”زبان کے جو ہر ہی دیکھتے رہتے ہو اب کچھ کھیل کے بھی فن دیکھادو۔“ طلال نے اسکو بیٹنگ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کیونکہ مومنہ بیٹ لئے وکٹ پہ کھڑی تھی۔

”ارے ضرور آپ بس حکم کریں۔ میں ذرا ایک منٹ اس خاتون سے پوچھ آؤ آخر اس نے کیا سوچ کہ مجھے جیسے عظیم کرکٹ سے میچ کا سوچا۔“ عمر نے اپنے منہ میاں مسٹھو بننے کے سارے ریکارڈ توڑے تھے۔ اور وہ وکٹ (ایک کرسی کو وکٹ بنایا گیا تھا) پہ کھڑی مومنہ کے پاس گیا۔

”سنو میچ فلشنگ کرنی ہے تو بتا دو کسی کو نہیں بتاؤں گا۔“ عمر نے راز درانہ انداز میں کہا تھا۔

”اتنے تم آئے کر کٹ۔ نکلو یہاں سے۔“ مومنہ اسکو خاطر میں نہ لائی۔

”ٹھیک بتا رہا ہوں تمہیں پتہ تو ہے لڑکے کر کٹ میں زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ ایک اور رتو کھیل نہیں سکو گی ایسے تم میچ فلشنگ کر لو۔“ عمر نے راز درانہ انداز میں کہا تھا مومنہ نے اپنا اور منہا کا بیٹ ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

”اچھا! بد لے میں کیا چاہیے تمہیں؟ اتنے اچھے تو تم ہو نہیں کہ کسی مطلب کے بغیر کام کرو کوئی۔“

مومنہ عمر کی ہر رمز سے واقف تھی۔

عمر ہنسا تھا۔

”کافی سمجھدار ہوتی جا رہی ہو۔ مجھے زیادہ تو نہیں کچھ چاہیے بس ایک چیز۔“ عمر نے مومنہ کے صبح چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”جلدی بولو۔“ مومنہ نے آتنا کے کہا تھا۔

”تمہارے تین سائیں وہ بھی نکاح نامے پہ۔“ عمر نے جذبے سے چور انداز میں کہا تھا۔

”کیا؟ تم نجح جاؤ میرے ہاتھ سے۔“ مومنہ چھپنی تھی تو دونوں بیٹ چھوٹ کے عمر کے پیر پہ لگے تھے عمر بلبلہ اٹھا تھا۔

صالحہ کی واپسی ہو گئی زندگی اب معمول کی ڈگر پہ چل نکلی تھی۔ طلال آفس جا چکا تھا۔ مرتبا، آنیہ کو سلا کے رقیہ بیگم کے پاس آکے بیٹھ گئی تھی۔

جمیدہ بی بھی کام نمٹا کے جا چکی تھیں۔ مرتبا نے کچن کا کام خود سن بھال لیا تھا کہ وہ یہ کام اب خود کیا کرے گی۔ مرتبا کی مدد کو جمیدہ بی کی بیٹی آ جایا کرتی تھی۔

”السلام علیکم!“ لاونچ میں ایک نسوائی آواز گونجی تھی۔ مرتبا سمیت رقیہ بیگم نے مڑ کے دیکھا تھا۔

”وعلیکم السلام! آؤ بھی۔ آج کیسے یاد آگئی بہن کی؟“ رقیہ بیگم سعدیہ کو دیکھ کے اٹھی تھیں جو رقیہ بیگم کی بہن تھیں۔ ایک شہر میں رہتی تھیں مگر آنا جانا سالوں بعد ہوتا تھا

کیونکہ جب دلوں کی کدورت توں کو دور نہ کیا جائے تو رشتہ ان کے بوجھ تلے دبتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر ایک دن ختم ہو جاتے ہیں۔

”السلام عليكم!“ منتها نے بھی سلام کیا تھا۔

”و عليكم السلام!“ سعدیہ بیگم نے کہتے ساتھ ایک تنقیدی نگاہ سے منتها کا جائزہ لیا تھا۔ منتها اس نظر پر گڑبرداگئی تھی۔

”منتها بیٹا! یہ میری چھوٹی بہن ہیں۔ شادی پہ نہیں آسکی تھیں تو اسلئے ملاقات نہیں ہو پائی۔“ رقیہ بیگم نے تعارف کروایا تھا۔ سعدیہ کا اٹھنا بیٹھنا اس طبقے سے تھا جو سو شل ورک کے نام پر کٹی پارٹیز میں مشغول رہتا ہے مگر حقیقی رشتہوں سے دور ہوتے ہیں۔

”یہ طلال کی بیوی ہے۔“ سعدیہ بیگم نے گلاسراٹار کے ٹیبل پر رکھے تھے۔ اس حوالے پر منتها کا دل دھڑکا تھا۔

وہ ایک بڑی عمر کی خاتون تھیں۔ چہرے پر میک اپ کی تھے چڑھار کھی تھی۔ مادران لباس میں ملوس وہ چہرے پر اپنا نیت کے ہر تاثر سے پاک بیٹھی تھیں۔

”ہاں ماشاء اللہ! جاؤ چند اکھانے پینے کا بندوبست کرو۔“ رقیہ بیگم نے منتها کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”جی!“ منتها کہہ کے اٹھ گئی تھی۔ تبھی حمیدہ بی کی بیٹی (آمنہ) جو لوگ بھگ انیس سال کی تھی وہ بھی آگئی تھی۔

منتها نے اسکے ہاتھ جو سکا گلاس لاونچ میں بھیجا تھا اور خود چائے کے ساتھ اہتمام کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ آمنہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ منتها آنسیہ کو ایک نظر دیکھنے کا سوچتی کچن سے نکلی تھی جب آواز اسکے کان میں پڑی تھی۔

”آپا! آپکو اس طلاق شدہ لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ملی تھی۔“ سعدیہ بیگم کے لمحے میں زہر ہی زہر تھا۔ منتہا نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔

”آخر یہ ٹھپا کب جان چھوڑے گا میری۔“ منتہا کرب سے آنکھیں پیچ گئی تھیں۔

”سعدیہ! طلال کی بھی یہ پہلی شادی ہرگز نہیں تھی۔“ رقیہ بیگم نے انکو جیسے یادداہی کروائی تھی۔

”تو کیا ہوا آپا؟ لڑکے چاہے چار شادیاں کر لیں اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لوگ ہنس کے اپنی بیٹی دے دیتے ہیں۔ آپ کو یہی طلاق یافہ دبو لڑکی ملی تھی۔“ سعدیہ بیگم تو جیسے منتہا کی تذلیل کا سوچ کے آئی تھیں۔

”تمہیں شروع سے میری سوچ کا پتہ ہے میں اس باتوں کو نہیں مانتی۔“ رقیہ بیگم کے لمحے میں اب ناراضگی تھی۔

”طلال کو تو آپ نے پریشر میں لے کے اسکی شادی کر دادی ہے۔ پتہ ہے مجھے۔ وہ صرف اپنی بیٹی کی وجہ سے اس شادی پہ مجبور ہوا تھا میری بات ہوئی ہے اس سے۔“ سعدیہ بیگم نے ایک اور بات کہہ کے باہر کھڑی منتہا کی ذات کی جیسے دھجیاں اڑادی تھیں۔

”کیا طلال دوسروں کے سامنے بھی یوں ہی میری ذات کی تذلیل کرتے ہیں۔ اللہ کیوں کیا میرے ساتھ یہ سب۔“ منتہا میں مزید سننے کا حوصلہ نہیں تھا اسلئے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اور باہر لان میں آ کے سانس لیا تھا۔ اندر کی فضائیں رویوں کی اتنی جس سیکھی کہ سانس رکنے لگا تھا۔

آکسیجن کی طرح فضائیں رویوں کی بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ کچھ رویے آکسیجن کا کام کرتے ہیں مثبت رویے

مگر منفی رویوں سے فضا اتنی بو جھل ہو جاتی ہے کہ ہم سانس نہیں لے پاتے۔ آجکل کی
فضا ہمارے منفی رویوں سے بو جھل ہوئی پڑی ہے۔

زور زور سے سانس لیتے ہوئے منتہا کے رخساروں پہ آنسوؤں کی دھاریاں لڑیوں کی
صورت میں پھسل رہی تھیں۔

وہ ہمیشہ اپنے خدا کے سامنے رویا کرتی تھی مگر آج وہ یوں سر عام رو رہی تھی۔ منتہا نے
اپنی سسکیوں کو روکنے کے لیے منہ پہ ہاتھ رکھا تھا۔

دل دھاڑیں مار مار کے رونے کو کر رہا تھا مگر اب بھی صبر لازمی تھا۔ ابھی آزمائش کی اور بھی
کڑیاں باقی تھیں۔ ابھی اور امتحان باقی تھے اسکے۔

کچھ دیر تک وہ خود پہ قابو پا چکی تھی مگر اب اندر ایک ویرانہ تھا۔ ایک جامد خاموشی۔ وہ
اندر کی طرف بڑھی تھی کیونکہ مہمان نوازی کے تقاضے بھی پورے کرنے تھے۔

کیسا معاشرہ ہے ہمارا؟

مردوں کا معاشرہ، یہ نام ہے ہمارے معاشرے کا۔ مرد چاہے جو مرضی کرے وہ ہر حال
میں پاکباز کہلانے گا مگر عورت جو اپنی پوری زندگی پھونک پھونک کے قدم اٹھاتی ہے ذرا
سے بھی لرزش پہ اس پہ تھتوں کے وار کر دیتے جاتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں طلاق یافتہ کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

چاہے یہ طلاق عورت نے مرد کی درندگی کی وجہ سے لی ہو۔ مرد توہراً الزام سے بری
الذمہ ہے وہ مرد جو ٹھہرا۔

طلاق یافتہ عورت کو تو ہمارے مشرقی معاشرے کی عورتیں بھی معاف نہیں کرتیں۔
”کیا ہوا مارتا ہی تھا۔ برداشت کر لیتیں۔ مرد جہاں مارتے ہیں پیار بھی تو کرتے ہیں۔“

”مرجاتی مگر طلاق جیسی کالک منہ پہ نہ تھوپتی۔“ ایک اور فتوی۔

”کیا ہوا جہیز ہی مانگا تھا نا۔ وہ کو نساکسی اور نے استعمال کرنا تھا خود کی بیٹی ہی نے کرنا تھا نا۔ اس میں لاچ کھاں سے آگیا۔ بیٹی کو طلاق دلوالی۔“
باپ کے قرضے میں ڈوبنے کا کسی کو احساس نہیں ہوتا۔

دوسری شادی اگر مرد کرے تو اسکو اس بات سے منسوب کر کے معتبر بنادیا جاتا ہے کہ اولاد کی دیکھ بھال اور پرورش کو شادی لازمی تھی۔
مگر دوسری طرف اگر عورت کرے تو اس پہ سو طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں۔
طلاق یافتہ عورت کو بھی خوش رہنا کا اتنا ہی حق ہے جتنا مرد کو ہے۔

مرد کی طلاق کو معاشرے میں اتنا میوب نہیں سمجھا جاتا جتنا عورت کو اس بات پر رگیدا جاتا ہے۔

ہماری ایک سب سے بڑی کمزوری ہماری سوچ ہے۔ ہم تصویر کا ایک رخ دیکھ کے فیصلے کرنے کے عادی لوگ ہیں۔ جن کا خمیازہ ہماری نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔
ہم فتوی اتنے لگاتے ہیں مگر کبھی ہم نے اسلامی تاریخ کے اور اق پڑھنے کی توفیق نہیں کی

کبھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی کے مبارک باب کو نہیں پڑھا۔

ہماری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مطلقہ اور بیوہ سے شادی کر کے اس د قیانوس نظر یے کو جڑ سے ختم کیا ہے۔

آج عمر مومنہ کو کالج سے واپسی پہ لینے گیا تھا۔ عمر کو وہ گیٹ پہ کھڑی کسی لڑکے سے بات کرتے نظر آئی تھی۔ ساتھ ہی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ عمر کا رنگ تیزی سے بدلا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ باہر نکل کے کسی کو تشدید کا نشانہ بناتا مومنہ اسکو دیکھ چکی تھی اور ان کو الوداعیہ کلمات کہتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

”کون تھا وہ؟“ عمر نے زہریلے لبھ میں پوچھت ہوئے اس جگہ دیکھا جہاں وہاں کچھ دیر پہلے کھڑا تھا مگر اب وہ جگہ خالی تھی۔

”تم سے مطلب۔ بس شروع ہو جایا کرو ہر بات پہ۔ مومنہ یہ نہ کرو، مومنہ وہ نہ کرو۔“ مومنہ چڑھی تھی۔

”فی الحال مومنہ فضول بکواس نہ کرو جو پوچھا ہے اسکا سیدھا جواب دو۔“ عمر کا لبھ سخت تھا۔

”عمر! تم مجھ پہ شک کر رہے ہو۔“ مومنہ کی آنکھیں ایک پل میں نم ہوئی تھیں۔

”مومنہ! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔“ عمر ایک پل میں نرم پڑتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

”میری دوست کا بھائی تھا۔ میرے بڑے بھائی جیسا ہے۔ اس سے بھی نہ ملوں۔ تم چاہتے کیا ہو؟ علی سے بات کروں تمہیں تب بھی اعتراض۔ یہاں بھی اب شروع ہو گئے ہو۔ اب میں اتنی بھی پچھی نہیں ہوں۔ ”momne تو پھٹ پڑی تھی۔

”momne! علی بھائی۔ ” عمر نے آنکھیں نکال کے اسکی تصیح کی تھی۔

”نہیں کہوں گی میں بھائی علی، علی! ”momne بھی ضدی ہوئی تھی۔

”اگر تم چاہتی ہو کہ ہم زندہ وسلامت گھر پہنچیں تو علی نہیں علی بھائی بولو۔ ” عمر کی آنکھیں میں بھی جنون اتر اتھا۔

”مجھے ابھی مرننا نہیں ہے۔ مجھے جینا ہے۔ ”momne نے دہل کے کہا تھا۔

”تو میں اکیلا مر جاتا ہوں۔ تم کہتی رہنا علی، علی۔ عمر سے جان چھوٹ جائے گی تمہاری۔ ” ”عمر آج نجانے کس موڑ میں تھا۔

”عمر بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ”momne کا دل دہلا تھا۔ اسے عمر کو گھورتے ہوئے نہ صرف کہا تھا، ساتھ ہی اسکے تو انابازوپہ ایک مکا بھی مارا تھا۔

”ہاں تو سہی کہہ رہا ہوں تمہیں میں ہی برالگتا ہوں۔ ” ”عمر نے روٹھے لبھے میں کہا تھا۔

”تمہیں کس نے کہہ دیا تم مجھے برے لگتے ہو؟ ”momne سدا کی بھولی اپنا غصہ بھول چکی تھی۔

”تو کیا پیارالگتا ہوں؟ ” ”عمر نے اسکا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”تھوڑے سے! ”momne نے احسان کیا تھا گویا۔

”کوئی نہیں سارا بھی لگنے لگ جاؤں گا۔ ” ”عمر نے اسکو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”عمر!“ مومنہ نے اسکو پکارا تھا۔

”جی! عمر کی چڑیل۔“ عمر کے لبھ میں عزت ہی عزت تھی۔ چاہے کتنا ہی وہ لڑ لیں مگر انکا ایک دوسرے کے بغیر گزارہ بھی نہیں تھا۔

”تم بہت فضول بولنے لگ گئے ہو۔ آئندہ ایسی فضول بکواس مت کرنا، مجھے تمہاری بالتوں سے ڈر لگنے لگ گیا ہے۔“ مومنہ ابھی بھی اسکی بات کے زیر اثر تھی۔

”مومنہ! تم تو دل پہ ہی لے گئی ہو بات۔ اچھا چھوڑو۔ ویسے تمہارے کالج کے باہر یوں لگتا ہے کہ پریاں اتر آئی ہیں۔“ عمر نے جس انداز میں کہا تھا مومنہ کی چھوٹی سے ناک غصے سے پھول گئی تھی۔

”عمر! تم کبھی سدھر نہیں سکتے۔ جاؤ ان پریوں کے پاس۔“ مومنہ کچھ دیر پہلی والی نرمی بھلا چکی تھی۔

”کل پکا انکے پاس جاؤں گا۔ اب تو وہ گھر چلی گئی ہوں گی۔“ عمر اسے چڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔

”اللہ کرے تمہیں توجنت میں بھی کوئی حور پری نہ ملے۔“ مومنہ کا غصہ کسی صورت کم نہ ہوا تھا۔

”تو مجھے چاہیے بھی نہیں بس جنت مل جائے۔“ قول شاعر:-

جنت قبول ہے حوروں کو چھوڑ کر
میں اپنی حور دنیا سے لے کر جاؤں گا

عمر نے مومنہ کا چہرہ تکتے ہوئے کہا تھا جہاں غصہ ہی غصہ تھا۔
”مجھے اپنی حور کے قصے سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر کیوں نہیں آ رہا۔“ مومنہ بری
طرح چڑی تھی، کھولن اتارنے کو اب اونچا اونچا بولی تھی۔
”نه جلا کرو پہلے ہی رنگ کالا ہے۔“ عمر نے چوٹ کی تھی۔
”عمر میرے منہ نہ لگو تم۔“ مومنہ نے اسکو وارن کیا تھا۔
”کسی اور کے لگوں تب بھی تمہیں ہی مسئلہ ہونا ہے۔“ عمر نے اسکے من موہنے حسن
سے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

”مجھے ذرا برابر پرواہ نہیں۔“ مومنہ نے صاف کہا تھا۔
”مومنہ بی بی! اتنے بڑے بول نہ بولو۔“ عمر نے کہا تھا۔
”خبردار! جو مجھے بی بی کہا۔ زہر لگتے ہو بی بی کہتے ہوئے۔“ مومنہ نے زہر خند لجھے میں کہا
تھا۔
”اچھا کیا کہا کروں ہنی یا شونا۔“ عمر نے ہنسنے ہستے ہوئے اجازت چاہی تھی۔
”ہنی! مجھے علی کہتا ہے۔“ مومنہ نے جلدی سے کہا تھا مگر غلطی کا احساس تب ہوا جب
گاڑی ایک زور دار جھٹکے سے روکی تھی۔
”اس علی کا خون میرا ہاتھوں لکھا گیا ہے۔ مگر مومنہ اب اگر تمہارے منہ سے میں علی سنا
تو تمہارا گلاد بانے میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔ سن لو تم میری بات اچھی طرح اور
میرے چہرے کو بھی غور سے دیکھ لو میں مذاق ہرگز نہیں کر رہا۔ اب آواز نہ آئے
تمہاری۔“ عمر غرایا تھا۔

مومنہ نے اب چپ رہنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔ اسکے رویے نے مومنہ کو الجھا کے
رکھ دیا تھا۔

طلال گھر آیا تو خاموشی نے اسکا استقبال کیا تھا۔ یہ خاموشی اسکو بری طرح کھلی تھی۔ ابھی تو وہ ان رونقون کو انجوائے بھی نہیں کر پایا تھا تو چھایا سنٹا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

رقیہ بیگم بھی لاونچ میں نظر نہ آئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں گیا تو کمرہ بھی خالی منہ چڑارہ تھا۔ جس کے وجود سے آجھل کمرہ آباد تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ موبائل، گاڑی کی چابی اور فانلز بیڈ پر رکھتا رقیہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ رقیہ بیگم بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

”السلام علیکم!“ طلال نے سلام کیا تھا۔
”وعلیکم السلام! آگئے تم؟“ رقیہ بیگم نے اداس لبھ میں کہا تھا۔
”جی! آنیہ کدھر ہے؟“ طلال نے بالآخر پوچھ لیا تھا۔

”اسکو عاصمہ لے کے گئی ہے۔“ رقیہ بیگم نے بتایا تھا۔
”آپکی بہو میڈم کدھر ہیں؟“ طلال نے شرط کی آستینیں فوکڈ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔
کب سے دل میں پلتا سوال زبان پر آگیا تھا۔
”ادھر ہی ہو گی اس بیچاری نے کہاں جانا ہے۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔
”اماں وہ بیچاری کس طرح سے ہو گئی ہیں؟“ طلال کو یہ لفظ سخت چھبا تھا۔
”بیچاری ہی ہے۔ اسکی قسمت امتحان پر امتحان جو لیتی ہے۔“ رقیہ بیگم کو منہا کے چہرے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سب باتیں سن چکی ہے۔
”اماں! آپ کھل کے بات کریں۔ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔“ طلال نے پوچھا تھا۔

”تمہاری خالہ سعدیہ آئی تھیں۔“ رقیہ بیگم بولی تھیں۔

”ان کو ہماری یاد کیسے آگئی؟ آپکے بلاوے پہ تو آنہیں سکی تھیں وہ کیونکہ کٹی پارٹی میں مصروف تھیں۔“ طلال استہزا تھا۔

”آجکل کے رشتے ایسے ہی ہو گئے ہیں بیٹا مطلب کے۔“ رقیہ بیگم نے دکھی لبھے میں کہا تھا۔

”سعدیہ خالہ اور منہا کی قسمت اور امتحان کا ذکر جو آپ نے ابھی کیا آپس میں کیا تعلق ہے؟“ طلال کی سوئی وہی انکلی تھی۔

”انہیں تمہاری دوسری شادی پہ اعتراض ہے۔“ رقیہ بیگم نے کہا۔

”وہ تو مجھے بھی تھا مگر اب ہو چکی ہے۔“ طلال نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

”اسے طلاق یافتہ سے تمہاری شادی پہ بھی اعتراض ہے۔“ رقیہ بیگم نے بیٹی کو نیکھے چتونوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”اس بات سے انکا کیا تعلق۔“ طلال نے اب سرد لبھے میں کہا تھا۔

”جس تعلق سے آپ نے فون کر کے ان سے اپنے دل کے پھپھو لے پھوڑتھے۔“ رقیہ بیگم نے اب بیٹی کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ انکو کام تھا مجھ سے کوئی تب باتوں میں انکے پوچھنے پہ میں محض سر سری سا ذکر کیا تھا۔“ طلال نے ماں کی شاکی نظروں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”کسی بھی عورت کو اپنی ذات کی نفی بری طرح چھپتی ہے بلکہ ہر انسان کو۔ انسان کو اپنے خیالات یا محسوسات کا ذکر کسی بات کے لحاظ سے ایسے انسان سے کرنا چاہیے جو پر دھر کھنا

جانتا ہو۔ مگر آپ نے تو اپنے شاہانہ خیالات کا اظہار ایسی انسان سے کیا جو پیٹ کی خاصی ہلکی ثابت ہوئی ہیں۔ ”رقیہ بیگم نے بیٹے کو گھورتے ہوئے گھر میں خاموشی کی وجہ بتائی تھی۔

”تو کیا منتهی سب سن چکی ہے؟“ طلال کے لمحے میں ایک پل کو افسوس ابھرا تھا۔
”جب باتوں کو اعلانیہ کہا جائے گا تو کوئی بہرہ ہی ہو گا جونہ سنے گا۔“ رقیہ بیگم نے تاسف سے کہا تھا۔

”اسکو اس گھر میں ہر چیز میسر ہے تو بلا وجہ کسی کی بات کو دل پہ لینا یوں توفی ہے۔ وہ اپنی ذات کو ڈینقیڈ کر سکتی تھی۔ وہ اپنی توجہ تو نہیں جو سب سن کے چپ رہی۔“ طلال نے غصے سے کہا تھا۔

”اعتماد اور مان نہیں میسر اک رشتے کا۔ جس دن وہ ملا تو زبان کیا انداز سے بھی اپنی ذات کا دفاع کرنا سیکھ جائے گی۔“ رقیہ نے بیٹے کو لتاڑا تھا۔ اب کے طلال خاموش رہا تھا۔ وہ کسی گھری سوچ میں تھا۔

”دیکھو بیٹا میں نے ایک عمر گزاری ہے۔ مجھے لوگوں کی پہچان ہے۔ تم لاکھ اچھے بزنس میں سہی مگر تم دماغ سے سوچتے ہو اور میرا دل بھی کام کرتا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے لیے بہترین کا انتخاب کیا ہے۔ وہ ہیرا ہے۔ مت کرو اپنے اور اسکے ساتھ زیادتی۔ وہ بے حد معصوم ہے۔“ رقیہ بیگم نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ فکر نہ کریں وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں دیکھتا ہوں کس کو نہ میں آنسو بہار ہی ہے؟ آنسو بہانے سے بہتر تھامنہ سے کچھ بول لیتی تو یہ نوبت نہ آتی۔“ وہ ماں کو کہتے اٹھا تھا۔

”میں نے پہلے بھی کہا ہے پھر کہہ رہی ہوں جس دن اسے اپنی ذات اور رشتہ کامان سونپ دو گے اسے بولنا آجائے گا۔ اسکا اعتماد اسکے ساتھ ہونے والے واقعہ اور دنیا والوں کی زبان کی وجہ سے ٹوٹ چکا ہے۔“ رقیہ بیگم نے بیٹے کو پھر کہا تھا۔

”خبردار جو اسکو ڈالنا بھی تو۔“ رقیہ بیگم نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔

”میری اتنی مجال۔“ طلال نے ماں کو کہتے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

منتها اور مومنہ اس وقت چھت پہ بیٹھی ہوئی تھیں اور وہ اندر ہیرائی میں ناجانے کیا کھو ج رہی تھیں۔ رینگ سے نیچے جانکھیں تورو شنیاں جگمگاتی نظر آ رہی تھیں اور آسمان سے چاند اور ستارے پوری آب و تاب سے جگگار ہے تھے۔

”چجی یہ محبت کیا ہوتی ہے۔“ مومنہ نے چاند کو تکتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ سوال کہاں سے آگیا نیچ میں؟“ منتها ہولے سے ہنسی تھی۔ یہ پورے دن کی دوسری ہنسی تھی ایک باروہ آنیہ کو دیکھ کے مسکرائی تھی۔

”آ جکل یہ بات ہمارے ارد گرد کافی پائی جاتی ہے تبھی پوچھا ہے۔“ مومنہ نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

”کہتے ہیں محبت اک رمز ہے۔ ایک اشارہ جو روح کو ملتا ہے۔ ایک مہم اشارہ۔ محبت سر اپا پا کیزگی ہوتی ہے۔ میں ایک پاکیزہ محبت کی بات کر رہی ہوں۔ یہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ اسکا کسی کسی پہ نزول ہوتا ہے اور وہ لوگ خوش قسمتوں کے زمرے میں آتے ہیں۔“ منتها نے لفظ محبت پہ کہا تھا۔

”چاہے جانے کا احساس اچھا ہے۔ ہر ایک کی آرزو ہوتی ہے ناچاہے جانے کی۔“ مومنہ کے لمحے میں خالی پن تھا۔

”یہ چاہے جانے کی آزو انسان کو قید کر دیتی ہے۔ اس آرزو سے انسان کو آزاد ہونا چاہیے۔ اس قید میں انسان کہیں کا نہیں رہتا۔ اس قید میں زندگی تنگ پڑ جاتی ہے۔“ منہا نے بچ کہا تھا۔

”محبت اور چاہے جانے کی آرزو کی گنجائش ہی نہیں نکلتی اب زندگی میں۔ اب تو سانس بھی لیتے ہیں تو گھٹن ہی محسوس ہوتی ہے۔ بس ایک خدا ہے جس کے سامنے جھک کے سکون دل میں اترتا ہے۔ جو کسی بات پر طعنے نہیں دیتا۔ اسکے سامنے جتنا مرضی رو لیں وہ بھرم نہیں توڑتا۔ ورنہ تو لوگ دوسروں کی ذات کامان رکھنا بھول گئے ہیں کسی کے وجود کی نفی اور تذلیل میں ایک لمحہ نہیں لگاتے۔ یہ جانے بغیر کے مقابل کس آزمائشوں سے گزر آہے۔“ منہتا کا حرف حرف پچھے کھڑے طلال نے سنا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی طلال والپس مڑا تھا۔

منہتا کا موڈا ب تھوڑا بہتر ہوا تھا۔ غبار نکلا تھا تو کچھ من ہلکا ہوا تھا۔ وہ دونوں نیچے آئی تھیں گھٹری رات کے دس بجاء ہی تھی۔ منہتا کو ایک دم سے اپنی لاپرواہی کا احساس ہوا تھا۔ مومنہ تو اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی تھی مگر منہتا شرمندہ سی رقیہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

”آئی ایم سوری وقت کا پتہ نہیں چلا۔ آپ نے دوائی لے لی ہے؟“ منہتا نے رقیہ بیگم سے آکے کہا تھا جواب سونے کی تیاری میں تھیں۔

”ہاں بیٹا! سوری کیوں کر رہی ہو میں سمجھ سکتی ہوں۔ معدرت تو مجھے کرنی چاہیے۔“ رقیہ بیگم نے بہو کا پریشان چہرہ دیکھ کے کہا تھا۔

”آنٹی پیز! آپ معدرت کر کے مجھے گناہ گار کر رہی ہیں۔ جو ہوا سو ہوا مجھے اب خود کو اس بات کا عادی بنالینا چاہیے۔“ منتہا کی ہنسی میں ایک اذیت تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ تم اچھا اچھا سوچو اور جاؤ کمرے میں طلال کب کا آگیا ہے۔ آنیہ کو بھی لے آیا ہے۔“ رقیہ بیگم نے بہو کو کہا تھا۔

”جی اچھا!“ منتہا کے دل پہ ایک اور بوجھ آن گرا تھا۔ وہ طلال کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر آنیہ کی وجہ سے مجبوری تھی۔

منتہا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر داخل ہوئی تھی۔ طلال اور آنیہ دونوں بیڈ پہ لیٹے رازو نیاز میں مصروف تھے۔

منتہا اندر آئی مگر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تھا۔ منتہا کا دل دکھا تھا۔

”کھانا لاوں؟“ منتہا نے اپنا فرض نبھایا تھا۔

”کھا چکا ہوں۔ آپ اپنی ایکلیویٹر ز میں مصروف رہیں۔“ طلال نے نشانہ کساتھا۔

”مجھے آپ کے آنے کا پتہ نہیں چلا۔“ منتہا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا تھا۔

”میں نے آپ سے کوئی شکوہ بھی نہیں کیا۔ آپکو تو اور بھی بہت سے باتوں کا علم نہیں ہے۔“ طلال نے اسکو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”اس میں ہی بھلانی ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی آگاہی جان لیوا ہوتی ہے۔“ منتہا نے بھی تیکھے انداز سے کہا تھا۔

”بے خبری بھی جان لیوا، ہی ثابت ہوتی ہے۔ آگاہی ہو تو انسان کم از کم آنے والے حالات پہ بند باندھنے کو احتیاطی تدبیر تو کئے رکھتا ہے۔“ طلال نے اسکو باور کرواتے کہا تھا۔

”جتنی آگاہی مجھے آج میری ذات کے بارے میں مل گئی ہے اتنی ہی کافی ہے۔“ منتها نے طلال کو ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا تھا اور آنیہ کی طرف بڑھی تھی۔

”میں اپنی طرف سے تو آپکی لاپرواہی ناراضگی سمجھ لیتا ہوں مگر آپ اپنی بیٹی سے بھی لاپرواہ ہو رہی ہیں۔“ طلال نے منتها کو دیکھ کے کہا تھا۔ منتها کو اب پہلی بار خود پہ بے پناہ غصہ اور شدید رونا آیا تھا۔

وہ کیسے بھول گئی تھی کہ آنیہ کو بخار تھا۔ اب جب آنیہ کو ہاتھ لگایا تو شام سے زیادہ گرم تھی منتها کے ہاتھ پاؤں پھولے تھے۔

”طلال اسکو تو بہت زیادہ بخار ہے۔ میں نے شام میں ہی سب کو کہا تھا کہ اسکو ڈاکٹر کے ہاں لے جاتے ہیں مگر کوئی نہیں مانا تھا۔“ منتها کی آواز بھاری ہوئی تھی۔
منتها نے غنوڈگی میں جاتی آنیہ کو ہلا کیا تھا۔

”آنیہ! ممکا بچہ سوری میری جان۔ مماسے بات کرو۔“ منتها اسکو غنوڈگی میں جاتی دیکھ کے مزید ڈر گئی تھی۔

”طلال! آپ سن کیوں نہیں رہے۔ اسکو ڈاکٹر کے پاس لے کے چلیں۔“ یہی تک تھیں منتها کی برداشت اور وہ رونا شروع ہو چکی تھی۔

”آج کا دن تو قیامت کی طرح گزر رہے
جانے کیا بات تھی ہربات پہ رونا آیا۔“

طلال کا اس کی حالت دل کٹا تھا۔

”منتہا اسٹاپ کرائیں گے۔ موسمی بخار ہے۔ تم نے جو سیر پر دیا تھا اس سے ٹھیک ہو جائے گی۔ میری ڈاکٹر سے بھی بات ہو چکی ہے۔“ طلال بیڈ سے اتر کے دوسرے طرف آیا تھا جہاں منتہا بیٹھی تھی۔ منتہا نے ایک نظر اٹھا کے طلال کو دیکھا تھا۔

”پکا! ٹرست می۔“ طلال نے منتہا کی نظر و کام مطلب سمجھتے ہوئے اسکو کہا تھا۔

”جو کچھ آج دوپھر میں ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آپ اس زبان کا استعمال کر سکتی تھیں آپ کو میری طرف سے اجازت ہے۔“ طلال نے دو منٹ بعد بات کا آغاز کیا تھا۔

”میں اس پہ بات نہیں کرنا چاہتی۔“ منتہا نے آنیہ کے بال میں ہاتھ پھیرتے ہوئے صاف کہا تھا۔

”یہ زبان بس میرے سامنے ہی چلتی ہے۔ آپ کی ساس تو آپ کو اللہ میاں کی گائے سمجھتی ہیں۔“ طلال نے بات کو مزید بڑھایا تھا۔

”آپ کو بھی شادی سے پہلے ایسی ہی لگتی تھی۔“ منتہا نے سعدیہ بیگم کی بات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

”مجھے تواب بھی لگتی ہیں۔“ طلال کا جواب فوراً حاضر تھا۔ منتہا تپ اٹھی تھی۔

”طلال! کیا چاہتے ہیں آپ؟“ منتہا چوہے بلی کے کھیل سے تنگ آچکی تھی اسلئے میدان میں اتری تھی۔

”میں بہت کچھ چاہتا ہوں مگر فی الحال آپ سننا افورڈ نہیں کر سکتی۔“ طلال نے اسکے سرخ پڑتے رنگ پہ چوٹ کی تھی۔

”کہیں آپ نے جو کہنا ہے میں ابھی اتنی بھی کمزور نہیں ہوئی۔“ منتها نے کہا تھا۔

”منتها بی آپکی طاقت کا مجھے اچھا خاصا اندازہ ہے مگر وہ آپکو ہرگز نہیں ہے ابھی۔ اور جتنی آپ مضبوط دل کی ہیں اسکی خبر ہے مجھے۔ آنیہ رونے لگ جائے تو آپ کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔“ طلال بیوی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا تھا۔

”بس یہی طعنہ دے دے کے آپ نے میری جان لے لینی ہے۔“ منتها کو غصہ آیا تھا، وہ کہتے ہوئے اٹھی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتی طلال کی راستے میں آئی ٹانگ سے ٹکڑائی اس سے پہلے کہ زمین بوس ہوتی اسنے طلال کا سہارا لیا تھا۔

”دھیان سے یار! ایک ہی میری بیوی ہے ابھی۔“ طلال نے جس انداز میں کہا تھا منتها نے اپنا سر اٹھایا کے اسکو دیکھا تھا۔ طلال کے بازوں کو منتها نے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا کہی گر نہ جائے۔

”کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟“ منتها کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

”یہی کہ اللہ میاں کی گائے ہیں آپ۔“ طلال کا لہجہ لودیتا تھا۔

”آپ اب مجھے تنگ کر رہے ہیں۔“ منتها نے اب کے شکوہ کیا تھا۔

”آپکو تنگ رکھنے کا حق رکھتا ہوں۔“ طلال نے اسکے صیبح چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ حق آپ بخوبی پورا کر رہے ہیں۔ کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ منتها نے کہتے ہوئے پیچھے ہٹنا چاہا تھا مگر اب مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔

طلال نے اسکو بازو سے پکڑ کے پاس ہی بیٹھا لیا تھا۔

”بہت شکوے اکٹھے کئے ہوئے ہیں۔ میں بس یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کتنی بہادر ہیں وہی دیکھ رہا ہوں۔ ”طلال نے اسکولو دیتی نظرؤں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی یا پھر کسی ترس کے چکر میں آپ نرمی سے بات کر رہے ہیں۔ میں ماہوش نہیں ہوں۔ ”منتہا نے کہا تھا مگر اسکا کہنا غصب ہوا تھا۔

”منتہا سونچ سمجھ کے بولا کریں۔ فضول کی بکواس مجھے قطعاً پسند نہیں ہے۔ ”طلال اسکو خونخوار نظرؤں سے گھورتا کمرے سے نکل گیا تھا پچھے زوردار آواز میں دروازہ بند ہوا تو منتہا اچھل کے رہ گئی تھی۔

منتہا اپنی بیوی تو فی پہ افسوس ہی کر سکتی تھی اب۔

قطع 12

اگلے دن طلال صبح منتہا کے جانے سے پہلے ہی آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ آنیہ کا بخاراب اتراء ہوا تھا بس تھوڑی چڑچڑی ہوئی ہوئی تھی۔

منتہا دوپہر کا کھانا بنارہی تھی جب فون بجا تھا جو اسے ایک ہفتہ پہلے ہی طلال لا کے دے چکا تھا۔

منتہا کو ان سب میں نہ اتنی دلچسپی تھی نہ ہی وقت ملا تھا کہ وہ سب کے نمبر سیو کر لیتی فون اٹھایا تھا۔ دھیان سارا چو لہے پہ پکتے اچار گوشت میں تھا۔

”ہیلو! جی کون؟ ”منتہا نے مگن سے انداز میں کہا تھا۔

”طلال وجہت! جو ایک ماہ پہلے آپکا شوہر بنتا ہے۔ ”طلال کی سرد برف سی آواز منتہا کے کانوں میں پڑی تھی۔

”وہ مم۔۔۔ میں دراصل۔۔۔ ”منتہا منمنائی تھی۔

”مماfon نہیں اٹھا رہیں۔ اسلئے آپ کے سیل پہ کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر ہو سکے تو اس تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔ ”طلال کا لمحہ ہر قسم کی نرمی سے خالی تھی۔

”وہ مم۔۔ میں کل میرا مطلب ہے جو کل رات بات۔۔۔“ منتها کوشش سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اسلئے بات کرنی چاہ رہی تھی۔

”مجھے کسی بارے میں کوئی بات نہیں کرنی مسز منتها طلال وجاہت۔“ طلال نے دھاڑتے ہوئے اسکی بات کائی تھی۔ منتها کا دل اس لب و لمحے میں دھلا تھا۔

”اگر آپ کے پاس وقت ہے دو منٹ تو میری بات سن لیں ورنہ فون رکھتا ہوں۔“ طلال کا ذہن خند لمحہ گو نجا تھا۔

”بولیں!“ منتها نے اس بار اتنا کہنے پہ ہی اکتفا کیا تھا۔

”میرے ایک کولیگ ہیں جو گھر کا کھانا کھاتے ہیں میری انکے ساتھ میٹنگ ہیں وہ گھر پہ آئیں گے۔ اگر تکلف نہ ہو تو کچھ تیار کر کے رکھ دیجئے گا۔ آپ کا یہ احسان میں جلد چکا دوں گا۔“ طلال نے خود پہ ضبط کرتے ہوئے بات کی تھی۔ مرزا صاحب کی اس فرماں شپہ وہ سلگا تھا بہت۔

مرزا صاحب اسکے آفیشل لائر تھے جو انکے سب لیگل ایشووز کو پہنڈل کرتے تھے۔ وہ ایک ادھیر عمر آدمی تھے طلال کے ساتھ انکے اچھے تعلقات تھے۔ طلال بھی انکی عزت کرتا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ان سے ضروری میٹنگ کرنی تھی تو طلال نے انکو کال کی تھی جس پہ انکی یہ فرماں ش تھی۔

”برخوردار! آج ہمارا مینگ کا ارادہ آپکے گھر پہ ہے۔ اسی بہانے پنج بھی کر لیں گے۔ باہر کے کھانوں کا تو میں شوق نہیں ہوں۔ نہ ہی مجھے ہضم ہوتے ہیں۔“ مرزا صاحب کی فرمائش پہ طلال دل موس کے رہ گیا تھا۔

”گھروالی مجھے پتا نہیں کیسے ہضم کر رہی ہے۔“ طلال سوچ کے رہ گیا تھا۔
حامی بھرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

”ٹھیک! میں انتظام کر لوں گی۔“ منتها نے اس سر پھرے کو کہا تھا۔

”ٹھیک ہے میں بھی احسان چکا دوں گا۔“ طلال کی پھروہی رٹ تھی۔

”میرے خیال میں اب کام ہی بات ہو چکی ہے۔“ منتها نے بھی اب طیش سے کہا تھا۔ جس کا صاف مطلب تھا، مزید کوئی بات کرنے کا فائدہ نہیں فون بند کیا جائے۔“

طلال اسکی بات مطلب سمجھ کے مزید غصے میں آگیا تھا اور کھٹاک سے فون بند کیا تھا۔

”منتها!“ وہ دانت پیستے ہوئے بولا تھا اور موبائل سامنے ٹیبل پہ پڑھنے والے انداز میں رکھا تھا۔

منتها کو بھی غصہ آیا تھا۔ وہ اس سے بات پہ معافی مانگنا چاہ رہی تھی مگر اس انسان نے بات کا ذکر نہ ہونے دیا تھا۔

منتها نے اب سب سے پہلے مومنہ کو بلایا تھا۔ بھی اب بھڑاس نکالنے کو کوئی تو ملے جس سے باتیں کر کے انسان ہلاکا ہو سکے۔

رقبہ بیگم کو دوپھر میں کھانا جلدی کھانا ہوتا تھا کیونکہ انکی دوائی کا وقت ہو جاتا تھا۔ انکو کھانا اور دوائی دے کر آرام کرنے کا بولتی وہ آنسیہ کو چینچ کر داچکی تھی۔ آنسیہ کو عمیرہ لے گئی تھی۔ اب منتها میٹھا بنانے میں مصروف تھی۔ سالن وہ بننا چکی تھی۔ روٹی مہمان کے آنے پہ بنانے کا ارادہ تھا۔ کباب تو فرنچ میں فریزر کے تھے۔

مٹن کا سالن بھی وہ چڑھا چکی تھی۔ سلااد کاؤپار ٹمنٹ مومنہ نے سن بھال لیا تھا۔
تبھی عمر کی آمد ہوئی تھی۔ مومنہ کام سے کچن سے باہر جا رہی تھی اور عمر اندر آ رہا تھا۔
اس دن والی بحث کے بعد اب سامنا ہو رہا تھا۔ دونوں کو گلتا تھا کہ دوسرے کی غلطی ہے تو
وہ ہی بات کرے پہلے۔ دونوں ایک پل کو آ منے سامنے رکے تھے۔ تصادم جان دار تھا۔

تیری نارا ضنگی واجب ہے
میں خود سے بھی خوش نہیں ہوں آجھل
آنکھیں گفتگو کر رہی تھیں۔ لبوں پہ قفل پڑے تھے۔ دل پھر پھر اڑا تھا آواز سننے کو۔ یہ
رفاقت کے لمحے مزید طول پکڑتے تبھی فسوں ٹوٹا تھا۔
دونوں کو اس دن والا واقعہ یاد آیا تھا۔ اپنے اپنے احساسات کے مجروح ہونے پہ وہ بلبلہ
اٹھے تھے۔

دونوں بیک وقت ایک دوسروں کو ”او نہہ!“ کہتے منہ دوسری طرف کرتے
مخالف سمت چلے گئے تھے۔
”بڑی خوبیوں نے ڈیرہ جمایا ہوا ہے آپکے کچن میں چھی۔“ عمر نے منتہا سے کہا تھا۔
”یہ کمپلینٹ پکتی ڈشرز پہ تھا یا کچن سے جاتی فریگرنس پہ تھا۔“ منتہا نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔
”اس پہ کمپلینٹ دینے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔“ عمر نے تپے ہوئے لبھ میں کہا تھا۔

”مجھے کسی سے لینے کا بھی کوئی شوق نہیں ہے۔“ اندر آتی مومنہ نے بھی جواب دیا تھا۔
لفظ ”کسی“ عمر محسن کے دل پہ لگا تھا۔

”یہ کسی کس کو بولا ہے؟“ عمر نے تیکھے چتونوں سے چڑھائی کی تھی۔
”مسٹر! آپکو ہی بولا ہے۔“ مومنہ نے ناک منه بگاڑتے ہوئے کہا تھا۔

”تم تو مجھ سے بات نہ کرو میرا دماغ ٹھکانے پہ نہیں ہے۔ تمہاری الٰہی سیدھی باتوں سے میرا دماغ مزید خراب ہو رہا ہے جو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہو گا۔“ عمر کو مومنہ کا کسی کہہ کر مخاطب کرنا تیر کی طرح لگا تھا۔

”تمہارا دماغ ہمیشہ کا خراب ہے۔ کوئی نئی بات کرو“ مومنہ نے سلااد کی پلیٹ فرنچ میں رکھتے کہا تھا۔

”چجی! اسکو چپ کروالیں۔ بہت زبان چلتی ہے اسکی۔“ عمر نے اب منتہا سے کہا تھا۔

”تم دونوں کی اب مجھے آوازنہ آئے۔ حد کرتے ہو تم دونوں۔ ایک تم لوگوں کے چاچوں نے میرا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔“ منتہا نے اپنارونارو یا تھا۔ دونوں ہنس پڑے تھے۔

”اب کیا کہہ دیا ہمارے چاچوںے؟“ عمر نے ٹیبل پہ پڑی ٹوکری میں سے ایک کیلا اچک کر کھاتے ہوئے کہا تھا۔ ساتھ میں مومنہ کی گھوری کو اگنور مارا تھا۔

”وہ نہ کہتے ہوئے بھی، بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔ اب فون کر کے فرمان نامہ جاری کر دیا ہے مگر مجال ہے جو بتایا ہو کہ کب گھر آنا ہے۔ اس آدمی نے مجھے سہی دن میں تارے دیکھانے شروع کئے ہوئے ہیں۔“ منتہا نے بھڑاس نکالی تھی۔

”تو مس کیا جا رہا ہے خاوند کو، کال کر کے پوچھ لیں ناں کب تک آنا ہے؟“ عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں! ساری ٹپس اس سے لے لیں۔ سب پتہ اسکو۔“ مومنہ نے رائستہ بناتے ہوئے بات میں حصہ لیا تھا۔

”تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو مس مومنہ اکرام۔ چجی آپ کال کریں۔“ عمر نے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں تاکہ چار باتیں اور سنادیں مجھے۔ منتها طلال وجاہت آپ کی جان کو سکون کیوں نہیں ہے۔ جتنا کہا گیا ہے اتنا کیا کریں۔“ منتها نے طلال کی نقل اتارتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاہاہا! پچھی آثار کچھ ٹھیک نظر نہیں آرہے۔ آپ بھی انکے رنگ میں رنگنے لگی ہیں۔“ مومنہ نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں! پوچھ کے دیکھ لینا زمانے کی ساری برا ایساں مجھ میں گنوادیں گے۔ میری جیسی بیوی انکا آئیڈیل نہیں تھی ویسے۔“ آخری بات پہ منتها کی آواز عجیب ہوئی تھی۔

”اف! کیا فضول سوچتی ہیں آپ۔“ مومنہ نے منتها کو ٹوکا تھا۔

”لیں! لگتا ہے آپکے شوہر نامدار آگئے ہیں ہارن تو انکی گاڑی کا ہی ہے۔“ عمر نے باہر سے آتی آواز پہ کہا تھا۔

”تم کھانا کھا کے جانا۔“ منتها نے عمر کو اٹھتے دیکھا تھا تو کہا تھا۔

”آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟ یہ کہیں نہیں جاتا۔“ مومنہ نے ہستے ہوئے منتها کو کہا تھا۔

”مومنہ!“ عمر دانت پیس کے رہ گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ منتها کچھ کہتی طلال نے کچن میں جھانکا تھا۔ منتها چو لہے کے سامنے کھڑی تھی لائٹ پیچ کلر کا سوت پہننا ہوا تھا۔ بالوں کی چڈیا پشت پہ گر ار کھی تھی۔ طلال کی آنکھیں ایک پل کو بھکلی تھیں۔ تبھی ایک بار عرب دل کو دھڑکا دینے والی آواز گو نجی تھی۔

”السلام علیکم! چائے بناؤ کر ڈرامینگ روم میں بھجوادیں۔“ طلال نے سنجیدہ نظریں اسکی پشت پہ گاڑتے ہوئے کہا تھا۔ نظروں کی تیش سے منتها مڑی تھی۔

”سینیں!“ منتها نے واپس جاتے طلال کو پکارا تھا۔

”فرمائیں!“ طلال نے اسکے صبح چہرے کو دیکھتے ہوئے لٹھ مار انداز میں کہا تھا۔

”وہ۔۔۔ آپ بھی چائے پینیں گے؟“ منتها جو کچھ اور کہنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ طلال کی نظروں کی سختی دیکھ کے منتها کے منہ سے یہ جملہ پھسلا تھا۔

”آفرین! مسز طلال فرتک سے ٹھنڈا اپانی نکال کے منہ پہ چھینٹے ماریں اور مومنہ دو کپ چائے بنائے کے عمر کے ہاتھ ڈرائینگ روم میں بھیجوادو۔ ان کا دماغ ٹھیک کام نہیں کر رہا۔“ طلال بھرا تھا۔

”آفرین ہے طلال وجاہت تم پہ۔ کیا بیوی ہے تمہاری۔“ طلال بڑا بتا منتها کے سرخ پڑتے چہرے پہ ایک نظر ڈالتا واپس مر گیا تھا۔

”یا اللہ یہ آدمی! مجھے پاگل کر رہا ہے۔“ منتها پچھے افسوس کرتی رہ گئی تھی۔

طلال کو چائے کا کہہ کر گئے ابھی دس منٹ ہوئے تھے۔ چائے بن گئی تھی بس کپوں میں ڈالنی تھی۔

”ویسے چھی ہمارے چاچو کیسے لگے ہیں آپکو؟“ عمر نے سوال داگا تھا۔

”ایسے سوال مت پوچھا کرو جن کے جواب نہ ہوں۔“ منتها طلال کے نئے تازے بھاشن کے زیر اثر تھی ابھی تک تبھی جلا بھنا جواب آیا تھا۔

”وہ تو مجھے بھی پتہ ہے مگر کوئی اندازہ۔“ عمر کی زبان کہاں رکنے والی تھی۔

”کڑوے کسیلے بادام اور کریلے جیسے۔“ منتها نے بھڑاس نکالی تھی۔

”مجھ پہ تبصرے بعد میں کر لجیے گا پہلے چائے بھیجوادیں۔“ طلال کی آواز پاس ہی گونجی تھی منتها اچھل پڑی تھی۔

”نن۔ نہیں۔۔۔ مم میں۔۔۔ تو بس۔۔۔ وہ۔۔۔“ منتها سے اپنی صفائی میں کچھ نہ بن پایا تھا۔

”مسنونتہا طلال وجاہت دوسروں کے سامنے ہرگز ایسا شونہ کریں کہ آپ مجھ سے بہت ڈرتی ہیں حالانکہ اکیلے میں آپکی زبان ماشاء اللہ فراٹے بھرتی ہے۔“ طلال نے اسکے ناک میں چمکتی لوگ پہ پھسلتی نظر اور دل سنبھالتے ہوئے ناراضگی برقرار رکھی تھی۔

”اسکی اجازت آپ نے خود دی تھی تب۔ اب آپ خود بھول رہے ہیں اور مجھے طعنے دے رہے ہیں۔“ منتها نے ہمت کرتے ہوئے کہا تھا۔ جبکہ مومنہ اور عمران دونوں کی لڑائی کو انجوائے کر رہے تھے۔

”وہ اجازت کس کے لیے دی تھی وہ بھی ذہن میں رکھنا تھا۔ مہمان انتظار میں ہیں چائے کے۔ آپکو فرصت میں دیکھتے ہیں۔“ طلال نے منتها کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”پکانال فرست میں دیکھ لیں گے۔ بعد میں آپ نے بات بھی نہیں سنی ہوتی۔“ منتها نے جھٹ بولا تھا مباداً بعد میں مکرنا جائے۔

”دیکھ لیجیے گا چاچو۔ کیوں تنگ کرتے ہیں آپ چھی کو۔“ عمر زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکا تھا۔ منتها کو اب احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔

”میرا وہ مطلب نہیں تھا۔“ منتها منمنائی تھی۔

”تو وہ بات کر کے دوسروں کو امتحان میں مت ڈالا کریں جسکا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔“ طلال نے منتها پہ پھر چوت کی تھی۔

”طلال! میں بتا رہی ہوں اب ہماری لڑائی ہو جانی ہے۔“ منہا کے لبھ میں استحقاق، ہی استحقاق چھلک رہا تھا۔ واپس جاتا طلال اس لبھ پر کا اور مڑا کے جان لیوا لبھ کی مالکہ پر ایک نظر ڈالی تھی۔

اس ایک نظر پر منہا گڑ بڑا کے رہ گئی تھی کیا کیا نہ تھا اس نظر میں لیکن ابھی منہا ان حکایتوں سے نظریں ملانا نہیں چاہتی تھی۔

ابھی تو اعتماد کے ٹوٹنے سے سانسیں بھی بحال نہیں ہوئی تھی۔ اگلا سفر کیسے شروع کرتی۔ ”ہماری پہلے بھی لڑائیاں ہی ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ عمر چائے لے کے فوراً آجائے ورنہ۔۔۔“ طلال کچھ باور کرو اتنا آخر میں اپنے ازی روب میں آچکا تھا۔

”مجال ہے یہ انسان بدل جائے۔“ منہا بلبلہ کے رہ گئی تھی۔

”بدل رہے ہیں۔ ہمت رکھیں۔ آہستہ آہستہ۔“ عمر نے حصہ لیا تھا۔

”یہ چائے پکڑ داوردے کے آؤ تم آرام سے۔“ منہا نے عمر کو گھورا تھا۔

”موی بچے! تم عمر کو کھانا دے دینا۔ میں ذرا عاصمہ بھا بھی کی طرف جارہی ہوں۔ آنیہ کو دیکھ آؤ۔“ منہا نے مومنہ کو کہتے باہر کی جانب قدم بڑھادیئے تھے۔

”میں واپس آرہا ہوں دو منٹ میں ٹیبل لگا دو۔“ عمر بے رعب سے کہا تھا۔

”دل تو کر رہا ہے تمہیں دو لگا دوں۔ خو مخواہ موڈ بنکے گھوم رہا ہے۔“ مومنہ بڑ بڑا کے رہ گئی تھی۔

”آؤ ذرا تمہارا موڈ ٹھیک کرتے ہیں۔“ مومنہ کے دماغ میں شیطانی آئیڈیا آچکا تھا۔ اسے ہنسنے ہوئے سوچا تھا۔

عمر چائے دے کے واپس آیا تو مومنہ نے آس شیک بنکے ٹیبل پر رکھا تھا۔

”یہ پی لو پہلے۔“ مومنہ نے نرم لبجے میں کہا تھا۔

”نهیں ضرورت تمہاری مہربانیوں کی۔ کھانا دے دو بس۔“ عمر نے منہ بسورتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاہ چھپھوندر!“ مومنہ سوچ کے رہ گئی تھی ابھی خود پہ کنٹرول کرنا تھا۔

”بنایا ہے اب تمہارے لیے۔ پی لو کیا ہو جائے گا۔“ مومنہ نے آنکھوں میں پانی لاتے ہوئے کہا تھا۔

”اچھار و نامت۔“ عمر کب اسکی آنکھوں میں آنسو دیکھنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ منہ بناتے ہوئے حامی بھری تھی جیسے احسانِ عظیم کر دیا ہو۔

مومنہ کی آنکھیں چمکی تھیں۔ مگر یہ کیا۔ عمر نے ایک گھونٹ بھرا تھا اور چینا اٹھا تھا۔ وہ نمک شیک یا مرچ شیک تھا۔ وہ ڈیسا نیڈ نہیں کر پایا تھا کہ کس کی مقدار زیادہ تھی نمک کی یا مرچ کی۔

مومنہ کا قہقہہ گونجا تھا۔

”ہاں جی! کیسا لگا میر امنانا؟ اب ہونگے ناراضِ عمر محسن۔“ مومنہ نے ہستے ہوئے اسکے اترے چہرے کو دیکھا تھا۔ عمر جپ تھا۔ ایک منٹ یوں نہیں گزر اتھا عمر نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا کیا ہوا تھا۔ چہرے پہ عجیب سی کیفیت تھی۔ مومنہ پہلی بار پریشان ہوئی تھی۔

”عمر!“ مومنہ نے عمر کو کندھے سے کپڑے کے ہلایا تھا۔ عمر نے کوئی رسپانس نہ دیا تھا۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ شرط سے جھاکنٹے تو انا بازو۔ یوں محسوس ہوئے جیسے بے جان ہوں۔ بال ما تھے پہ بکھرے پڑے تھے۔ مومنہ کے ہلانے پہ عمر کا سر بے جان ہوتا کر سی سے جا لگا تھا۔

مومنہ کی سانسیں رکی تھیں۔

”عمر تم! تم بول کیوں نہیں رہے؟ عمر تم ٹھیک ہو۔“ مومنہ نے اسکا چہرہ تھپتھپایا تھا۔ مومنہ کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش محسوس کی جا سکتی تھی۔ وہی فکر مندی تھی جو عمر ہمیشہ سے سنتا چاہتا تھا مگر کوئی جواب نہ آیا تھا۔

مومنہ کے ہاتھ پاؤں کے نیچے سے زمین تب سر کی جب عمر کا سرا ایک پل کو کر سی سے نیچے ڈھلا کا تھا۔ اسکا وجود سر دپڑا تھا۔ کسی انہوں نے سرا اٹھایا تھا۔ مومنہ کا نپ کے رہ گئی تھی۔

”نو! عمر۔“ مومنہ چیخنی تھی۔ ٹپ ٹپ آنسو بہرہ رہے تھے۔

”عمر! آنکھیں کھولو۔ میں بلارہی ہوں تمہیں۔ عمر کی چڑیل!“ مومنہ نے روتے ہوئے اسکو ہلایا تھا مگر وہ وجود سا کرت تھا۔ جو مومنہ کی آہ سے پوری جان سے کانپ اٹھتا تھا اب لاپروہ پڑا تھا۔

”عمر! اٹھو عمر۔“ مومنہ اب حلق کے بل چیخنی تھی۔

”مومنی؟ آہستہ! کیوں واط لگوانی ہے چاچو سے، کیسے چیخ رہی ہو؟“ عمر اسکو کھینچ کے پاس بیٹھا چکا تھا۔ مومنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ چہرہ فکر سے الگ پریشان پڑ گیا تھا۔

دو منٹ میں اسکی حالت خراب ہو گئی تھی۔

”تم ٹھیک ہو؟“ مومنہ ہپکیوں کے درمیان بولی تھی۔

”مذاق کر رہا تھا۔ کیا حالت بنالی ہے اپنی تم نے۔“ عمر نے اسکی حالت پہ خود کو دل ہی دل میں لتاڑا تھا۔ مومنہ جیسے اب ہوش میں آئی تھی۔

”یو چیز! کیسے کر سکتے ہو میرے ساتھ ایسے۔ تم! تم بہت بڑے ہو۔ ہمیشہ مجھے رلا دیتے ہو۔“ مومنہ آنسوؤں کے نیچے کہہ رہی تھی۔

”اچھا سوری نا۔ تم نے بھی تو الٹی حرکت کی تھی نا۔“ عمر نے اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

”تو تم ایسے جان نکالو گے میری۔ خبردار! عمر خبردار اگر آئندہ کوئی ایسا بہودہ مذاق کیا تو۔“ مومنہ چیختے ہوئے اسکا گریبان پکڑ چکی تھی۔

”میری توبہ! میڈم ایک بار معاف کر دو۔ عمر کی چڑیل۔“ عمر اپنے لیے اتنی فکر دیکھ کے سرشار ہو گیا تھا۔

”عمر! میں ڈر گئی تھی بہت زیادہ۔“ مومنہ ابھی بھی اسی کیفیت میں تھی جب عمر اسکو کوئی رسپانس نہیں دے رہا تھا۔ اگر عمر کو کچھ ہو جاتا۔

مومنہ نے دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھے تھے۔ عمر نے اسکی کرسی کھینچ کے اپنے بلکل پاس کی تھی۔ اور اسکے دونوں ہاتھ تھامے تھے۔

”میں ٹھیک ہوں بالکل۔ دیکھو! بات بھی کر رہا ہوں۔ نگ بھی کر رہا ہوں۔ عمر کی چڑیل بھی کہہ رہا ہوں۔“ عمر نے اسکے آنکھوں کی پلکوں پہ اپنے ہاتھ کا انگوٹھے پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

”آئندہ ایسے فضول مذاق کا سوچنا بھی مت تم۔“ مومنہ نے اسکو وارن کیا تھا۔ ”ہر گز بھی نہیں۔ اب میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ جلد وہ کروں گا بھی۔“ عمر کی آنکھوں میں محبت کا ٹھیک مارتا سمندر تھا۔ لبھے میں سرشاری تھی ایک بہترین کل کی امید گونج رہی تھی۔

”اب پھر کوئی اٹاماذاق کرو گے تم۔ چھوڑو میرے ہاتھ۔ بات مت کرنا مجھ سے۔“ مومنہ نے بات کا مطلب اپنی سمجھ کے مطابق نکالا تھا اور واک آؤٹ کر گئی تھی۔ ”عمر بیٹا! اب کوئی آٹھ دس ہزار کا خرچہ کر اور اپنی ملکہ کو منا۔“ عمر پچھے سوچ کے رہ گیا تھا۔

شام ڈھلتے ہی زخمی شیر نے اسٹڈی سے نکل کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ ”اماں پورے گھر میں مجھے ڈسٹ نظر آ رہی ہے۔“ طلال لاڈنخ میں بیٹھی رقیہ بیگم کے پاس آ کے بولا تھا۔ لبھے میں جنچھلاہٹ تھی۔ منہانے آنیہ کو فیڈر پلاٹے ہوئے سراٹھایا تھا۔

”کیا شوہر ہے میرا؟“ منہا سوچ کے رہ گئی تھی۔ ”لو بھی! آگئی ہے شامت سکلی۔“ رقیہ بیگم نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”تمہارا بس چلے تو تم گھر پہ بھی ماسک لگا کے گھو مو بیٹا۔“ رقیہ بیگم نے لاوٹھ کا تنقیدی آنکھوں سے جائزہ لیتے بیٹے کو کہا تھا۔

”تو اس میں برائی بھی کوئی نہیں ہے۔“ طلال نے کہا تھا۔ طلال کی آواز سن کے اب آنیہ بے بی نے بھی فیڈر پینے سے انکار کر دیا تھا۔

”پتہ بھی ہے آنیہ فیڈر پی رہے ہے پھر بھی آپ سکو ڈانٹتے پھر رہے ہیں۔ پکڑیں اب اسکو۔ مشکل سے پہلے ہی وہ فیڈر پینی ہے۔“ منہا نے ہاتھ سے نکلتی بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

طلال اب پورا کا پورا بیوی کی طرف گھوما تھا۔ آنیہ نے بھی شور مچایا تھا باپ کو دیکھ کے کہ اسکو پکڑا جائے۔ وہ اب شرارتیں کرتی تھیں منہا مشکل سے پکڑ کے اسکو کچھ کھلاتی پلا تی تھی۔

”آپ کے نزدیک تو ہر لٹا کام میں کرتا ہوں۔ اب اسکا الزام بھی مجھے دے دیں۔“ طلال نے بیوی کو گھورتے ہوئے آنیہ کو اٹھایا تھا۔

”آنیہ! بابا کا مود بہت خراب ہے بچے۔“ طلال نے اسکے گال پہ پیار کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”آنیہ! بابا سے پوچھو مود ٹھیک کب ہوتا ہے؟“ آواز پھر منہا کی طرف سے آئی تھی۔ رقیہ بیگم کی موجودگی میں اسکو حوصلہ مل رہا تھا۔

”آنیہ! مما کو بتا دیں۔ موڈ اچھا ہوتا ہے مگر وہ ہمیشہ ایسی کوئی بات کر دیتی ہیں جس سے موڈ خراب ہونا لازمی ہے۔“ طلال نے جواب دینا لازمی سمجھا تھا۔

”تو کب سے آپ سے میں اس پہ ہی بات کرنا چاہ رہی ہوں نا۔“ منتها کو بھی موقع ملا تھا وہ اٹھ کے اب طلال کے سامنے آئی تھی۔

”بھی مذاکرت جا کے اپنے کمرے میں کرو۔“ رقیہ بیگم نے ان دونوں کو ہستے ہوئے کہا تھا۔

”کمرے میں ہر طرف ڈسٹ نظر آ رہی۔ میں تو نہیں جا رہا وہاں۔“ صفائی کا شیدائی بولا تھا۔

”ہاں بس میری آنکھوں میں شرمندگی نظر نہیں آ رہی۔“ منتها بڑ بڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

”کیوں تنگ کر رہے ہو میری بیٹی کو۔“ منتها کو لا و نخ سے نکتے دیکھ کے رقیہ بیگم بولی تھیں۔

”آپکی بیٹی کو تنگ کر سکتا ہے کوئی۔“ طلال نے کہا تھا۔

”اب پھر تم نے اسکو کمرے میں صفائی کو بھیج دیا ہے۔“ رقیہ بیگم نے طلال کو لٹھاڑا تھا۔

”آپکو پتہ تو ہے مجھے ڈسٹ سے کتنی الرجی ہے۔“ طلال نے ماں سے شکوہ کیا تھا۔

”تو بیٹا صبح سب صفائی کروائی ہے اسے تفصیل سے۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”بہت شہ دے رہی ہیں آپ اپنی بہو کو۔ اسلئے وہ ناک پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ خیر صفائی کے لیے نہیں بھیجا آپکی بہو کو۔ رات ایک ڈنر پہ جانا ہے تو اسکے لیے کچھ ڈریسز لے کے آیا تھا۔ وہ بیڈ پر رکھے تھے اسلیے انکوروم میں بھیجا ہے۔“ طلال نے آنیہ کو کھلاتے ہوئے ماں کو بتایا تھا۔

”شہابش ہے بیٹا۔ خود بتا دیتے تو کیا ہو جانا تھا۔ طلال حد کرتے ہو کبھی تم۔ چلو جاؤ بتاؤ اسکو جا کے اسکو الہام ہونا ہے۔“ رقیہ نے بیٹا کو ڈپٹا تھا۔
”ماں!“ طلال نے اب انکو دیکھا تھا۔
”کیا ماں! جاؤ۔“ رقیہ بیگم نے بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

اگلے دن طلال صحیح منتها کے جانے سے پہلے ہی آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ آنیہ کا بخار اب اترا ہوا تھا بس تھوڑی چڑھتی ہوئی ہوئی تھی۔
منتها دوپھر کا کھانا بنارہی تھی جب فون بجا تھا جو اسے ایک ہفتہ پہلے ہی طلال لا کے دے چکا تھا۔

منتها کو ان سب میں نہ اتنی دلچسپی تھی نہ ہی وقت ملا تھا کہ وہ سب کے نمبر سیو کر لیتی فون اٹھایا تھا۔ دھیان سارا چو لہے پہ پکتے اچار گوشت میں تھا۔

”ہیلو! جی کون؟“ منتها نے مگن سے انداز میں کہا تھا۔
”طلال وجہت! جو ایک ماہ پہلے آپکا شوہر بنتا ہے۔“ طلال کی سرد برف سی آواز منتها کے کانوں میں پڑی تھی۔

”وہ مم۔۔۔ میں دراصل۔۔۔“ منتها منمنائی تھی۔
”ممافون نہیں اٹھار ہیں۔ اسلئے آپکے سیل پہ کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر ہو سکے تو اس تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔“ طلال کا لہجہ ہر قسم کی نرمی سے خالی تھی۔

”وہ مم۔۔ میں کل میرا مطلب ہے جو کل رات بات۔۔۔ ”منتها کوشش سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اسلئے بات کرنی چاہ رہی تھی۔

”مجھے کسی بارے میں کوئی بات نہیں کرنی مسز منتها طلال وجاہت۔ ”طلال نے دھڑتے ہوئے اسکی بات کائی تھی۔ منتها کا دل اس لب و لہجے میں دھلا تھا۔

”اگر آپ کے پاس وقت ہے دو منٹ تو میری بات سن لیں ورنہ فون رکھتا ہوں۔ ”طلال کا ذہر خند لہجہ گونجا تھا۔

”بولیں! ”منتها نے اس بار اتنا کہنے پہ ہی اکتفا کیا تھا۔

”میرے ایک کولیگ ہیں جو گھر کا کھانا کھاتے ہیں میری انکے ساتھ میٹنگ ہیں وہ گھر پہ آئیں گے۔ اگر تکلف نہ ہو تو کچھ تیار کر کے رکھ دیجئے گا۔ آپکا یہ احسان میں جلد چکا دوں گا۔ ”طلال نے خود پہ ضبط کرتے ہوئے بات کی تھی۔ مرزا صاحب کی اس فرماں ش پہ وہ سلگا تھا، بہت۔

مرزا صاحب اسکے آفیشل لائر تھے جوانکے سب لیگل ایشووز کو پینڈل کرتے تھے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھے طلال کے ساتھ انکے اچھے تعلقات تھے۔ طلال بھی انکی عزت کرتا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ان سے ضروری میٹنگ کرنی تھی تو طلال نے انکو کال کی تھی جس پہ انکی یہ فرماں ش تھی۔

”برخوردار! آج ہمارا میٹنگ کا ارادہ آپکے گھر پہ ہے۔ اسی بہانے لپخ بھی کر لینے۔ باہر کے کھانوں کا تو میں شو قین نہیں ہوں۔ نہ ہی مجھے ہضم ہوتے ہیں۔ ”مرزا صاحب کی فرماں ش پہ طلال دل موس کے رہ گیا تھا۔

”گھر والی مجھے پتا نہیں کیسے ہضم کر رہی ہے۔ ”طلال سوچ کے رہ گیا تھا۔ حامی بھرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

”ٹھیک! میں انتظام کر لوں گی۔“ منتها نے اس سر پھرے کو کہا تھا۔

”ٹھیک ہے میں بھی احسان چکا دوں گا۔“ طلال کی پھرو ہی رٹ تھی۔

”میرے خیال میں اب کام ہی بات ہو چکی ہے۔“ منتها نے بھی اب طیش سے کہا تھا۔ جس کا صاف مطلب تھا، مزید کوئی بات کرنے کا فائدہ نہیں فون بند کیا جائے۔“

طلال اسکی بات مطلب سمجھ کے مزید غصے میں آگیا تھا اور کھٹاک سے فون بند کیا تھا۔

”منتها!“ وہ دانت پیستے ہوئے بولا تھا اور موبائل سامنے ٹیبل پہ پڑھنے والے انداز میں رکھا تھا۔

منتها کو بھی غصہ آیا تھا۔ وہ اس سے بات پہ معاف مان گنا چاہ رہی تھی مگر اس انسان نے بات کا ذکر نہ ہونے دیا تھا۔

منتها نے اب سب سے پہلے مومنہ کو بلا یا تھا۔ بھئی اب بھڑاس نکالنے کو کوئی تو ملے جس سے باقیں کر کے انسان ہلکا ہو سکے۔

رقیہ بیگم کو دوپھر میں کھانا جلدی کھانا ہوتا تھا کیونکہ انکی دوائی کا وقت ہو جاتا تھا۔ انکو کھانا اور دوائی دے کر آرام کرنے کا بولتی وہ آنیہ کو چنج کرو چکی تھی۔ آنیہ کو عمیرہ لے گئی تھی۔ اب منتها میٹھا بنانے میں مصروف تھی۔ سالن وہ بننا چکی تھی۔ روئی مہمان کے آنے پہ بنانے کا ارادہ تھا۔ کباب تو فر تج میں فریزر کے تھے۔

مٹن کا سالن بھی وہ چڑھا چکی تھی۔ سلااد کاؤپر ٹمنٹ مومنہ نے سنبحال لیا تھا۔ تبھی عمر کی آمد ہوئی تھی۔ مومنہ کام سے کچن سے باہر جا رہی تھی اور عمر اندر آ رہا تھا۔ اس دن والی بحث کے بعد اب سامنا ہو رہا تھا۔ دونوں کو لگتا تھا کہ دوسرے کی غلطی ہے تو وہ ہی بات کرے پہلے۔ دونوں ایک پل کو آمنے سامنے رکے تھے۔ تصادم جان دار تھا۔

تیری نارا ضگی واجب ہے

میں خود سے بھی خوش نہیں ہوں آج کل
آنکھیں گفتگو کر رہی تھیں۔ لبؤں پر قفل پڑے تھے۔ دل پھر پھر اڑا تھا آواز سننے کو۔ یہ
رفاقت کے لمحے مزید طول پکڑتے تھیں فسوس ٹوٹا تھا۔

دونوں کو اس دن والا واقعہ یاد آیا تھا۔ اپنے اپنے احساسات کے مجروح ہونے پر وہ بلبلہ
اٹھے تھے۔

دونوں بیک وقت ایک دوسروں کو ”اوہ نہہ!“ کہتے منہ دوسری طرف کرتے
مخالف سمت چلے گئے تھے۔

”بڑی خوشبوؤں نے ڈیرہ جمایا ہوا ہے آپکے کچن میں چھی۔“ عمر نے منتہا سے کہا تھا۔
”یہ کمپلینٹ کیتی ڈشزپہ تھایا کچن سے جاتی فریگرنس پہ تھا۔“ منتہا نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔
”اس پہ کمپلینٹ دینے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔“ عمر نے تپے ہوئے لبھ میں کہا تھا۔

”مجھے کسی سے لینے کا بھی کوئی شوق نہیں ہے۔“ اندر آتی مومنہ نے بھی جواب دیا تھا۔
لفظ ”کسی“ عمر محسن کے دل پر لگا تھا۔

”یہ کسی کس کو بولا ہے؟“ عمر نے تیکھے چتونوں سے چڑھائی کی تھی۔
”مسٹر! آپکو ہی بولا ہے۔“ مومنہ نے ناک منہ بگاڑتے ہوئے کہا تھا۔
”تم تو مجھ سے بات نہ کرو میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔ تمہاری الٹی سیدھی باقوں سے
میرا دماغ مزید خراب ہو رہا ہے جو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہو گا۔“ عمر کو مومنہ کا کسی
کہہ کر مخاطب کرنا تیر کی طرح لگا تھا۔

”تمہارا دماغ ہمیشہ کا خراب ہے۔ کوئی نئی بات کرو“ مومنہ نے سلااد کی پلیٹ فر تھی میں رکھتے کہا تھا۔

”چھی! اسکو چپ کروالیں۔ بہت زبان چلتی ہے اسکی۔“ عمر نے اب منتہا سے کہا تھا۔
”تم دونوں کی اب مجھے آواز نہ آئے۔ حد کرتے ہو تم دونوں۔ ایک تم لوگوں کے چاچوں نے میرا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔“ منتہا نے اپنارونارو یا تھا۔ دونوں ہنس پڑے تھے۔
”اب کیا کہہ دیا ہمارے چاچوں نے؟“ عمر نے ٹیبل پر پڑی ٹوکری میں سے ایک کیلا اچک کر کھاتے ہوئے کہا تھا۔ ساتھ میں مومنہ کی گھوری کو انگور مارا تھا۔

”وہ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔ اب فون کر کے فرمان نامہ جاری کر دیا ہے مگر مجال ہے جو بتایا ہو کہ کب گھر آنا ہے۔ اس آدمی نے مجھے سہی دن میں تارے دیکھانے شروع کئے ہوئے ہیں۔“ منتہا نے بھڑاس نکالی تھی۔

”تو مس کیا جا رہا ہے خاوند کو، کال کر کے پوچھ لیں ناں کب تک آنا ہے؟“ عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں! ساری ٹپیں اس سے لے لیں۔ سب پتہ اسکو۔“ مومنہ نے رائستہ بناتے ہوئے بات میں حصہ لیا تھا۔

”تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو مس مومنہ اکرام۔ چھی آپ کال کریں۔“ عمر نے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں تاکہ چار باتیں اور سنادیں مجھے۔ منتہا طلال وجاہت آپکی جان کو سکون کیوں نہیں ہے۔ جتنا کہا گیا ہے اتنا کیا کریں۔“ منتہا نے طلال کی نقل اتارتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاہاہا! پچھی آثار کچھ ٹھیک نظر نہیں آرہے۔ آپ بھی انکے رنگ میں رنگنے لگی ہیں
۔ ”مومنہ نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں! پوچھ کے دیکھ لینا زمانے کی ساری براہیاں مجھ میں گنوادیں گے۔ میری جیسی بیوی
انکا آئیڈیل نہیں تھی ویسے۔ ”آخری بات پہ متہا کی آواز عجیب ہوئی تھی۔

”اف! کیا فضول سوچتی ہیں آپ۔ ”مومنہ نے متہا کو ٹوکا تھا۔

”لیں! لگتا ہے آپکے شوہر نامدار آگئے ہیں ہارن تو انکی گاڑی کا ہی ہے۔ ”عمر نے باہر سے
آتی آواز پہ کہا تھا۔

”تم کھانا کھا کے جانا۔ ”متہا نے عمر کو اٹھتے دیکھا تھا تو کہا تھا۔

”آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟ یہ کہیں نہیں جاتا۔ ”مومنہ نے ہستے ہوئے متہا کو کہا تھا۔

”مومنہ! ”عمر دانت پیس کے رہ گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ متہا کچھ کہتی طلال نے کچن میں جھانکا تھا۔ متہا چو لہے کے سامنے کھڑی
تھی لائٹ پیچ کلر کا سوت پہنا ہوا تھا۔ بالوں کی چڈیا پشت پہ گرار کھی تھی۔ طلال کی
آنکھیں ایک پل کو بھٹکی تھیں۔ تبھی ایک بار عرب دل کو دھڑکا دینے والی آواز گونجی
تھی۔

”السلام علیکم! چائے بناؤ کر ڈرامینگ روم میں بھجوادیں۔ ”طلال نے سنجیدہ نظریں اسکی
پشت پہ گاڑتے ہوئے کہا تھا۔ نظروں کی تپش سے متہا مڑی تھی۔

”سنیں! ”متہا نے واپس جاتے طلال کو پکارا تھا۔

”فرمائیں! ”طلال نے اسکے صبح چہرے کو دیکھتے ہوئے لٹھ مار انداز میں کہا تھا۔

”وہ۔۔ آپ بھی چائے پیں گے؟ ”متہا جو کچھ اور کہنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ طلال کی
نظروں کی سختی دیکھ کے متہا کے منہ سے یہ جملہ پھسلا تھا۔

”آفرین! مسز طلال فریج سے ٹھنڈا پانی نکال کے منہ پہ چھینٹے ماریں اور مومنہ دو کپ چائے بنائے کے عمر کے ہاتھ ڈرائیور روم میں بھیجوادو۔ ان کا دماغ ٹھیک کام نہیں کر رہا۔ ”طلال بھرا تھا۔

”آفرین ہے طلال وجاہت تم پہ کیا بیوی ہے تمہاری۔ ”طلال بڑھتا منتہا کے سرخ پڑتے چہرے پہ ایک نظر ڈالتا واپس مڑ گیا تھا۔

”یا اللہ یہ آدمی! مجھے پاگل کر رہا ہے۔ ”منتہا پچھے افسوس کرتی رہ گئی تھی۔

طلال کو چائے کا کہہ کر گئے ابھی دس منٹ ہوئے تھے۔ چائے بن گئی تھی بس کپوں میں ڈالنی تھی۔

”ویسے پچھی ہمارے چاچو کیسے لگے ہیں آپکو؟“ عمر نے سوال داغا تھا۔

”ایسے سوال مت پوچھا کرو جن کے جواب نہ ہوں۔ ”منتہا طلال کے نئے تازے بھاشن کے زیر اثر تھی ابھی تک تبھی جلا بھنا جواب آیا تھا۔

”وہ تو مجھے بھی پہتے ہے مگر کوئی اندازہ۔ ”عمر کی زبان کھال رکنے والی تھی۔

”کڑوے کسیلے بادام اور کریلے جیسے۔ ”منتہا نے بھڑاس نکالی تھی۔

”مجھ پہ تبصرے بعد میں کر لیجیے گا پہلے چائے بھیجوادیں۔ ”طلال کی آواز پاس ہی گونجی تھی منتہا اچھل پڑی تھی۔

”نن۔ نہیں۔۔۔ مم میں۔۔۔ تو بس۔۔۔ وہ۔۔۔ ”منتہا سے اپنی صفائی میں کچھ نہ بن پایا تھا۔

”مسز منتہا طلال وجاہت دوسروں کے سامنے ہرگز ایسا شونہ کریں کہ آپ مجھ سے بہت ڈرتی ہیں حالانکہ اکیلے میں آپکی زبان ماشاء اللہ فرائی بھرتی ہے۔ ”طلال نے اسکے ناک میں چمکتی لوگ پہ پھسلتی نظر اور دل سنبحا لتے ہوئے ناراضگی برقرار رکھی تھی۔

”اسکی اجازت آپ نے خود دی تھی تب۔ اب آپ خود بھول رہے ہیں اور مجھے طعنے دے رہے ہیں۔ ”منتہا نے ہمت کرتے ہوئے کہا تھا۔ جبکہ مومنہ اور عمران دونوں کی لڑائی کو انجوائے کر رہے تھے۔

”وہ اجازت کس کے لیے دی تھی وہ بھی ذہن میں رکھنا تھا۔ مہماں انتظار میں ہیں چائے کے۔ آپکو فرصت میں دیکھتے ہیں۔ ”طلال نے منتہا کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”پکانال فرصت میں دیکھ لیں گے۔ بعد میں آپ نے بات بھی نہیں سننی ہوتی۔ ”منتہا نے جھٹ بولا تھا مباداً بعد میں مکرنا جائے۔

”دیکھ لیجیے گا چاچو۔ کیوں تنگ کرتے ہیں آپ پچھی کو۔ ”عمر زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکا تھا۔ منتہا کو اب احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔

”میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ ”منتہا منمنائی تھی۔

”تو وہ بات کر کے دوسروں کو امتحان میں مت ڈالا کریں جسکا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ ”طلال نے منتہا پہ پھر چوٹ کی تھی۔

”طلال! میں بتا رہی ہوں اب ہماری لڑائی ہو جانی ہے۔ ”منتہا کے لمحے میں استحقاق ہی استحقاق چھلک رہا تھا۔ واپس جاتا طلال اس لمحے پر کا اور مڑا کے جان لیوا لمحے کی مالکہ پر ایک نظر ڈالی تھی۔

اس ایک نظر پر منتہا گڑ بڑا کے رہ گئی تھی کیا کیا نہ تھا اس نظر میں لیکن ابھی منتہا ان حکایتوں سے نظریں ملانا نہیں چاہتی تھی۔

ا بھی تو اعتماد کے ٹوٹنے سے سانسیں بھی بحال نہیں ہوتی تھی۔ اگلا سفر کیسے شروع کرتی۔
”ہماری پہلے بھی لڑائیاں ہی ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ عمر چائے لے کے فوراً آ جاؤ ورنہ۔۔۔“ طلال کچھ باور کرواتا آخر میں اپنے ازی روب میں آچکا تھا۔

”مجال ہے یہ انسان بدل جائے۔“ منتہا بلبلہ کے رہ گئی تھی۔
”بدل رہے ہیں۔ ہمت رکھیں۔ آہستہ آہستہ۔“ عمر نے حصہ لیا تھا۔
”یہ چائے پکڑو اور دے کے آؤ تم آرام سے۔“ منتہا نے عمر کو گھورا تھا۔
”مو می بچے! تم عمر کو کھانا دے دینا۔ میں ذرا عاصمہ بھا بھی کی طرف جا رہی ہوں۔ آنیہ کو دیکھ آؤ۔“ منتہا نے مومنہ کو کہتے باہر کی جانب قدم بڑھادیئے تھے۔
”میں واپس آ رہا ہوں دو منٹ میں ٹیبل لگادو۔“ عمر بے رعب سے کہا تھا۔
”دل تو کر رہا ہے تمہیں دول گادو۔ خونخواہ موڈ بنا کے گھوم رہا ہے۔“ مومنہ بڑبڑا کے رہ گئی تھی۔
”آؤ ذرا تمہارا موڈ ٹھیک کرتے ہیں۔“ مومنہ کے دماغ میں شیطانی آئیڈیا آچکا تھا۔ اسے ہنسنے ہوئے سوچا تھا۔

عمر چائے دے کے واپس آیا تو مومنہ نے آس شیک بنانے کے ٹیبل پر رکھا تھا۔
”یہ پی لو پہلے۔“ مومنہ نے نرم لبجے میں کہا تھا۔

”نہیں ضرورت تمہاری مہربانیوں کی۔ کھانا دے دو بس۔“ عمر نے منہ بسورتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاہ چھچھوندر!“ مومنہ سوچ کے رہ گئی تھی ابھی خود پر کنٹرول کرنا تھا۔

”بنایا ہے اب تمہارے لیے۔ پی لو کیا ہو جائے گا۔“ مومنہ نے آنکھوں میں پانی لاتے ہوئے کہا تھا۔

”اچھارونامت۔“ عمر کب اسکی آنکھوں میں آنسو دیکھنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ منه بناتے ہوئے حامی بھری تھی جیسے احسانِ عظیم کر دیا ہو۔

مومنہ کی آنکھیں چمکی تھیں۔ مگر یہ کیا۔ عمر نے ایک گھونٹ بھرا تھا اور چینا اٹھا تھا۔ وہ نمک شیک یا مرچ شیک تھا۔ وہ ڈیسا نیڈ نہیں کر پایا تھا کہ کس کی مقدار زیادہ تھی نمک کی یا مرچ کی۔

مومنہ کا قہقہہ گونجا تھا۔

”ہاں جی! کیسا لگا میر امنانا؟ اب ہونگے ناراضِ عمر محسن۔“ مومنہ نے ہستے ہوئے اسکے اترے چہرے کو دیکھا تھا۔ عمر چپ تھا۔ ایک منٹ یوں ہی گزر اتھا عمر نے اپنا سردونوں ہاتھوں میں گرا کیا ہوا تھا۔ چہرے پہ عجیب سی کیفیت تھی۔ مومنہ پہلی بار پریشان ہوئی تھی۔

”عمر!“ مومنہ نے عمر کو کندھے سے پکڑ کے ہلا�ا تھا۔ عمر نے کوئی رسپانس نہ دیا تھا۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ شرٹ سے جھانکتے تو انابازو۔ یوں محسوس ہوئے جیسے بے جان ہوں۔ بال ما تھے پہ بکھرے پڑے تھے۔ مومنہ کے ہلانے پہ عمر کا سر بے جان ہوتا کر سی سے جال گا تھا۔

مومنہ کی سانسیں رکی تھیں۔

”عمر تم! تم بول کیوں نہیں رہے؟ عمر تم ٹھیک ہو۔“ مومنہ نے اسکا چہرہ تھپتھپایا تھا۔ مومنہ کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش محسوس کی جا سکتی تھی۔ وہی فکر مندی تھی جو عمر ہمیشہ سے سننا چاہتا تھا مگر کوئی جواب نہ آیا تھا۔

مومنہ کے ہاتھ پاؤں کے نیچے سے زمین تب سر کی جب عمر کا سر ایک پل کو کرسی سے نیچے ڈھلا کا تھا۔ اسکا وجود سرد پڑا تھا۔ کسی انہوں نے سراٹھا یا تھا۔ مومنہ کانپ کے رہ گئی تھی۔

”نہ! عمر۔“ مومنہ چیخنی تھی۔ ٹپ ٹپ آنسوبہ رہے تھے۔

”عمر! آنکھیں کھولو۔ میں بلارہی ہوں تمہیں۔ عمر کی چڑیل!“ مومنہ نے روتے ہوئے اسکو ہلایا تھا مگر وہ وجود ساکت تھا۔ جو مومنہ کی آہ سے پوری جان سے کانپ اٹھتا تھا اب لاپروہ پڑا تھا۔

”عمر! اٹھو عمر۔“ مومنہ اب حلق کے بل چیخنی تھی۔

”مومنی؟ آہستہ! کیوں واط لگوانی ہے چاچو سے، کیسے چخرہی ہو؟“ عمر اسکو کھینچ کے پاس بیٹھا چکا تھا۔ مومنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ چہرہ فکر سے الگ پریشان پڑ گیا تھا۔

دو منٹ میں اسکی حالت خراب ہو گئی تھی۔

”تم ٹھیک ہو؟“ مومنہ ہچکیوں کے درمیان بولی تھی۔

”ذاق کر رہا تھا۔ کیا حالت بنالی ہے اپنی تم نے۔“ عمر نے اسکی حالت پر خود کو دل میں لتاڑا تھا۔ مومنہ جیسے اب ہوش میں آئی تھی۔

”یو چیز! کیسے کر سکتے ہو میرے ساتھ ایسے۔ تم! تم بہت بڑے ہو۔ ہمیشہ مجھے رلا دیتے ہو۔ ”momne آنسوؤں کے پیچ کہہ رہی تھی۔

”اچھا سوری نا۔ تم نے بھی تو الٹی حرکت کی تھی نا۔ ”عمر نے اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

”تو تم ایسے جان نکالو گے میری۔ خبردار! عمر خبردار اگر آئندہ کوئی ایسا بیہودہ مذاق کیا تو۔ ”momne چیختے ہوئے اسکا گریبان پکڑ چکی تھی۔

”میری توبہ! میدم ایک بار معاف کر دو۔ عمر کی چڑیل۔ ”عمر اپنے لیے اتنی فکر دیکھ کے سرشار ہو گیا تھا۔

”عمر! میں ڈر گئی تھی بہت زیادہ۔ ”momne ابھی بھی اسی کیفیت میں تھی جب عمر اسکو کوئی رسپانس نہیں دے رہا تھا۔ اگر عمر کو کچھ ہو جاتا۔

momne نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھتے تھے۔ عمر نے اسکی کرسی کھینچ کے اپنے بلکل پاس کی تھی۔ اور اسکے دونوں ہاتھ تھامے تھے۔

”میں ٹھیک ہوں بالکل۔ دیکھو! بات بھی کر رہا ہوں۔ نگ بھی کر رہا ہوں۔ عمر کی چڑیل بھی کہہ رہا ہوں۔ ”عمر نے اسکے آنکھوں کی پلکوں پر اپنے ہاتھ کا انگوٹھے پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

”آئندہ ایسے فضول مذاق کا سوچنا بھی مت تم۔ ”momne نے اسکو وارن کیا تھا۔
”ہر گز بھی نہیں۔ اب میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ جلد وہ کروں گا بھی۔ ”عمر کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ لبج میں سرشاری تھی ایک بہترین کل کی امید گونج رہی تھی۔

”اب پھر کوئی اللامداق کرو گے تم۔ چھوڑو میرے ہاتھ۔ بات مت کرنا مجھ سے
۔ ”مومنہ نے بات کا مطلب اپنی سمجھ کے مطابق نکالا تھا اور واک آوت کر گئی تھی۔
”عمر بیٹا! اب کوئی آٹھ دس ہزار کا خرچہ کراور اپنی ملکہ کو منا۔ ” عمر پچھے سوچ کے رہ گیا
تھا۔

شام ڈھلتے ہی زخمی شیر نے اسٹری سے نکل کے کمرے کا رخ کیا تھا۔
”اماں پورے گھر میں مجھے ڈسٹ نظر آ رہی ہے۔ ” طلال لاونچ میں بیٹھی رقیہ بیگم کے
پاس آ کے بولا تھا۔ لبھے میں جنچھلاہٹ تھی۔ منہانے آنیہ کو فیڈر پلاتے ہوئے سراٹھایا
تھا۔

”کیا شوہر ہے میرا؟ ” منہا سوچ کے رہ گئی تھی۔
”لو بھئی! آگئی ہے شامت سکلی۔ ” رقیہ بیگم نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”تمہارا بس چلے تو تم گھر پہ بھی ماسک لگا کے گھو مو بیٹا۔ ” رقیہ بیگم نے لاونچ کا تنقیدی
آنکھوں سے جائزہ لیتے بیٹے کو کہا تھا۔

”تو اس میں برائی بھی کوئی نہیں ہے۔ ” طلال نے کہا تھا۔ طلال کی آواز سن کے اب آنیہ
بے بی نے بھی فیڈر پینے سے انکار کر دیا تھا۔

”پتہ بھی ہے آنیہ فیڈر پی رہے ہے پھر بھی آپ سکو ڈانٹ پھر رہے ہیں۔ پکڑیں اب اسکو۔ مشکل سے پہلے ہی وہ فیڈر پیتی ہے۔“ منہانے ہاتھ سے نکلتی بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

طلال اب پورا کا پورا بیوی کی طرف گھوما تھا۔ آنیہ نے بھی شور مچایا تھا باپ کو دیکھ کر اسکو پکڑا جائے۔ وہ اب شرارتیں کرتی تھی منہا مشکل سے پکڑ کے اسکو کچھ کھلاتی پلاٹی تھی۔

”آپ کے نزدیک تو ہر المکام میں کرتا ہوں۔ اب اسکا الزام بھی مجھے دے دیں۔“ طلال نے بیوی کو گھورتے ہوئے آنیہ کو اٹھایا تھا۔

”آنیہ! بابا کا مود بہت خراب ہے بچ۔“ طلال نے اسکے گال پہ پیار کرتے ہوئے کہا تھا۔
”آنیہ! بابا سے پوچھو موڈ ٹھیک کب ہوتا ہے؟“ آواز بھر منہا کی طرف سے آئی تھی۔ رقیہ بیگم کی موجودگی میں اسکو حوصلہ مل رہا تھا۔

”آنیہ! ممکا کو بتا دیں۔ مود اچھا ہوتا ہے مگر وہ ہمیشہ ایسی کوئی بات کر دیتی ہیں جس سے موڈ خراب ہونا لازمی ہے۔“ طلال نے جواب دینا لازمی سمجھا تھا۔

”تو کب سے آپ سے میں اس پہ ہی بات کرنا چاہ رہی ہوں نا۔“ منہا کو بھی موقع ملا تھا وہ اٹھ کے اب طلال کے سامنے آئی تھی۔

”بھی مذاکرت جا کے اپنے کمرے میں کرو۔“ رقیہ بیگم نے ان دونوں کو ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”کمرے میں ہر طرف ڈسٹ نظر آ رہی۔ میں تو نہیں جا رہا وہاں۔ ”صفائی کا شید اُی بولا تھا۔

”ہاں بس میری آنکھوں میں شرمندگی نظر نہیں آ رہی۔ ”منتہا بڑ بڑاتی ہوئی آگ کے بڑھ گئی تھی۔

”کیوں تنگ کر رہے ہو میری بیٹی کو۔ ”منتہا کو لا و نج سے نکلتے دیکھ کے رقیہ بیگم بولی تھی۔
”آپکی بیٹی کو تنگ کر سکتا ہے کوئی۔ ”طلال نے کہا تھا۔

”اب پھر تم نے اسکو کمرے میں صفائی کو بھیج دیا ہے۔ ”رقیہ بیگم نے طلال کو لٹھاڑا تھا۔
”آپکو پتہ تو ہے مجھے ڈسٹ سے کتنی الرجی۔ ”طلال نے ماں سے شکوہ کیا تھا۔

”تو بیٹا صبح سب صفائی کروائی ہے اسنے تفصیل سے۔ ”رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”بہت شہ دے رہی ہیں آپ اپنی بہو کو۔ اسلئے وہ ناک پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ خیر صفائی کے لیے نہیں بھیجا آپکی بہو کو۔ رات ایک ڈنر پہ جانا ہے تو اسکے لیے کچھ ڈریز لے کے آیا تھا وہ بیڈ پر رکھے تھے اسلیے انکوروم میں بھیجا ہے۔ ”طلال نے آنبیہ کو کھیلاتے ہوئے ماں کو بتایا تھا۔

”شabaش ہے بیٹا۔ خود بتا دیتے تو کیا ہو جانا تھا۔ طلال حد کرتے ہو کبھی تم۔ چلو جاؤ بتاؤ اسکو جا کے اسکو الہام ہونا ہے۔ ”رقیہ نے بیٹا کو ڈپٹا تھا۔

”ماں۔ ”طلال نے اب انکو دیکھا تھا۔

”کیا ماں۔ جاؤ۔ ”رقیہ بیگم نے بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

طلال کمرے میں آیا تو منتہا کپڑوں کے جائزے میں مصروف تھی۔ طلال کے اندر آنے پہ چونکی تھی۔

”یہ آپکا سامان تھا۔ سوری میں دیکھنے لگ گئی۔“ منہانے معدرت کی تھی ابھی اتنی بے تکلفی جو نہیں تھی۔ طلال اسکی بات پر ماٹھا پیٹ کے رہ گیا تھا۔

”یہ یقیناً لیڈ یز ڈریسز ہیں۔ تو لیڈی آپ ہیں۔ یہ ڈریس آپ کے لیے ہی لا یا ہوں۔ شام کو ایک فرینڈ نے انوائٹ کیا ہے۔ آپ اور آنیہ تیار رہئے گا سات بجے جائیں گے۔“ طلال نے گھری اتار کے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھی اور ایک نظر سر جھکائے کپڑوں کا جائزہ لیتی منہا کو دیکھا تھا۔

تین ڈریسز تھے۔ ایک گولڈن گلر کی شرٹ اور کیپری تھی جس کے بازو پر نفس ساریڈ کلر کا کام تھا۔ دوپہر ریڈ گلر کا تھا جس میں سیلف پرنٹ ڈیزائن تھا اور بار ڈرپر گولڈن گلر کا کام تھا۔

ایک فرماں تھا پنک گلر کا جس پر گوٹی کا کام تھا ساتھ شلوار پر بھی گوٹی کا خوبصورت کام تھا اور ہم رنگ ڈوپٹہ تھا۔ ایک پرنٹ کرتا تھا۔ جو عام روٹین میں استعمال کیا جاسکتا تھا۔ ”اب اس بات کو کسی اور نظر سے دیکھنا نہ شروع کر دیجئے گا۔ ماشاء اللہ سے دماغ بہت زرخیز پایا ہے آپ نے۔ آپ میری بیوی ہیں آپکی ذمہ داری مجھ پر عائد ہے۔“ طلال نے جس حوالے سے بات کی تھی منہا کو سمجھ آگئی تھی۔

”میں نے اب ایسا تو کچھ نہیں کہا۔“ منہانے طلال کو تیکھی نظر وں سے دیکھتے کہا تھا۔ ”ابھی نہیں کہا تو بعد میں کہہ دیں گی۔ آپکی کیا بات ہے۔“ طلال طنز سے بازنہ آیا تھا۔ ”طلال آپ حد کرتے ہیں۔ اس رات بس منہ سے نکل گیا ہے اب کیا جان لیں گے۔ آپ بھی بدلمہ لے چکے ہیں۔ پہلے دروازہ زور سے بند کر کے اپنے غصے کا گراف دکھا چکے۔

تھے۔ آج بھی ڈاٹنٹتے ہی رہے ہیں۔ ”منتہانے طلال کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو اسکے سامنے آکے کھڑا ہو گیا تھا۔

”خود سوچیں وہ بات سن کے کیا ری ایکشن ہونا چاہیے تھا۔ ابھی میں اتنا ہارش نہیں ہوا۔ ” طلال نے اسکے دلفریب سراپے کا جائزہ لیتے کہا تھا۔

”دو کلو خون جلا کے بھی ابھی آپ ہارش نہ تھے۔ اور ہارش ہونا کیا ہوتا ہے؟ ” منتہا اس بے نیازی پہ صدمے سے بولی تھی۔

”اگر میں آپکے مااضی کا ذکر کرتا تو؟ میں نے آپکی بات سے یہ بات کی ہے ورنہ میں ایسی گھٹیا سوچ کا ہر گز نہیں ہوں۔ اب آپکا نام میرے نام سے جڑ گیا ہے میں ہر گز یہ بات برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا بس چلے تو میں آپکو بھی اس بارے میں سوچنے نہ دوں۔ ” طلال کے لبھ سے دبے غصے کی چنگاریاں پھوٹی محسوس کی جاسکتی تھیں۔

”میں اس بات پہ شرمند ہوں۔ اب کیسے آپکو یقین دلاؤں۔ ” منتہانے اب کے ندامت سے کہا تھا۔

”میں اب شرمند ہونے کو ہر گز نہیں کہا۔ ہاں آئندہ ایسا نہ ہو۔ دیکھئے! منتہا حالات جیسے بھی تھے۔ میں راضی تھا یا نہیں مگر وہ بات گزرے کل کی تھی۔ ہمارا آج خراب ہوا اور آنیہ پہ اسکا اثر ہو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ” طلال نے منتہا کو سمجھنا چاہا تھا مگر آنیہ کا ذکر کر کے پھر مقابل کو غلط سمت میں دھکیل چکا تھا۔

”ہاں ناں سمجھوتہ ہی ہے۔ میں بھی کرلوں گی۔ آنیہ میری بیٹی بھی تو ہے ناں۔“ منتها کے دل میں ہول اٹھے۔

”میں چاہتا ہوں کہ ہم اس رشتے کو اچھے سے نبھائیں۔ آپ کو اگر میں اس وقت اپنے لفظوں سے اعتماد دلانے کی کوشش کروں تو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وقت دیں آپکو خود ہی احساس ہو جائے گا۔“ طلال نے منتها کو دیکھتے کہا تھا جس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔

”میں کچھ کہہ رہا ہوں۔“ طلال نے اسکو گم صمدمیکھاتوبولا تھا۔

”جی! میں سن رہی ہوں۔ فکرناہ کریں آپکو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ میں نے ویسے بھی خوش فہمیوں کے سہارے جینا چھوڑ دیا ہے۔“ منتها نے استہزا نئیہ انداز میں کہا تھا۔ اور بکھرے کپڑے سمیٹنے لگی تھی۔

تم بکھر چکی ہو جانتا ہوں
میں سمیٹ لوں گا یقین کرو
طلانے اسکو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ منتها کی پشت پہ گھنے بال طلال کا ایمان ڈگمگانے کو کافی تھے۔

”میرا سب سے بڑا امتحان تو یہ ہیں۔“ طلال بڑبرٹا کے رہ گیا تھا۔ بدلتے خیالات منتها پہ کیسے واضح کرتا وہ ابھی خود الجھا ہوا تھا۔

”آپ کے سائز کے ہی ہو گئے فکر نہ کریں۔“ طلال نے منتہا کو کپڑوں پہ غور و فکر کرتے دیکھا تو بولا تھا۔ جس انداز میں بولا تھا منتہا اسکی بات پہ سرخ پڑ گئی تھی اور اسکو پچھے مڑ کے دیکھا تھا۔

”میں بھی اگر لاتا تو پر فیکٹ سائز ہی لاتا۔ اتنا یقین ہے مجھے خود پہ مگر یہ آنٹی صفیہ نے خریدی ہیں۔ وہ یا سر بھائی کے ساتھ آئی ہوئی تھیں مار کیٹ وہاں ملاقات ہوئی تھی۔“ طلال نے اسکی مشکل آسان کرنے کے ساتھ اسکے چھکے بھی چھڑوادیئے تھے۔

منتہا مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کرتی الماری کی طرف بڑھی۔

”اور ہاں شام کو گولڈن اور ریڈ ڈریس پہننا آپ۔“ طلال ایک اور حکم دیتا کمرے سے باہر جانے لگا تھا پچھے منتہا تملک کے رہ گئی تھی۔

”کیوں پہنوں میں آپکی مرضی کا؟ یہ کرو منتہا وہ کرو منتہا۔ جان لے لیں منتہا کی۔“ منتہا اوپھی آواز میں بھڑاس نکال رہی تھی جب عقب سے آواز ابھری تھی۔

”پہلے جان بن تو جاؤ پھر جان بھی لے لوں گا۔ فضول بولنے سے پرہیز کیا کریں۔“ طلال اسکے کان میں سر گوشی کرتا اسکی جان نکالتا یعنی شرط نکال کے واش روم میں چلا گیا تھا۔ پچھے منتہا اپنی سانسیں شمار کرتی رہ گئی تھی۔

”یہ آدمی مجھے واقعی ہی دن میں تارے دیکھا رہا ہے۔“ منتہا بڑ بڑا کے رہ گئی تھی۔

طلال مرتباً کو تیار ہونے کا کہہ کے اسٹڈی میں گھس گیا تھا۔ مرتباً نے سب کاموں سے فارغ ہو کے رقبہ بیگم کو دوائی دے کے اطمینان سے آنیہ کو تیار کیا اور مومنہ نے مرتباً کو نہ کہنے پر بھی تیار کرتے ہوئے بالوں کا اسٹائل بنائے دم لیا تھا۔

گھنٹہ ہونے کو تھا طلال اب انتظار سے بیزار ہوتا اٹھا اور کمرے میں گیا تھا۔ کمرے کے دروازے پر وہ تو ساکت رہ گیا تھا۔ مرتباً تیار کھڑی تھی گولڈن اور ریڈ جوڑے میں مبوس، تیکھے نقوش میک اپ کے بعد مزید جان لیوا ہو گئے تھے۔ گھنے اسٹریٹ بال نیچے سے کرل کئے گئے تھے، دونوں اطراف سے تھوڑے سے پکڑ کے پچھے کو باسندڑا لگایا تھا۔

ناک کی لوگنگ کی کشش ہنوز برقرار تھی۔

طلال کی آنکھیں خیرہ تھیں اسکا نیاروپ دیکھ کے۔ مرتباً آنیہ کو سنبھالتی بیڈ پر بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں کچھ ساتھ لے جانے والی بیگ میں رکھی تھیں۔
”لائیں اسکو مجھے دے دیں۔“ طلال نے پاس آکے مرتباً سے کہا تھا۔

”نهیں! بس ہو گیا ہے۔“ مرتباً نے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔ طلال دل سنبھالتا رہ گیا تھا۔ اسٹڈی میں بھی وہ خود کی بدلتی حالت پر خود کی سرزنش کرتا رہا تھا۔ یہ بات سچ تھی جس دن اسنے سنا کہ سعدیہ خالہ مرتباً کے برے میں الٹی سیدھی باتیں کر کے گئی ہیں۔ وہ اس دن سے ہی اسکونا محسوس انداز سے پروٹیکٹ کرتا پھر رہا تھا۔

آنیہ بھی ماں کو غور سے دیکھنے کے ساتھ اسکے بالوں اور جھمکوں سے کھیل رہی تھی۔
”آنیہ! بری بات۔“ طلال نے آنیہ کا اسکو بالوں سے کھیلتا کم کھینچتا زیادہ ہاتھ روکا تھا۔

”آنیہ! ممکے بال مت چھیر کرو۔ ”طلال صرف سوچ سکا تھا۔

آنیہ اس کارروائی میں منتہا کے کان کا جھمکانکال چکی تھی۔

”نو! آنیہ دو مجھے۔ ”منتہا ہوش میں آتی اس سے جھمکالے کے پہنے لگی تھی۔ تبھی طلال نے اسکے ہاتھ سے جھمکا پکڑا چکا تھا۔

”کیا کر رہے ہیں؟ ”منتہا اچھنے سے بولی تھی۔

طلال نے اس پہ ایک نظر ڈالی تھی مگر آج اس نظر میں غصہ کہی نہیں تھا۔

”سید ہی کھڑی رہیں۔ اتنی سپر وو من نہ بناؤ۔ ”طلال نے کہا تھا۔

”جی! میں تو کچھ نہیں کہہ رہی۔ میں خود کرلوں گی۔ آپ سے نہیں ہو گا۔ ”منتہا کے حلق خشک ہو تھا طلال کا بڑھتا ہاتھ دیکھ کے۔

”ایسا کونسا مشکل کام ہے۔ ”طلال بڑھا یا تھا۔

”اچھی لگ رہی ہیں۔ ”طلال نے مسکراہٹ کو چھپاتے کہا تھا۔ منتہا بے ہوش ہونے کو تھی۔

”نج۔ جی۔ کس کو کہہ رہے ہیں؟ ”منتہا بوكھلاہٹ میں بولی تھی۔ واقعی یہ آدمی اسکو دن میں تارے دیکھا رہا تھا۔

”میں اپنی زندگی میں صرف محرم رشتتوں کی تعریف کرتا ہوں اور آپ میری محرم ہیں۔ اس وقت آپ ہی موجود ہیں۔ ”طلال نے نرم لبجے میں کہتے ہوئے اسکے اور اپنے ماہین فاصلہ کم کیا تھا۔

منتہا کی ہتھیلیاں نم ہوئی تھیں۔ ماتھے پہ پسینے کی بوندیں محسوس ہوئی تھیں۔ حلق الگ خشک ہو رہا تھا۔ طلال نے اسکے بال کا نوں کے پیچھے کئے تھے۔

منتہا آنکھیں بھی زور سے بھینچ گئی تھیں۔

طلال مسکراتا ہوا اسکی کاروائیاں دیکھ رہا تھا۔ مرتبا کی صراحی دار گردن سے ہوتی نظر طلال کی نظر اسکے صبح چہرے پہ گئی تھی جو تھوڑا سرخ ہو کے دھنک جیسا دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔

”ہو گیا ہے! اب آنکھیں کھول سکتی ہیں آپ۔“ طلال نے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے اسکا دل دھڑکا دیا تھا جو فل اسپیڈ پکڑ چکا تھا۔ مرتبا بند آنکھوں سے محسوس کر سکتی تھی طلال مزید جھکا تھا۔

مرتبا کی برداشت ختم ہونے کو تھی۔ اسے لگا تھا کہ وہ ابھی رو دے گی یا گر جائے گی۔ طلال مزید قریب ہوتا اسکے اوپر جھکا تھا۔

”طلال!“ مرتبا نے ہمت کر کے اسکا نام پکارا کم چیخاز یادہ تھا۔ تبھی طلال آنسیہ کو اسکو لے کے الگ ہوا تھا۔

”بولیں!“ طلال نے حیرانگی سے اسکی تیز آواز کو سنتے ہوئے کہا تھا پھر ایک لمحے میں سمجھ آیا تھا۔

”آنکھیں کھول لیں ذرا اپنی۔ میں آنسیہ کو پکڑ رہا تھا۔“ طلال نے مسکراتے ہوئے مرتبا کو کہا تھا۔ مگر مرتبا کی آنکھیں کھولنے پہ مسکراہٹ کو دبا چکا تھا۔

”آپ کو کیا لگا تھا؟“ طلال نے مرتبا کو پریشان کرنی کی ٹھان لی تھی۔
”کک۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔“ مرتبا ہکلا تے ہوئی بولی تھی۔

”پانچ منٹ ہیں آپکے پاس خود کے حواس بحال کر کے مجھے گاڑی میں ملیں۔ لیٹ ہو رہا ہے۔“ طلال نے مرتبا کی بوکھلا ہٹوں پہ کہا تھا۔

”ویسے میں آنیہ کی تعریف جب بھی کرتا ہوں وہ بد لے میں ہنستی ہے یا مجھے۔۔۔“ طلال
واپس جاتے مڑکے بولا تھا۔

”طلال! جائیں آپ میں آ رہی ہوں۔“ منتها نے جلدی سے اسکی بات کاٹی تھی کیوں کہ وہ
جو کہنے والا تھا منتها کو پتہ تھا۔

طلال مسکراتا باہر نکل گیا تھا۔ اور آنیہ کے گال پہ پیار کیا تھا۔
”اف اللہ! یہ آدمی۔“ منتها خود کو سنبھالتی تیاری مکمل کر رہی تھی۔

کل کا ڈنر بہترین رہا تھا۔ طلال نے منتها کو دوبارہ تنگ نہیں کیا تھا ہاں البتہ وہ ملکی پھلکی گفتگو
کرتے گھر واپس آئے تھے۔ آنیہ واپسی تک سوچکی تھی۔ اگلی صبح طلال آفس کے لیے
تیار ہو کے ٹیبل پہ آیا تھا۔ تو منتها کچن سے ناشستہ لے کے نکلی تھی۔

”عمر آپکا ویٹ کر رہا ہے۔“ منتها نے طلال کو اطلاع دیتے ناشستہ اسکے سامنے رکھا
تھا۔ طلال ناشستہ دیکھ کے چونک گیا تھا۔
”منتها میرانا شستہ۔“ طلال نے منتها کو یاد دلا یا تھا۔
”طلال! آپکا ہی ناشستہ ہے۔“ منتها نے پر اٹھے اور آمیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا
تھا۔

”نوجوے! میں نے ایسا ناشستہ اپنی زندگی میں کبھی نہیں کیا۔ میں صرف بوائل ایگ یا جو س
کھاؤں گا۔“ طلال بگڑا تھا۔ oatsmeal

”بڈھے ہو جائیں گے جلدی۔ چلیں یہی ناشستہ کریں۔“ منتها نے کہا تھا۔
”وات!“ طلال کو یہ لفظ گراں گزرا تھا۔

”ہاں تو ایسا ہی ہو گانا۔ کھائیں یہ والا ناشستہ۔ سب کچھ کھانا چاہیے۔“ منتها بھی بضد تھی۔

”کیا ہو انہیں کھار ہے نا؟“ عمر کچن کے دروازے سے باہر آیا تھا سیب کھاتے ہوئے
منتها سے پوچھا۔

”میں نے بولا تھا پچھی کبھی نہیں کھائیں گے۔ انکو تو پراٹھے کا ذائقہ تک نہیں معلوم۔“ عمر
نے تاسف کا اظہار کیا تھا۔

”تو یہ پٹی تمہاری پڑھائی ہوئی ہے۔“ طلال نے عمر کو گھورا تھا۔

”اس کا کیا قصور ہے؟ آج سے آپ یہی بریک فاست کیا کریں گے۔“ منتها نے رعب سے
کھا تھا۔

”اے چھی! تھوڑا پیار سے کھلائیں۔ یہ زراضدی بچے ہیں۔“ عمر نے ہستے ہوئے کھا تھا۔

”تم تو ٹھہر و ذرا۔“ طلال کر سی گھسیتا اٹھا تھا اس سے پہلے کہ وہ عمر کی گردان دبو چتا عمر باہر
بھاگا تھا۔

”چھی! اپنے جلا د صفت شوہر کو سن بھال کے رکھیں۔“ عمر جاتے ہوئے کہنا نہ بھولا تھا۔

”کیا کر رہے ہیں آپ؟ بچہ ہے وہ۔“ منتها نے طلال کا بازو پکڑا کے روکا تھا۔

”میں بھی کسی کا بچہ ہوں۔“ طلال منتها کو گھورتے جلے لبھ میں بولا تھا۔

”تو میں کو نسا کچھ کہہ رہی ہیں کسی کے بچے کو ناشتہ ہی بنایا کے دیا ہے۔“ منتها بھی اسکے ہی
لبھ میں بولی تھی۔

”چھی سارا فتش کرو ایئے فا۔ چاچو! جلدی آئیں میں ویٹ کر رہا ہوں۔“ عمر منہ اندر کرتا
کہہ کے غائب ہو گیا تھا۔

”یہ میرے ہاتھوں بہت پٹے گا۔“ طلال نے منتها کو گھورتے ہوئے کھا تھا۔

”جلدی کھائیں آپ۔“ منتها نے طلال کو کھا تھا۔ طلال برے برے منہ بنا تا پراٹھے کا
نوالہ توڑ چکا تھا۔

اس دوران جو ہاتھوں پہ آئیں لگ چکا تھا اسکو دیکھ کے واپس نوالہ رکھنے لگا تھا۔

”کیا ہے آپ ناشتے نہیں کر سکتے صحیح سے کچن میں ہوں آپ خزرے کر رہے ہیں۔“ منتها نے اب پسٹر ابلاتھا۔

”کھارہا ہوں۔“ طلال نے خونخوار لبجے میں کہا تھا۔ تین نواں دل مار کے کھاتے طلال صاحب دس ٹشو استعمال کر چکے تھے۔

”کل یہ ٹشو باس ہی میں نے یہاں سے اٹھالیں ہے۔“ منتها نے دھمکی دی تھی۔

”عجیب غنڈہ گردی شروع کی ہوئی ہے۔“ طلال نے اب منتها کو گھورا تھا۔

”چائے بنائے کے لاتی ہوں میں۔“ منتها طلال کی گھوریوں سے ڈرتی اٹھ کے جانے لگی تھی۔

”مسنط طلال! معاف کریں۔ کیوں پیچھے پڑ گئی ہیں۔ میں دس بجے آفس میں چائے پیتا ہوں آپ نے جو ناشتہ کروادیا ہے اسکا بہت شکر یہ یہ مجھے لچ بھی نہیں کرنے دے گا۔“ طلال نے پلیٹ پرے کھسکاتے ہوئے کہا تھا۔ اور ہاتھ دھونے اور باقی چیزیں لینے کمرے میں چلا گیا تھا۔ منتها اسکو گھوریوں سے نوازتی ٹیبل صاف کرنے لگ گئی تھی۔

”آنٹی کی میڈیسین ختم ہو گئی ہیں وہ لے کے آنی ہیں آپ نے۔“ منتها نے کمرے سے آتے طلال کو یاد کروایا تھا۔

”ہوں!“ طلال ایک نظر اسے دیکھتا رقیہ بیگم کے کمرے میں گیا تھا۔

جہاں آنیہ صاحبہ بھی موجود تھیں۔ ان دونوں کو پیار کرتا وہ باہر نکلا تھا۔

منتها لاونج میں مصروف نظر آئی تھی۔ آج پہلے بار طلال کو یوں اسکو کچھ کہے بنا جانا بر الگ رہا تھا۔

”خیال رکھئے گا۔ میں پانچ بجے تک واپس آ جاؤں گا۔“ طلال نے ایک نظر بیوی کے دلفریب سراپے پہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

”جی! ٹھیک ہے۔“ منتها نے کہا تو طلال جانے کو مڑا تھا۔

”فی امان اللہ!“ منتها نے کہا تھا۔ طلال یہ الفاظ سن کے رکا تھا۔ پچھے مڑ کے بیوی کو دیکھا تھا جو سرپہ دوپٹہ اوڑھے اسکو ہی نرم نظر وں سے دیکھ رہی تھی۔ طلال بہکتے دل کو سنبھالتا باہر نکل گیا تھا۔

”فی امان اللہ۔ اللہ کی امان میں دیا۔“

اسکی بازگشت طلال کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ یہ تین الفاظ بڑے انمول ہوتے ہیں۔ ہر کسی کے لیے نہیں بولے جاتے۔ صرف انکے لیے بولے جاتا ہیں جو بڑے خاص ہوتے ہیں۔ دل کے قریب۔

محبوب چیزوں کو اللہ کی امان میں دیا جاتا ہے لیکن ان کا پاس کسی کسی کو ہوتا ہے۔ ہر کوئی ان الفاظ کے پچھے پچھے مان کو سنبھال نہیں سکتا۔ بعض اوقات ہم اپنے قیمتی الفاظ کسی ایسے انسان پہ گنوادیتے ہیں جو شاید اسکا مستحق ہی نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں غلط انتخاب چہروں کی رونقیں اور دل کا سکون چھین لیتے ہیں مگر طلال کو اس الفاظ کے پچھے چھپ مان نظر آگیا تھا۔ جس نے اسکو دوپل جکڑا تھا اور ملنے نہیں دیا تھا۔ طلال کو رشتؤں کامان رکھنا آتا تھا۔

وہ عام مرد نہیں تھا۔ وہ طلال وجہت تھا۔

آج طلال نے عمر کو بھی اپنے آفس بلا�ا تھا۔ وہ نیا پراجیکٹ شروع کر رہا تھا۔ جس میں وہ عمر کو ساتھ لے رہا تھا تاکہ اسکو تجربہ ہو سکے۔

ابھی بھی عمر آفس بیٹھا ہوا سخت بیزار تھا۔ طلال کام میں مصروف تھا کبھی کال پہ کسی کو بلا کر باز پرس کرتا۔ کبھی غلط کام پہ ڈانٹتا۔ کبھی ای میل تو کبھی فائلز چیک کر رہا تھا۔

”ماشاء اللہ! یہاں اتنے بندوں کو اکیلے سمجھانے والے گھر میں میری چچی کو نہیں سنجھا سکتے۔“ عمر نے کہا تھا جب سب ورکرز ڈانٹ کھا کے جا چکے تھے۔

”اس بات سے مطلب؟“ طلال نے ما تھے پہ شکن لاتے ہوئے کہا تھا۔

”ابھی تو تازہ تازہ واقعہ ہوا ہے۔ آپ بھول بھی گئے۔ چلیں میں بتا دیتا ہوں۔ پر اٹھا! اوٹلی پر اٹھا۔ جس کے قریب پھٹکنا ہمارے طلال چاچو گناہ سمجھتے تھے۔ آج ناشتے میں کھا کے آرہے ہیں۔“ عمر نے ہستے ہوئے کہا تھا۔ طلال آئل کا ایک بار پھر سوچ کے طیش آیا تھا۔

”چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔ ورنہ سارا غصہ تم پہ نکل جانا ہے۔ ویسے بھی یہ تمہاری کارستانی ہے۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”میں تو محض چچی حضور کو آپکی ڈائیٹ پہ غور و فکر کرنے کا مشورہ دیا تھا۔“ عمر نے معصومانہ انداز میں کہا تھا۔

”منہ بند رکھا کرو تم اپنابس۔ اسکی تو جا کے ذرا میں خبر لیتا ہوں۔“ طلال نے منتہا کا چہرہ تصور میں لاتے ہوئے کہا تھا۔

”اب کام پہ دھیان دو چپ چاپ۔ مجھے کل تک اس پراجیکٹ کی ساری ڈیلیز اپنے ٹیبل پہ چاہئیں۔ صرف دس بندے اس پراجیکٹ میں ہوں۔“ طلال نے اب سنجیدگی سے عمر کو بتایا تھا۔

عمر کا منہ بن گیا۔

”تمہارا نان سیر یس رو یہ اس پراجیکٹ کے دوران ناقابل قبول ہو گا۔ میں اپنے اصولوں کا پکا ہوں یہ تمہیں اچھے سے پتہ ہے۔“ طلال نے عمر کو وارن کیا تھا۔

”یار چاچو! پتہ تو ہے آپکو میں کام میں شکایت کا موقع نہیں دیتا۔ بڑا ہو گیا ہوں میں۔“ عمر نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں ماشاء اللہ! شادی نہ کروادیں تمہاری۔“ طلال نے ایک نظر اس خوب رو جوان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جو شہزادوں کی سی آن بان رکھتا تھا۔

”ہائے کیا خوب کہا کسی شاعر نے میرے لیے ہی

ہاتھ دفتر کی فائلوں میں الجھے رہے
وقت انکی زلفوں سے کھلنے کا تھا

عمر کی دہائیاں عروج پہ تھی۔

”بس بکواس کرو والو تم سے۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”اچھا! آج شام تھی صاحب سے مل کے فائل پہ کام شروع کرو۔ میں میٹنگ کے لیے جا رہا ہوں۔“ طلال فائل اور موبائل اٹھاتا عمر کو کہہ رہا تھا۔

”اوکے باس۔“ عمر نے کہا تھا۔ طلال اسکے کندھے کو تھپتھپاتا باہر نکل گیا تھا۔

”ابنی چڑیل کو تو ذرا مسیح کروں۔ آج رات شاپنگ پہ لے جا کے انکو تو منالیں۔ عمر کا تودن نہیں کٹ رہا چڑیل کی آواز سنے بغیر۔“ عمر نے کہتے ہوئے موبائل نکال کے کال ملائی تھی۔

”کیا ہے؟“ چھ بیلز کے بعد کال اٹھا کے لٹھ مار انداز میں پوچھا گیا۔

”پیار ہے!“ عمر نے برجستہ کہا تھا۔

”رونگ نمبر! یہاں نہیں ہے پیار۔“ مومنہ نے بھی جلا ہوا جواب دیا تھا۔

”اف! میرا مطلب تھا مجھے پیار ہے۔“ عمر نے تاسف سے اسکی نامنجھی پہ کہا تھا۔

”تو کرو جا کے جس سے ہے۔“ مومنہ کاموڈا بھی بھی خراب تھا۔

”سوچ رہا ہوں۔ اچھا! بتاؤ ابھی تک منہ بنایا ہوا ہے۔“ عمر نے اب آواز میں سنجیدگی لاتے استفسار کیا تھا۔

”آگیا خیال پورے الھارہ گھنٹے سات منٹ اور میں سینکڑ بعد۔“ مومنہ نے غراتے ہوئے کہا تھا۔

”نالاً لُق لِر کی! ابھی سات منٹ ہونے میں دو سینکڑ باقی ہیں۔“ عمر نے کہا تھا۔ دوسری طرف خاموشی چھائی تھی۔

”اچھا نا سوري۔ بس کرو اب۔ اچھا! آج شام میں اور تم شاپنگ پہ جا رہے ہیں۔ بل میں خود دوں گا۔“ عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”اے چڑیل سن رہی ہونا۔“ عمر نے جواب نہ پا کے پھر پوچھا تھا۔

”اب یہ بھی مذاق ہو گا کوئی۔“ مومنہ نے پوچھا تھا۔

”تمہاری قسم! سچی کہہ رہا ہوں اور تمہاری آج تک جھوٹ قسم نہیں کھائی میں نے، یہ تمہیں اچھے سے پتہ ہے۔“ عمر نے حقیقت بیان کی تھی۔ دوسری طرف خوشی سے برا حال ہوا تھا۔

”سچی عمر! یو آرمائے ہیرو۔ یو آربیسٹ۔“ مومنہ خوشی سے چیخ اٹھی تھی۔

”اچھا اچھا بس کان کا پردہ پھاڑنا ہے کیا؟ شام کو ریڈی رہنا۔“ عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں! ہاں اوکے مگر عمر۔“ مومنہ کچھ یاد آنے پہ بولی تھی۔

”جی! عمر کی چڑیل۔“ عمر نے لگاؤٹ سے کہا تھا۔ اس طرح کہنے پہ مومنہ کا دل دھڑکا تھا۔

”وہ دراصل ماموں لوگ آئے ہوئے ہیں آج۔“ مومنہ نے اطلاع دے کے دوسری طرف بجلیاں گرادي تھی۔

”واٹ! اور کون آیا ہے ساتھ؟“ عمر بیٹھے سے اٹھ گیا تھا۔

”وہ!“ مومنہ منمنائی تھی۔ وہ عمر کا مود بھی خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے عمر کو۔“ مومنہ جھنجھلانی تھی۔

”بولواب! مومنہ۔“ عمر غصے سے بولا تھا۔

”وہ ساتھ علی بھی۔ عمر اب تمہارے سامنے اسکو کیا علی بھائی کہنا ہے۔“ مومنہ غصہ دبا کے بولی تھی۔

”میرے سامنے تم اسکو ڈبل بھائی بولو۔ بھائی علی بھائی بولو۔ دماغ خراب کیا ہوا ہے اس لنگور نے میرا۔ تم ریڈی رہو میں گھر آ رہا ہوں دیکھتا ہوں کون روکتا ہے۔“ عمر ضد میں آتے ہوئے بولا تھا۔

”مگر عمر!“ مومنہ بلبلہ اٹھی تھی۔

”مومنہ میں نے لاسٹ ٹائم بھی کچھ بکواس کی تھی کوئی بحث نہیں۔ آرہا ہوں میں گھر۔“ عمر نے غصے سے کہتے بات ختم کر کے کال بند کی تھی۔

”اب کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔“ عمر نے سنجیدگی سے سوچا تھا۔ اور گھر کے لئے نکل پڑا تھا۔

پارت 14

جلتا بختا عمر بیس منٹ میں گھر تھا۔

”اسکو تو سالا بنانا ہی پڑے گا۔“ عمر نے اکرام چاچو کے پورشن میں داخل ہوتے جب علی کا قہقہہ سناؤ بے ساختہ بولا تھا۔

لاونچ میں محفل جمی ہوئی تھی۔ مومنہ کے ماموں اصغر بمعہ فیملی موجود تھے۔ فیملی میں انکی بیگم مہرین اصغر، بیٹا علی اصغر اور ایک بیٹی رو حینہ اصغر تھیں۔ مومنہ مہماںوں کو چائے سرو کر رہی تھی۔ افشاں اور رقیہ بیگم بھی مہماںوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

”السلام علیکم!“ عمر نے سب کو سلام کیا تھا اور مہماںوں سے ملتا آکے رقیہ بیگم کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ سب نے سلام کا جواب دیا تھا۔ مومنہ نے عمر کو دیکھتے ہوئے آنکھوں سے باز رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

”تمہیں تو دیکھ لوں گا میں بعد میں۔“ عمر اسکو گھور کے رہ گیا تھا۔
”و علیکم السلام! آگیا میرا شہزادہ۔“ رقیہ بیگم نے اسکو پیار سے ساتھ لگاتے کہا تھا۔

”جی آگیا ہوں۔ شہزادی کو لینے۔“ عمر ہستے ہوئے ہلکے سے بولا تھا۔

”کون شہزادی برخوردار؟“ رقیہ بیگم نے اسکو آنکھیں نکالی تھیں۔

”مومنہ!“ عمر نے قہقہہ لگایا تھا۔

”اچھا کل تک تو وہ تمہاری چڑیل تھی۔“ رقیہ بیگم نے اسکا کان مردڑا تھا۔

”اف! نہ کریں دادو۔ پلیز میں نے اور اس نے لازمی جانا ہے آج۔ مومنہ کو سر پر انزدینا ہے میں نے آج اسکی فیورٹ رائٹر کا مشاعرہ ہے۔“ عمر نے اتنی صفائی سے جھوٹ بولا کہ جھوٹ خود کہہ رہا تھا کہ مجھے پکڑو۔

”یہ رائٹر مشاعرے کب سے کرنے لگ گئے ہیں؟“ رقیہ بیگم نے اسکو ایک چت رسید کی تھی۔

”اچھا! مجھے اتنی خالص اردو نہیں آتی۔ بہر حال مجھے اسکو لے کے شانپنگ پر جانا ہے۔ پلیز مجھے اجازت دیں نا۔“ عمر نے اب منت کی تھی۔

”مہماں آئے ہوئے ہیں۔ بر الگتا ہے کل چلے جانا۔“ رقیہ بیگم نے ڈپٹا تھا۔

”پلیز آج لازمی جانا ہے۔ مجھے لازمی کچھ چیزیں چاہئیں۔ آج کا پلین ہے ہمارا۔“ عمر نے
منہ بنایا تھا۔

”اور سناؤ عمر؟ کیا کر رہے ہوں آج کل فارغ رہنے کے علاوہ۔“ علی کی آواز نے عمر کو اپنی
طرف متوجہ کیا تھا۔ اس طنز پر عمر تپ کے رہ گیا تھا۔

”پتے صاف کر رہا ہوں لوگوں کے۔“ عمر نے بھی اسی انداز میں جواب دیا تھا۔
”مطلوب!“ علی نے ہنسنے ہوئے پوچھا تھا۔

”یہ تمہاری سمجھ سے اوپر کی باتیں۔“ عمر کہاں باز آنے والا تھا۔
”بڑا شریر بچہ ہے۔“ اصغر صاحب بولے تھے۔

”بڑا ہو گیا ہوں میں اب انکل۔“ عمر کو بچہ لفظ سے چڑھوئی تھی۔
”ہاں بھی اصغر میاں! ماشاء اللہ میرا بچہ اب آفس بھی جاتا ہے۔ لاکھوں میں ایک ہے
۔“ رقیہ بیگم کے بولنے پر عمر کو ٹھنڈ پڑی تھی۔ عمر نے انکا ہاتھ چوما تھا۔ اسکے انداز میں
عقیدت ہی عقیدت تھی۔

یہ نام کے ہی رشتے نہیں تھے ان میں پیار، محبت، خلوص اور رشتہ کا ہر عنصر پایا جاتا تھا۔
”چھی! مجھے ذرا مومنہ کو لے کے جانا ہے تھوڑی دیر کے لیے۔ اسکی فیورٹ رائٹر آرہی
ہیں ایک ایگزیشن میں تو یہ آٹو گراف لے لے گی۔“ عمر نے اب افشاں بیگم نے کہا
تھا۔ جھوٹ بولنا پڑا اب سچ تور قیہ بیگم کو بتاچکا تھا
”ہاں جانے میں کوئی مسئلہ نہیں عمر۔ مگر مہمان آئے ہوئے ہیں۔“ افشاں بیگم نے کہا
تھا۔

انہوں نے کبھی ان دونوں کے گھونے پھرنے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ان دونوں
کی دوستی سے واقف تھیں اور ویسے بھی انکو عمر پر بھروسہ تھا۔

”ہاں ناں مماثلیک کہہ رہی ہیں۔ ”momne بھی بولی تھی۔ عمر کا دل کیا تھا momne کی جان لے لے۔

”کوئی بات نہیں افشاں جانے دو پنجی کو۔ پھر پتہ نہیں کب موقع ملے۔ ”مہرین بولی تھیں۔
”جی وہی میں کہہ رہا تھا۔ ”عمر منمنا یا تھا۔

”ہاں چلے جاؤ پھر تم لوگ۔ واپسی پہ جلدی آ جانا۔ ”رقیہ بیگم نے بھی کہا تھا۔

”جاوہ مومنہ۔ ”افشاں بیگم نے مومنہ کو کہا تھا۔ تو مومنہ عمر کو آنکھیں نکالتی روم سے اپنا موبائل لینے چلی گئی تھی۔

”میں بھی چلتا ہوں ساتھ۔ ”علی بھی بولا تھا۔

”بچو تمہیں تو میں لازمی لے کے جاؤں گا۔ ”عمر دانت پیس کے رہ گیا تھا۔

”ہاں جاؤ تم بھی۔ ”رقیہ بیگم عمر کے حال سے بے خبر بول رہی تھی۔
تبھی مومنہ آگئی تھی وہ سب خدا حافظ کہتے باہر نکلے تھے۔

”اچھا علی تم یوں کرو کہ اپنی گاڑی میں آ جاؤ۔ ہم نے راستے میں مومنہ کی دوستوں کو بھی پک کرنا ہے۔ ”عمر نے کمال مہارت سے کہتے مومنہ کو بھی حیران کیا تھا۔

”عمر میری دوستیں۔ ”مومنہ اچھنے سے بولی مگر عمر بات کاٹ گیا تھا۔

”ہاں لے جائیں گے ناں انکو بھی ساتھ اب کہہ تورہا ہوں۔ ”عمر نے چبا چبا کے کہتے مومنہ کو آنکھوں سے چپ رہنے کی وارنگ دی تھی۔

مومنہ منہ بنائے گاڑی کی طرف بڑھی تھی عمر نے وہی کھڑے گاڑی کو چابی سے ان لاک کیا تھا۔ مطلب صاف تھا چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔

”ہاں تو علی میں کہہ رہا تھا کہ تم اپنی گاڑی میں آ جاؤ۔ اڈریس بتاتا ہوں جانے میں دو گھنٹے لگ جائیں گے آٹھ آف سٹی ہے پروگرام۔ اچھا نوٹ کرو تم۔“ عمر نے سنجیدگی سے بولتے ہوئے علی کو بتایا تھا۔

”نہیں پھر تم چلے جاؤ۔ میں پھر کسی وقت چلا جاؤں گا۔“ علی نے ایک نظر مومنہ پر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

”اوکے!“ عمر کندھے اچکاتے اپنے کارنامے پر آگے بڑھ گیا تھا۔
”کیا تھا یہ؟“ مومنہ نے اندر آ کے بیٹھتے عمر کو گھورا تھا۔

”کیا کیا تھا۔ اچھا وہ۔۔۔ تمہارا علی بھائی تھا۔“ عمر نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔
”عمر نج جاؤ تم میرے ہاتھوں سے۔“ مومنہ نے اسکی گردن کو دونوں ہاتھوں سے دبوچا تھا لیکن گرفت نرم تھا۔

”تم سے نہیں ہو پائے گا مومنہ اکرام۔“ عمر نے اسکو ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جس انداز میں کہا تھا مونہ آنکھیں چراتے ہاتھ ہٹا گئی تھی۔

”وہ آرہے ہیں۔“ مومنہ نے عمر کو گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔ دانستہ نام نہ لیا تھا پھر بگڑ جائے گا۔

”کون؟“ عمر نے انجانے بننے کی اداکاری کی۔
”عمر!“ مومنہ چیخنی۔

”میں سامنے ہوں تمہارے۔“ عمر ایک ادا سے ہنسا تھا۔

”عمر! میں ان کی بات کر رہی ہوں۔ علی، علی بھائی کی۔“ مومنہ نے عمر کے زہریلے تاثرات دیکھتے ہوئے علی بھائی بولا تھا۔

”دیس لائک مائے گرل۔“ عمر نے اسکی نظر اتارتے ہوئے کہا تھا اور گاڑی گیٹ سے باہر نکالی۔

”مومنہ تمہیں کیا لگتا تھا میں نے اسکو ٹھیک اڈریس دینا تھا اگر وہ آنا بھی چاہتا۔ ایسا اڈریس دینا تھا چکر کھاتے گھر کو جاتا سیدھا۔“ عمر نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”سدھر جاؤ تم۔“ مومنہ نے اسکے کندھے پہ مارا تھا۔

”چانس ہی نہیں۔“ عمر نے ہستے ہوئے جس انداز میں کہا تھا مومنہ بھی ہنس پڑی تھی۔

مال میں داخل ہو کے سب سے پہلے وہ مومنہ کو فوڈ کورٹ میں لے گیا تھا کیونکہ اس نے لخ نہیں کیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ بکس شاپ میں چلے گئے تھے کیونکہ مومنہ بی بی بکس اور ناولز کی دیوانی تھی۔ وہ خوش تھی تو عمر بھی اسکی خوشی میں خوش گھوم رہا تھا۔
ابھی وہ بکس دیکھ رہی تھی تبھی پیچھے سے ایک نسوانی آواز آئی تھی۔

”عمر!“ یہ آواز رمشاء کی تھی عمر کی کلاس فیلو۔ جو اس وقت جیز کرتے میں کھلے بالوں کے ساتھ گلے میں مفلر ڈالے عمر کا بازو بھی پکڑ چکی تھی۔

”تم یہاں!“ رمشاء کھل کے مسکرائی تھی۔
مومنہ اسکو دیکھ رہی تھی بلاشبہ وہ پیاری تھی۔

”ہاں مومنی کو لے کے آیا ہوں۔“ عمر نے مومنہ کی دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جو ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”یہ میری کلاس فیلو ہے اور گروپ ممبر بھی رمشاء حسین اور رمشاء یہ میری کزن ہے مومنہ۔ ” عمر نے ان کا تعارف کروایا تھا۔

”ہیلو! ” رمشاء نے ہاتھ بڑھایا تھا۔

”ہیلو! ” مومنہ نے بھی تھوک نگتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔

مومنہ کی نظر رمشاء کے ہاتھ پہ تھی جس سے اسے عمر کا بازو پکڑ رکھا تھا۔ عمر نے اسکو کچھ نہیں کھا تھا۔ اب وہ نہس نہس کے اس سے باتیں کر رہی تھی۔

مومنہ کا دل کسی نے جیسے مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔ مومنہ انکے مسکراتے چہروں کو دیکھ رہی تھی تو یوں لگ رہا تھا آس بھین کی کمی ہو گئی ہوا حوال میں۔

” چلو عمر باقی سب بھی دوسرے فلور پہ ہیں۔ ” اب کے رمشاء نے عمر کو کھا تھا۔ مومنہ کا سانس اٹکا تھا۔

” اچھا! مومنہ تم تب تک بکس دیکھو میں آرہا ہوں باقی فرینڈز سے مل کے۔ چلو رمشاء۔ ” عمر مومنہ کو کہتا آگے گے بڑھ گیا تھار مشاء کے ساتھ۔

مومنہ کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ ما حوال اچانک سو گورا لگنے لگ گیا تھا۔ دل نے الگ ماتم مچایا ہوا تھا۔

” کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ ” مومنہ نے خود کو تسلی دینا چاہی تھی مگر آنکھوں سے پانی پھسلا تھا۔ مومنہ حیران پریشان گالوں سے بہتا پانی دیکھ رہی تھی۔

” اگر میری دلہن آگئی تو پتہ ہے کیا ہو گا۔ ”

” ہماری دوستی ختم ہو جائے گی اور اسکو تم ہرگز پسند نہیں آؤ گی۔ اور میری اور تمہاری بات چیت بند کروائے گی پہلے۔ ”

”ایسا ہی ہو گا۔ اور جو تم ہر وقت عمر کرتی گھومتی ہونا۔ سب سے پہلے اس کو بند کروائے گی۔ ترس جاؤ گی میری شکل کو۔“

”مومنہ جنابہ وہ یہی دوستی سب سے پہلے ختم کروائے گی۔“

عمر کے کچھ دن پہلے کہے جملوں کی بازگشت اسکی رہی سہی ہمت ختم کر گئی تھی تو کیا وہ مقام آگیا ہے۔

کیا وہ دن آن پہنچا ہے؟

مومنہ سوچ سوچ کے وہی رکھے بینچ پہ بیٹھ گئی تھی۔ آنسو گرے تھے پاس سے گزرتے لوگوں نے اسکو ترم آمیز نظروں سے دیکھا تھا مومنہ نے خود کو سنپھالا تھا۔

”وہ بس میرا دوست ہے اور کچھ نہیں۔“ مومنہ آنسو صاف کرتے خود کو تسلی دی تھی۔

”پھر اتنا دکھ کیوں ہو رہا ہے مومنہ بی بی۔ رونا کس بات کا؟ عمر کو رمشاء کے ساتھ دیکھ کے اب تو مان لو تم اپنی فیلنگر کو عمر کے لیے کیا فیل کرتی ہوں۔“ مومنہ کے اندر سے آواز گو نجی تھی جیسے کوئی اس پہ نہس رہا ہو۔

وہ یہاں کیا کرنے آئی تھی وہ سب بھول چکی تھی۔ ہاں لٹا بہت کچھ چکی تھی۔ اسے اچانک خسارے کا احساس ہوا تھا۔

عمر دوستوں کے درمیان بیٹھا تھا سب گپیں لگا رہے تھے۔ عمر کا دھیان البتہ کہیں اور اڑکا ہوا تھا۔ مومنہ پہلے کبھی اکیلے نہیں آئی تھی۔ عمر نے موبائل نکال کے مومنہ کو میسج کیا تھا۔

”مومنہ!“ عمر نے مسیح ٹائپ کر کے سینڈ کیا مگر دوسری طرف موجود وجود خود سے ہی بیگانہ بیٹھا تھا۔ پانچ منٹ گزر گئے مگر کوئی جواب نہ آیا تھا۔

مومنہ عمر کے مسجد کا جواب نہ دے ایسا کبھی نہ ہوتا تھا۔

”مومنہ! لے لیں بکس میں آرہا ہوں بس۔“ عمر نے پھر مسجد کیا تھا۔

دوسری طرف سے ہنوز خاموشی تھی۔

”عمر! چھوڑ موبائل کو اتنے دنوں بعد ملے ہو تم۔“ رمشاء نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔

”ضروری کام تھا۔“ عمر نے کہا تھا۔

دوسری طرف پھر خاموشی تھی دو منٹ بعد عمر اٹھا تھا۔

”اچھا یار میں نکلتا ہوں اب۔ فیملی کے ساتھ آیا ہوں کل ملتے ہیں۔ میں پر اجیکٹ ڈیبلنز ای میل کر دوں گا۔“ عمر نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ سب نے اوکے کہا تھا۔

عمر نے قدم بک شاپ کی طرف بڑھا دیئے تھے جہاں مومنہ تھی۔ وہ تیزی سے جا رہا تھا جب شاپ کے باہر رکھے بیٹھ چکے وہ بیٹھی نظر آ رہی تھی۔

”مومنہ! تم ٹھیک ہو۔“ عمر اسکے قریب جا کے بولا تھا۔

”ہوں! ہاں۔“ مومنہ عمر کو دیکھ کے غائب دماغی سے بولی تھی۔

چہرہ سرخ تھا وہ خود کو کپوز کرتی ہوئے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔

”چلو آؤ! باقی کی شانپنگ بھی کر لیتے ہیں۔“ عمر نے اسکا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

مومنہ نے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ عمر کو اسکا انداز ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

”نہیں! مجھے واپس گھر جانا ہے۔“ مومنہ نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا تھا کہیں وہ اسکی آنکھوں کا حال نہ پڑھ لے۔

”اگر اسکو میری بدی فیلنگز کا پتہ لگ گیا تو یہ میرا مذاق اڑائے گا یقیناً۔ مجھے یہ سب اپنے تک رکھنا ہو گا۔ ہم تو بس دوست ہیں اچھے۔ ”momne خود سے عہد میں مصروف تھی۔

”momne! ”عمر اس سے کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ اپنے خیالات میں تھی۔
”میں واقعی پریشان ہوں۔ بتاؤ کیا ہوا ہے؟ ”عمر اب سنجدگی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ عمر جو اسکی رمز رمز سے واقف تھا اب کیسے انجان رہتا۔
”یہ میرا اتنا خیال رکھتا ہے۔ میں کیوں اس کے ساتھ ایسا کر رہی ہوں؟ اسکو اپنی زندگی میں انتخاب کا اختیار ہے۔ momne عقل سے کام لو سنبحا لو خود کو۔ ”momne پھر خود کو کوس رہی تھی۔

”momne! تم واقعی مجھے اب پریشان کر رہی ہو۔ ”عمر نے پھر فکر مندی سے کہا تھا۔
”ٹھیک ہوں میں! تم ایویں بات کو بڑھا رہے ہو۔ شام ہونے والی ہے۔ اسلئے کہہ رہی ہوں چلو گھر چلتے ہیں۔ ”momne نے اب اسکا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تھا جو اسکی فکر میں گھلی جا رہا تھا۔

”اور تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں تمہیں ایسے ہی گھر لے جاؤں گا۔ ”عمر momne کو نارمل ہوتا دیکھ کے اسکے ہاتھ پہ دباؤ ڈالتے ہوئے بولا تھا۔
momne نے زیادہ کچھ نہیں خریدا تھا گھر والوں کے لیے چیزیں لیں تھی تھوڑی مگر وہ اپنا مودا اچھا کر چکی تھی۔

واپسی پہ انکورات کے سات نج گئے تھے۔ وہ سیدھا منہا کی طرف آئے تھے کیونکہ مومنہ گول گپے لائی تھی۔ اس کو یقین تھا طلال اس وقت گھر پہ نہیں ہو گا مگر طلال بھی اپنی روٹیں تبدیل کر چکا تھا۔

“آگئے تم دونوں۔” منہا نے ان دونوں کو اندر آتے دیکھا تو پوچھا تھا۔
“جی دیکھیں کیا لائی ہوں۔ چاچو تو نہیں آئے ابھی؟؟” مومنہ نے ڈرتے ہوئے پوچھا تھا۔

“آگئے ہیں۔” منہا نے بتایا تھا۔
“خبردار جو میرا نام لیا کہ میں نے لے کے دیئے ہیں گول گپے۔ اسکو دیں مجھے۔ بھیا کی جان بچپہ۔” عمر نے مومنہ کو وارن کرتے ہوئے آنسیہ کو پکڑا تھا اور رقیہ بیگم کے کمرے میں چلا گیا تھا۔

“اف! چاچو نے دیکھ لیا تو ڈانٹ پکی۔” مومنہ نے منہا کو کہا تھا۔
“دیکھ کیا رہی ہو وہ اسٹڈی میں ہیں چلو کچن میں دو منٹ میں ہم نے کھالینے ہیں۔” منہا نے بھی منہ میں آتے پانی کے ہاتھوں مجبور کو کے مشورہ دیا تھا۔

“ہاہا! چلیں جلدی کریں۔” مومنہ ہنسنے ہوئے کچن کی طرف بڑھی تھی۔

ابھی گول گپوں کا پانی الگ نکال کے اور گول گپے بھر کے رکھے تھے پھر گول گپے ابھی دو ہی منہ میں ڈالے کے وہ لطف اندوڑ ہو رہی تھیں مگر اس سے پہلے کہ وہ مزید گول گپوں کے ساتھ انصاف کر تیں جب قریب ہی عقب سے آواز گونجی تھی۔

”یہ کیا فضول چیز کھارہی ہیں آپ دونوں؟“ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے جھخٹھلا تے بولا تھا۔

”گول گپے!“ منہانے گول گپے کو نگلتے ہوئے اسکی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

”محصے تو جیسے پتہ ہی نہیں تھا ان۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا۔

وہ صفائی کا شیدائی تھا۔ انکو باہر کی چیزیں کھاتا دیکھ جھخٹھلا اٹھا تھا۔

”تو پوچھا کیوں تھا؟“ منہانے جواب دیا تھا اور اپنے اس سر پھرے شوہر کو دیکھا تھا۔

”چھوڑیں! نہیں کھائے گا کوئی بھی یہ۔ مومنہ یہ یقیناً تم لائی ہو گی اور وہ بھی اس نالائق کے ساتھ۔ اسکو تو میں پوچھ لوں گا۔“ طلال نے دونوں کی طبیعت صاف کی تھی۔

”کھائیں آپ بھی۔ اتنے مزے کے ہیں۔“ منہا اسکے قریب سر کی تھی اور ایک گول گپے اسکی طرف بڑھایا تھا۔

”ارے پچھے کریں اسکو۔“ طلال پچھے ہٹا اور منظر سے غائب ہو گیا۔

”آجاؤ مومنہ بھاگا دیا تمہارے پچا کو۔“ منہانے ہنسنے ہوئے گول گپا منہ میں ڈالا تھا۔

”مان گئے پچھی آپکو۔“ مومنہ نے کھاتے ہوئے کہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ گول گپا منہ میں لے جاتی گلوز چڑھے ہاتھوں نے سامنے پڑا باول پیچھے کیا تھا اور گول گپا پکڑ کے واپس رکھا تھا۔

”چلیں اور فورا منہ ہاتھ دھوئیں جا کے۔“ طلال نے پانی والا باول اور پلیٹ پیچھے کھسکاتے ہوئے کہا حکم دیا تھا۔

”آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟“ نتھا صدمے سے بولی تھی۔

”ویسے ہی کر رہا جیسے آپ کو نظر آ رہا ہے۔ بلکہ میرے ساتھ آئیں میں خود حلوا تاہوں ” طلال نے اسکو کہتے کلائی سے پکڑا تھا۔

وہ اس صورت حال پہ بوکھلائی تھی۔

تبھی عمر نے اندر جہا نکا تھا۔

”ہو گیا پو لیس کاریڈ۔“ عمر نے مسخرے پن سے کہا تھا۔

”تم کل آفس میں دو گھنٹے مزید کام کرنے والے ہو یہ تمہاری سزا ہے اور مومنہ تم ہزار بار میں منع کیا ہے ناں تمہیں۔ جا کے پڑھواب۔ عمر اگر مومنہ کا گلا ذرا بھی خراب ہوا تو تمہاری خیر نہیں ہے۔“ طلال نے باری باری سب کی کلاس لی تھی۔

”میرا کیا قصور ہے بھلا؟“ عمر منمنا یا تھا۔

”اپنے ڈرامے میرے سامنے تو نہ کرو تم ہرگز بھی۔“ طلال نے اسکو گھر کا تھا۔

”مومنہ تم تو آؤ ذرا یہ سب تمہاری فرمائش پہ ہوا ہے۔“ عمر نے اب مومنہ کو گھورتے ہوئے کہا تھا اور دونوں باہر نکل گئے تھے۔

”آپ بھی تشریف لائیں گی ادھر یا یہ کام بھی میں انجام دوں۔“ طلال نے اب کھڑی بیوی کو دیکھا تھا۔

منتها نے پچھے پڑی پلیٹ کو دیکھا تھا۔

”یا وحشت!“ طلال اسکی حرکت سے جھنچھلا یا تھا۔ ہاتھ پکڑ کے منتها کو آگے کیا تھا اور سنک پہ اسکے ہاتھ دھلوائے تھے۔

”ہو گیا ہے آپ کا؟“ منتها نے برہم انداز میں طلال کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

طلال نے شلیف صاف کی اور گول گپوں کی ذات کا نام و نشان مٹا دیا تھا۔

”نہیں اب ہوا ہے۔“ طلال نے گلواز اتار کے پھینکے تھے۔

”آپ بدلتے رہے ہیں نا۔“ منتها کی آواز پہ طلال نے سراٹھا یا تھا۔ وہ اس وقت بچوں کی طرح منہ بچلا کے کھڑی بہت کیوٹ لگی تھی۔

”اپنی اداؤں پہ کنٹرول رکھیں مسز۔“ طلال کے دل سے آواز نکلی تھی۔

”اچھا کس چیز کا؟“ طلال ملکے سے ہنسا تھا مگر غصے میں منتها دیکھنا سکی تھی۔

”جونا شستہ کرو یا تھا میں نے آپکو۔“ منتها نے اسکونا راضگی دیکھاتے ہوئے کہا تھا۔

”بیگم ہمارا رشتہ برابری کا ہے۔ میں ایسا ہر گز بزدل انسان نہیں جو اپنے بیوی سے بدلتے لینے پہ اتر آؤں۔ گھر ہے یہ آپکا۔ بندہ بھی حاضر ہے کرتی رہا کریں تجربات مجھ غریب پہ۔“ طلال نے نرمی سے کہا تھا۔

”برابری کا رشتہ۔“ منتها نے طلال کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں برابری کا۔ مرد کی ذمہ داری اگرچہ بڑی ہوتی ہے اسلئے اسکا درجہ بلند ہے عورت سے مگر اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ وہ اپنی عورت کو ستائے یا عورت کو ٹارچر کرے اور اسکو کمتر سمجھے ایسی ذہنیت کے لوگ میرے نزدیک مرد کہلوانے کے حقدار ہی نہیں۔ ”طلال نے بیوی کو نرم نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”بہت شوق چڑھا ہے ناں طلاق کا۔ دیکھوں گا کون تم کو اپنائے گا۔“ یہ آخری الفاظ تھے اسکے پہلے شوہر کے فون پہ۔

”اس سے کون کرے گا شادی؟ کوئی ضرورت مند ہی کرے گا اب شادی۔“

”مگر بہن طلاق یافتہ ہونے کا طعنہ ساری عمر سننا پڑے گا دوسرا شوہر کو نسا اسکو تخت پہ بیٹھائے گا۔“

ایسے اور بہت سے جملے اس پہ برسائے گے تھے۔ منتہا کی آنکھوں میں نمی آئی تھی۔ خود کا بھرم رکھنے کو وہ کمرے کی طرف بھاگی تھی۔

طلال اسکی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔ اسکو ایک منٹ لگا تھا سمجھنے میں اسنے سرد آہ خارج کی تھی۔

اور ٹھیک ایک منٹ کا وقت اسکو سنبھلنے کا دیتا ہوا کمرے میں اسکے سر پہ جا پہنچا تھا۔ منتہا نے اسکی موجودگی محسوس کر کے آنکھوں کو صاف کیا تھا۔

”میں ہرگز اپنی بیوی کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ خود کو فضول کی سوچوں سے تکلیف دے۔“ طلال کی آواز پہ سر اٹھایا تھا کہ وہ کیسے اسکی بات کو سمجھ گیا تھا۔ منتہا کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ طلال نے لب بھینچے تھے۔

”نہیں میں تو ویسے ہی بس۔ آپ چلیں میں آتی ہوں۔“ منہانے اسکو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اسکو ایک منٹ اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جانتا تھا وہ خود کو یوں نہیں ہاگان کرے گی۔

”یار مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ میں نے لنج بھی نہیں کیا تھا۔“ طلال نے منه بنا تے کہا تھا۔

”کیا! لنج کیوں نہیں کیا؟“ منہاب اٹھ کے اسکے سامنے آئی تھی۔
”وہ دراصل میری بیوی نے اتنا ہیوی ناشستہ کروایا تھا لنج کی گنجائش نہیں نکلی۔“ طلال نے سچی بات بتائی تھی۔ اس نے دن میں صرف دو کپ چائے ہی پی تھی۔
”طلال!“ منہا صدمے سے بولی تھی۔

”کیا طلال طلال؟“ طلال نے اسکے انداز میں کہا تھا۔
”پھر میں اگر کچھ کہوں گی تو آپ نے کہنا ہے میں بھی بچہ ہوں کسی کا۔“ منہانے اسکو صحیح والے بات کا حوالے دیتے ہوئے ظذر کیا تھا۔
”مجھے واقعی بھوک لگی ہوئی ہے۔ چلیں اب۔“ طلال نے کہتے اسکا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گیا تھا۔

کمرے میں اس وقت طلال کا وکیل، عمر اور طلال خود موجود تھا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔

”دیکھو طلال! سارے ڈاکیو منٹس ابھی تو ہمارے ہی حق میں ہیں۔ باقی شواہد بھی مگر۔۔۔“ مرزا صاحب بولے تھے۔

”مگر کیا؟“ عمر نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ اس وقت وہ کہیں سے وہ لاپرواہ عمر نہیں لگ رہا تھا۔

”وہ اگر ضد میں آیا تو قانون کو ہاتھ میں لے کے کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔ جو میں اسکے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں اور طلال کا بھی یہ کہنا ہے۔“ مرزا صاحب نے عمر کو بتایا تھا۔

”میں ہر چیز برداشت کر لوں گا مگر وہ انسان میری فیملی تک نہیں آئے یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔“ طلال کے چہرے میں بلا کی سختی تھی۔

”ٹھیک ہے میں نوٹس بھیجو ارہوں کل۔ باقی دیکھتے ہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔“ مرزا صاحب نے کہا تھا۔

”ٹھیک ہے اسکے بعد میں وہاں کام شروع کرنے کا آرڈر دیتا ہوں۔“ طلال نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

مومنہ لاوچج میں بیٹھی ہوئی تھی جب عمر اسکو آوازیں دیتا اندر آیا تھا۔
”مومنہ۔ کدھر ہو یار۔“ عمر آوازیں دیتا اندر آیا تھا۔

”ادھر ہی ہوں کیوں شور مچا رہے ہو۔“ مومنہ نے کہا تھا۔

”تم نہ نظر آؤ تو میں شور ہی مچاتا ہوں۔“ عمر نے اسکو ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
”ہاں میں چڑیل جو ہوں تمہارے لیے۔“ مومنہ نے منہ بنایا تھا۔ اسکو کل والی بات بھولی نہ تھی مگر اسنے خود کو سمجھا لیا تھا۔

”کوئی شک۔ تم ہمیشہ میری ہی چڑیل رہو گی۔ مگر فی الحال اٹھو میری شرط پر میں کرو۔“ عمر نے کام بتایا تھا۔

”سیدھا کام بتاؤ مکھن کیوں لگا رہے ہو۔“ مومنہ جلی تھی۔

”تم سے کام کروانے کے لیے مجھے کسی مکھن و کھن کی ضرورت نہیں تم انکار کرو زرا افشاں پچی کی ڈانٹ ہی کام آجانی میرے۔ مکھن ایویں ضائع کروں پھر میں۔“ عمر نے اسکی بات کو چٹکیوں میں اڑایا تھا۔

”باتیں کرو والو تم سے۔“ مومنہ نے اسکو منہ بنائے کہا تھا۔

”اچھا آؤ جلدی کرو مجھے دیر ہی رہی ہے۔“ عمر نے کہا تھا۔

”کہاں جانا ہے۔“ مومنہ نے اسکے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا تھا۔

”آفس کے کام سے جانا۔“ عمر نے کہا تھا۔

اور دونوں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

”میں شاور لینے جا رہوں کوئی سی بھی شرط نکال کے کردو پر میں۔“ عمر کہتا آگے بڑھ گیا تھا۔

جب مومنہ تھوڑی دیر بعد پر میں ہوئی شرط اندر لے کے آئی تھی تو اس کافون زورو شور سے نج رہا تھا۔

مشی کانگ دیکھ کے مومنہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ وہ فون کو اگنور کر کے اسکی شرط رکھ رہی تھی مگر فون کرنے والی ڈھیٹ بنی ہوئی تھی شاید۔

”مومنہ کس کافون آرہا ہے بتانا زرا۔“ عمر کی آواز ڈریسنگ روم سے آئی تھی۔
”رمشاء کا۔“ مومنہ نے اچھا خاصامنہ بگاڑا تھا۔

”اچھا سن لو اٹھا کے۔“ عمر نے وہی سے آواز دی تھی۔

”ہیلو۔“ مومنہ نے کال اٹینڈ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”ہیلو۔ کون ہیں آپ۔ یہ تو عمر کافون ہے۔“ رمشاء کی آواز میں حیرانگی تھی۔

”عمر بھی میرا ہی ہے۔“ مومنہ کا دل چاہا کہہ دے مگر کہہ نہیں سکتی تھی۔

”میں مومنہ ہوں۔ عمر کی کزن۔ وہ واش روم میں ہے اسلئے کال میں اٹھا لی ہے۔“ مومنہ نے لٹھ مار انداز میں کہا تھا۔

دوسری طرف اس اطلاع پر رمشاء جو پہلے ہی ایک دن پہلے مومنہ کو دیکھ کے چوکنا ہو گئی تھی اب غصے میں آئی تھی۔

”اچھا۔ وہ اسکی چھوٹی کزن مومنہ جس سے کل ملاقات بھی ہوئی تھی۔ اکثر عمر تمہارا ذکر کرتا ہے۔ زیادہ تر تمہاری بے وقوفیوں کا۔“ رمشاء کے لب ولجھ میں بیزاری تھی۔
”مومنہ لب بھینچ گئی تھی۔“

”ویسے تم اسکے کمرے میں کیا کر رہی ہوں۔ تم ایک سمجھدار لڑکی ہو ان باتوں کا خیال رکھا کرو۔ لڑکے تو ہوتے ہی لا پرواہ ہیں تم ہی خیال رکھا کرو۔“ وہ ویسے بھی تمہیں اپنی

کزن سمجھتا ہے صرف۔ وہ بھی بیو قوف سی۔ ”رمشاء نجانے کو نسے بد لے لینے کے موڑ میں تھی۔

اہانت سے مومنہ کے گال سرخ پڑ گئے تھے مگر وہ چپ تھی۔
”ہیلو سن رہی ہو تم۔ ”رمشاء کی آواز پہ مومنہ نے کچھ کہنے کے باوجود دکال بند کر دی تھی ایک آنسو ٹوٹ کے اسکی گال پہ پھسلاتھا اور وہ منہ پہ ہاتھ رکھتی اپنے پورشن کی طرف بھاگی تھی۔

عمر جب باہر آیا تو کمرے میں کوئی نہیں تھا موبائل بیڈ پہ پڑا ہوا تھا۔
”عجیب لڑکی ہے۔ ”عمر بڑبر کے رہ گیا تھا۔

عمر تیار ہو کے باہر نکلا تھا میں سے کوتا کے آفس کے لیے نکل چکا تھا۔

آنچ پورے دودن ہو گئے تھے عمر نے مومنہ سے بات نہیں کی تھی۔ مومنہ کا کڑھ کڑھ کے بر احال تھا۔ کچھ اس دن والی کال کا غصہ تھا۔

”ایک میسج بھی نہیں کیا۔ ”مومنہ کمرے میں گھومتی کھولتے ہوئے سوچ کے رہ گئی تھی۔
”بدل گیا ہے۔۔۔ پری کی باتیں کرتا تھا۔ مجھے ہی سمجھ نہیں آئی۔ ”مومنہ روہانی ہوئی تھی۔ لاکھ وہ خود کو سمجھا رہی تھی کہ وہ بس دوست تھے ان دونوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں تھا ہاں وہ شروع سے ساتھ تھے بس اسلئے وہ اٹچ تھے ایک دوسرے سے۔

تو کیا برمشاء!!!

یہاں سکون ختم ہو رہا تھا۔

اسکو سکون نہیں مل رہا تھا۔ چاہ کر بھی وہ عمر کے لئے اپنی بدی فیلنگز کو اگنور نہیں کر پا رہی تھی ناہی عمر کو بتا سکتی تھی۔

”مجھے ہی سمجھنا ہو گا۔ اگر کسی اور کو پتہ چل گیا تو بہت برا ہو گا۔ دوستی کو پیار میں بد لئے کیا ٹک۔ یہ میرا خود ساختہ جذبہ ہے اسکا گلہ بھی مجھے دبانا ہو گا۔ ”مومنہ نے نجانے کتنی بار یہ عہد خود سے کیا تھا۔

”جب اس کو میری پرواہ نہیں تو مجھے کیوں ہو۔ ”مومنہ خود کو تسلی دیتی بکس کھول کے بیٹھ چکی تھی۔

اس بات سے بے خبر وہ عمر جس کا دن اسکو دیکھے بغیر مکمل نہیں ہوتا وہ کیسے اس کو دیکھے بغیر رہ سکتا تھا۔

پرسوں عمر جب آفس تولوٹا تو کافی رات ہو گئی تھی۔ آتے ہی مومنہ کو میسج کیا تھا۔ مگر اسکا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تھکا ہارا وہ افشاں بیگم کے پورشن میں گیا تھا۔ شکر تھا وہ لوگ جاگ رہے تھے۔ چھپا کو سلام کیا اور مومنہ کا پوچھا تھا۔

”کمرے میں ہو گئی وہی دیکھ لو۔“ افشاں نے عمر کو کہا تھا۔ تو وہ اسکے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اندر دا خل ہوا تو وہ بیڈ پہ ار د گرد کتا بیں بکھیریں خود سورہی تھی۔ چہرے پہ وہی معصومیت تھی جس کا گرویدہ ہو گیا تھا عمر محسن آج سے نہیں بہت دیر پہلے کا۔

کچھ لٹیں چہرے پہ بکھریں ہوئی تھی۔ لب آپس میں پیوست تھے۔ ناک پہ ناگواری سی تھی جیسے خواب میں بھی عمر سے لڑ رہی ہو۔

عمر ہنسا تھا۔ اسکی کتابیں سمیٹ کے رکھتا اس پہ کمفر ڑڈال کے ایک نظر اسکو آنکھوں کے راستے دل میں اتارتالائیٹ بند کر کے باہر آگیا تھا۔
رات اب سکون سے گزر جانی تھی۔

اگلی صبح اسکو پر اجیکٹ کے لیے ارجمنٹ کال آگئی تھی وہ بھاگ بھاگ وہاں کے لیے نکل گیا تھا۔ زیادہ مشکل یہ تھی اسکے لیے کہ ایک ہی ٹائم پہ اسکا فائنل پر اجیکٹ آگیا تھا ایکز امز سے وہ فارغ ہو چکا تھا اور ساتھ ہی آفس کا پر اجیکٹ طلال اسکو دے چکا تھا۔

پھر واپسی رات گئے ہوئی تھی اپنے پورشن کی طرف جاتے اسکے قدم بے اختیار اس پورشن کے آگے رکے تھے جہاں اسکا سکون رہتا تھا۔ لاونچ کی کھلی کھڑکی سے وہ لاونچ میں گھومتی پھرتی زندگی نظر آگئی تھی۔

کھلا سافر اک پہنا ہوا تھا بالوں کی ٹیل پونی کی ہوئی تھی۔ وہ چیزیں سمیٹنی گھوم رہی تھیں۔

ماتھے پہ ناگواری تھی جو عمر دور سے بھی دیکھ سکتا تھا۔

”عمر کی چڑیل کو کیا ہوا ہے۔ لگتا ہے موڈ خراب ہے۔ چلو چل کے دیکھتے ہیں۔“ وہ خود سے کہتا ایک عجیب سے خوش کن احساس میں گھر اخود کو کہتا اندر کی طرف جانے لگا تھا
مگر

بھلا ہو فون کا جو اس وقت میں نجح اٹھا تھا۔

عمر نے ناگواری سے فون کو دیکھا تھا اور بات کرتے اور کام کرتے وقت کا پتہ نہیں چلا تھا۔ اور رات کا ایک نجح گیا تھا وہ لیپ ٹاپ بند کرتا ایک سرد آہ خارج کرتا بیڈ پر گیا تھا اب صرف وہ اسکی تصویر یہی دیکھ سکتا تھا۔ موبائل کھول کے اسکی پس دیکھتے اسکے اندازوں پہ ہستا وہ کب سویا اسکو پتہ نہیں چلا۔

مگر آج وہ ہر صورت اس سے آمنے سامنے ملنا چاہتا تھا۔ جھنجھلاہٹ سے اسکا بھی برا حال تھا ایسا پہلے کبھی بھی نہ ہوا تھا کہ وہ مل نہ سکے ہوں۔

عمر آفس سے نکلا تھا اور رخ بیکری کی طرف کیا تھا مومنہ کے من پسند چاکلیٹ لیے تھے اور ساتھ اور کچھ لیتا وہ گھر کو آیا تھا۔

ابھی چار نجح رہے تھے وہ آفس سے جلدی نکل آیا تھا۔

فریش ہو کے وہ چاکلیٹ کا ڈبہ لئے مومنہ کے ہاں گیا تھا۔ جو خلاف توقع کمرے میں موجود تھی۔

”یہ آجکل محترمہ کمرے میں کیوں پائی جا رہی ہیں۔“ عمر خود سے کہتا اسکے کمرے میں گیا تھا۔

اندر دا خل ہوا تو مومنہ ایک طرف چئیر پہ بیٹھی ہوئی تھی بکس بیڈ پہ بکھیر کھی تھی اور خود کر سی پہ آڑھی تر چھپی بیٹھی ہوئی فل بیزار تھی۔

”یہ ہر وقت بکس بیڈ پہ پھیلے کے رکھنے سے زیادہ اچھی تیاری ہوتی ہے کیا۔ نیافار مولہ لگ رہا ہے کوئی۔“ فریش سا عمر اندر آیا تھا۔

مومنہ کی آنکھیں اسکو دیکھ کے ایک پل کو حیران ہوئی تھیں۔

ان دو دنوں میں مومنہ اپنا کتنا خون جلا چکی تھی۔ مگر وہ تو فریش گھوم رہا تھا۔

مومنہ کو تو مانو آگ لگ گئی تھی۔

”تم سے مطلب۔“ مومنہ نے سیدھے ہوتے کہا تھا۔

”ارے ارے۔ دو دن بعد مل رہے ہیں آج بھی لڑائی کا موڑ ہے۔“ عمر نے اسکے سامنے کر سی پہ بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”میں کسی سے نہیں لڑ رہی ہوں۔ آج بھی نہ آتے تم۔ مصروف ہو گے کہی۔“ مومنہ نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی تھی۔

”جنما رضی مصروف ہوں مگر تمہارے لئے وقت نکال لیتا ہوں۔“ عمر نے اسکے چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہونہے ڈرامے۔“ مومنہ بڑا کے رہ گئی تھی۔

”اچھا یہ دیکھو میں کیا لایا ہوں تمہارے لیے۔“ عمر نے مومنہ کے سامنے ایک ڈبہ کیا تھا۔

”مجھے نہیں چاہیے کچھ بھی۔“ مومنہ نے بے رخی سے کہا تھا۔

عمر اسکارویہ دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پہلے مومنہ اس سے ایسے بات نہیں کرتی تھی۔

”وجہ۔۔۔ چپ چاپ کھولو اس کو۔“ عمر نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”میں کہہ رہی ہوں نا۔ مجھے پڑھنا ہے اب۔“ مومنہ نے نظر میں چراتے ہوئے کہا تھا
ورنہ دل کر رہا تھا اسے یوں نہیں دیکھتی رہے اور پہلے والی مومنہ بن کے اس سے باقیں کرے
۔۔۔ مگر اب بہت کچھ بدلتا گیا تھا۔

اس کا عمر بدلتا گیا تھا۔ یہ سورج اسکا دل دہلانے کو کافی تھی۔

”مومنہ کھولو اسکو پھر پڑھ لینا۔“ عمر بھی بصدر تھا۔

مومنہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایسے نہیں ٹالے گا۔

اس نے اسکے ہاتھ سے باکس لے کے کھولا تھا۔

جو نہیں وہ باکس کھلا تھا اندر سے ایک سپرنگ اچھا تھا جس پر ایک مینڈک بیٹھا ہوا تھا
۔۔۔ مومنہ زور سے چھینی تھی۔

عمر کا قہقہہ نکلا تھا۔ بس یہی مومنہ کا صبر جواب دے گیا تھا۔

”بس مل گیا سکون۔۔۔ یہی چاہتے تھے تم۔۔۔ ”مومنہ چھپنی تھی۔

عمر اسکے رد عمل پہ بوکھلا گیا تھا پہلی بار تو نہیں اس کے ساتھ اس نے مذاق کیا تھا مگر یہ رد عمل پہلی بار آیا تھا۔

”مومنہ میں۔۔۔ ”عمر نے اسکا بازو پکڑ کے اسکو سمجھانا چاہا تھا مگر مقابل اس حالت میں نہ تھا۔

”میں کیا ہوں تمہارے نزدیک ایک بیو قوف لڑکی۔ جس کا مذاق بنائے تمہیں اچھا لگتا ہے۔ ہے نا۔ بناؤ بناؤ میرا مذاق۔ میں ہوں ہی ایسی پاگل۔ بد ہو۔۔۔ بیو قوف لڑکی۔ میرا مذاق بنائے تمہیں تسلیم ملتی ہے۔ ”مومنہ چھپ رہی تھی۔ وہ اس دن کال والی فرستہ پیش اب نکال رہی تھی۔

عمر کا اب غصے سے براحال تھا۔

”کیا بکواس کر رہی ہو۔ خبردار آئندہ اپنے بارے میں ایسی بکواس بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ ”عمر نے ہاتھ میں پکڑا دوسرا چاکلیٹ کا ڈبہ پھینکا تھا۔

”میں تو ایسے ہی کہوں گی۔ مجھے بات ہی نہیں کرنی اس وقت کسی سے۔ ”مومنہ غصے اور جلن سے خود کو ہلاکان کر رہی تھی۔

”واقعی ہی اس وقت تم اپنے ہوش میں نہیں ہو۔ ”عمر بھی غصے سے کہتا باہر نکل گیا تھا۔ پچھے مومنہ سر تھام کے رہ گئی تھی۔

طلال آفس میں بیٹھا تھا جب اسکا موبائل بجا تھا۔ تبے ہوئے اعصاب مزید تن گئے تھے۔

”جی مرزا صاحب کیا پورٹ ہے۔“ طلال نے فون اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔
”میں نوٹس بھیجو اچکا ہوں غیر قانونی قبضے کا۔ اور ساتھ میں تنیہہ کی گئی ہے کہ کنسٹرکشن
کے کام کو روکا گیا تو قانونی کارروائی کی جائے گی۔“ مرزا صاحب نے مطلع کیا تھا۔

”ٹھیک ہے میں نوٹس کا جواب کا انتظار بس آج تک کر سکتے ہیں وہ بھی آپ کے کہنے
پھر۔ وہ جس مقاش کا انسان ہے وہ باز ہرگز نہیں آئے گا۔ اسکی خاطر میں کنسٹرکشن نہیں
رکوا سکتا۔“ طلال نے ناگواری سے کہا تھا۔

”میں سمجھ سکتا ہوں مگر فی الحال انتظار کرنا ہی مسئلہ کا حل ہے۔ باقی تم پر یشان نہ ہو کچھ
گڑبرڑ ہوئی تو اسکو سن بھال لینگے۔“ مرزا صاحب نے سمجھایا تھا۔

”میں جانتا ہوں اسکو اچھے سے وہ آسانی سے نہیں مانے گا۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے
کب مانتے ہیں بھلا۔ خیر دیکھ لیتے ہیں۔ خدا حافظ۔“ طلال نے کہتے فون بند کیا تھا۔

اور پھر سوچوں کو جھکلتے ہوئے توجہ سامنے کھلے لیپ ٹاپ اور فائل پہ ڈالی تھی اور ای
میل چیک کرنے لگ گیا تھا۔

ابھی تھوڑا ہی وقت گزر اہو گا کہ فون پھر بجا تھا۔ ماتھے پہ بل لئے اسنے موبائل کو دیکھا
تھا۔

بیوی کالنگ۔ ماتھے کا بل خود بخود صاف ہوئے تھے اور چہرے پہ ایک نرم ساتاڑا بھر آیا
تھا۔

”اسلام علیکم۔“ منتها کی آواز فون سے ابھری تھی۔

”وعلیکم اسلام۔ جی فرمائیں کون؟“ طلال چئیر کے پشت پہ سر ٹکاتا جان بوجھ کے یہ سوال کر گیا تھا۔

”اور کتنی خواتین کو نمبر دیا ہوا ہے جنہوں نے فون کرنا تھا۔“ منتہا کون پہ بھر گئی تھی۔

”ابھی تو فی الحال ایک بیوی کے پاس ہی تھا۔“ طلال نے اسکے ہی لمحے میں کہا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی بیزاری اڑنچھو ہو گئی تھی۔

”فی الحال سے کیا مراد ہے۔ کیا ارادے رکھتے ہیں آپ۔“ منتہا نے مزید انکوائری کی تھی۔

”میری چھوڑیں۔ آپ نے کیسے یاد کر لیا آج۔“ طلال نے سیدھے ہوتے اس سے پوچھا تھا۔

”فرماش کرنی تھی کہ واپسی پہ گول گپے لے کے آنا آپ۔“ منتہا فون کو خونخوار نظر وہ سے گھورتے بھڑاس نکالی تھی۔

”یہ فرماش اتی ہی ناممکن جتنا چاند تارے توڑ کے لانا۔“ طلال نے بغیر کسی لحاظ کا صاف جواب دیا تھا۔

”مجھے امید بھی یہی تھی آپ سے۔“ منتہا اسکے جواب پہ کھول کر رہ گئی تھی۔

”توجب پتہ تھا تو ایسی بے تکی فرماش کی تک۔“ طلال نے اسکو مزید بولنے پہ اکسایا تھا۔

”آپ گھر آئیں زرا آپ کی خبر لیتے ہیں۔“ منتہا غصے میں صرف یہ کہہ پائی تھی۔

”کمال ہے لوگوں کی بیویاں فون پہ کہتی ہیں آج گھر آئیں آپکے لئے سرپرائز ہے۔ یہاں ڈرایا جا رہا ہے۔“ طلال نے تاسف سے کہا تھا۔

”آپ کو نسادر گئے ہیں۔“ منتها نے استزدھیہ ہنستے ہوئے کہا تھا۔
”جب پتہ ہے شوہرجی دار ہے تو ناقص کوششیں کر کے خود کو ہلاکان کیوں کرتی ہیں۔“ طلال نے اسکو مزید بتایا تھا۔
”دماغ خراب ہو گیا تھا۔“ منتها جملی۔

”شکر کریں جلدی پتہ چل گیا ہے۔“ طلال نے پین پکڑتے ہوئے دو بدو کہا تھا۔
”طلال۔“ منتها صدمے سے بولی۔
”اچھا اچھا۔ بتائیں کیا بات ہے۔“ طلال اب سنجیدہ ہوتا اصل بات پہ آیا تھا۔
”وہ میں اماں کی طرف جانا ہے۔ آنٹی نے تو اجازت دے دی ہے مگر اماں کا کہنا ہے شوہر سے پوچھ کے آؤں۔“ منتها نے اپنا پلیٹ بتایا تھا۔

”تو چلے جائیں گے۔ میں بے جا بندیاں نہیں لگاتا۔“ طلال نے سامنے پڑے لیپ ٹاپ پہ ای میل کرتے کہا تھا۔

”نہیں آپ تو مصروف ہیں۔ مجھے عمریا اکرام بھائی کہہ رہے تھے وہ چھوڑ دیں گے۔ میں اور آنیہ ویسے بھی دودن وہاں رکے گے۔“ منتها نے بتایا تھا۔
”نوجے۔“ طلال اسٹے کاسن کے ہتھے سے اکھڑا تھا۔

”کوئی کہی بھی نہیں رک رہا۔ میں آنیہ کے بغیر رہنے کا عادی نہیں ہوں۔ اور آنیہ آپکی عادی ہو گئی ہے۔“ طلال نے صاف جواب دیا تھا۔
”مگر طلال۔“ منتها وہانسی ہوئی۔

”مگر کیا۔ میں ایک دودن تک ٹائم نکالتا ہوں یا کل آپ ریڈ رہنا آفس آتے وقت آپ دونوں کو آنٹی لوگوں کی طرف ڈراپ کر دوں گا اور واپسی پہ پک کر لوں گا۔“ طلال نے ایک منٹ میں پلین بنایا تھا۔

”دودن کی بات تھی جانے دیں آپ۔“ منتها بضد ہوئی۔

”بیگم کہہ دیا ہے نا۔ اب بحث نہ کریں۔ مجھے آفس کے لوگ مشکوک نظر وہ سے دیکھ رہے ہیں کہ باس کا کہی افیئر چل رہا ہے۔“ طلال مسکراہٹ نے چھپاتے ہوئے منتها سے کہا تھا۔

”طلال حد کرتے ہیں آپ۔ انکوپتہ ہے انکا باس کتنا کھڑوس ہے کہی انکی دال نہیں گل سکتی۔“ منتها نے چڑ کے کہا تھا۔

”آہا اب کھڑوس بھی بن گیا ہوں۔ خیر اجازت دیں اب۔ ایک میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ باقی گھر آکے آمنے سامنے ڈسکس کرتے ہیں۔ کہ دال گلتی ہے یا نہیں۔“ طلال نے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

”ٹھیک ہے فی امان اللہ۔“ منتها نے اسکو خدا کی امان میں دیا تھا۔

یہ فقرہ ہمیشہ کی طرح طلال نے آج بھی صرف سنا نہیں بلکہ اسکو محسوس بھی کیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب غصہ تھوڑا ٹھنڈا ہوا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھامومنہ کو۔ وہ کیوں بلا وجہ اپنے بچپن کے دوست کو کیوں خود سے دور کر رہی ہے۔

”ٹھیک ہے اسکو انتخاب کا حق تھا اسے رمشاء کو پسند کر لیا۔ میں کیوں ناحق اسکے ساتھ ایسا سلوک کر کے اپنی دوستی خراب کر رہی ہوں۔“ مومنہ نے خود کو ڈپٹا تھا۔

”مگر وہ رمشاء نہیں چاہتی کہ میں اس سے فرینک ہوں۔“ اندر سے ہی آواز آئی تھی ساتھ آنسو بھی نکلے تھے۔

”لیکن عمر تو نہیں چاہتا ایسا۔ وہ ابھی بھی تمہاری کئیر کرتا ہے تم نے بچارے سے فضول میں لٹرائی کر لی۔“ پھر اندر سے آواز آئی تھی جو عمر کے حق میں تھی۔

”ہاں نا بلکل ٹھیک بات ہے میں کیوں ناحق اپنی دوستی خراب کر رہی ہوں۔ میں منا لو گنگی عمر کو۔“ مومنہ کہتے ہوئے اٹھی اور باہر نکل گئی تھی۔
پندرہ منٹ کی محنت کے بعد دل لگا کے آس شیک بنایا اور عمر کے کمرے کے آگے پہنچ گئی تھی۔

ہمت کر کے اندر گئی تو کمرہ اپنی اصل حالت میں موجود نہیں تھا۔ ہر چیز ادھر سے ادھر بکھری پڑی تھی۔ خود وہ بیڈ پہ بیٹھا ہوا شاید خود کو کمپوز کر رہا تھا۔ سر کو ہاتھوں میں گرا یا ہوا تھا۔

”عمر۔“ مومنہ اسکے سر پہ پہنچ کے منمنائی تھی۔ عمر نے سر اٹھا کے اسکو دیکھا تھا۔ عمر کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں جو بتارہی تھیں کہ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا ہے۔

جبیں نظروں سے عمر نے مومنہ کو دیکھا تھا مومنہ اندر تک دہل گئی تھی۔
”مجھے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔“ عمر نے زہریلے لبجے میں کہتے بات ختم کی تھی اور اٹھ گیا تھا۔

”عمر پلیز بات تو سن لو میری غلطی تھی۔“ مومنہ نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے عمر سے کہا تھا۔

”سہی ہے مومنہ بی بی پہلے سامنے والے کو زندہ مار دو اپنے لفظوں سے بعد میں خیال آ جائے گا کہ غلطی ہوئی تھی۔“ عمر نے اسکو کٹلیے لبجے میں اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”کیا کہا تھا تم نے۔۔۔ میں تمہیں پاگل سمجھتا ہوں۔ کب میرے لفظوں میں تم نے اپنے لئے یہ محسوس کیا ہے۔ اور میرے کس عمل سے تمہیں لگا کہ میں تمہیں تکلیف دے کے خوش ہوتا ہوں۔“ عمر جان لینے پہ تلا ہوا تھا۔

”عمر۔ میری بات سنو۔“ مومنہ نے عین اس کے دل والے مقام پہ اپنی ہتھیلی رکھی تھی۔ عمر آنکھیں میچ گیا تھا۔ کیسی خواہشیں تھیں عمر کی مومنہ کو لے کے مگر اسنے ایک

سینڈ میں اسکی محبت کی تذلیل کر دی تھی جو اس نے ابھی تک مومنہ پہ ظاہر بھی نہ کی تھی۔

”مومنہ میرا امتحان لیا کرو۔ یہ نہ ہو کسی دن میں برداشت نہ کر پاؤں۔“ عمر نے تھکے ہوئے لبھ میں کھا تھا۔ پچھلے پندرہ منٹ نے عمر کو تھکا ڈالا تھا جو بیگانگی وہ مومنہ کی آنکھوں میں اپنے لئے دیکھ چکا تھا اس نے اسکو تھکا ڈالا تھا۔

”میں تمہیں کیا سمجھتا ہوں تمہیں بتا دوں گا۔ مگر دس دن بعد۔۔۔ صرف دس دن صبر کر لو۔“ عمر نے اب مضبوط لبھ میں کہتے ہوئے اسکے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اس سے الگ ہوا تھا اور دھاڑ کی آواز سے کمرہ بند کرتا باہر نکل گیا تھا۔

منتہا آنیہ کو طلال کے سپرد کر کے رقیہ بیگم کے کمرے میں تھی۔ اس وقت رات کے نونج رہے تھے۔ طلال بیڈ پہ لیپ ٹاپ رکھے کام کر رہا تھا ساتھ آنیہ کو سنبھال رہا تھا۔ آنیہ کھیل کم رہی تھی باپ کو زیادہ تنگ کر رہی تھی۔ طلال نے اسکا صرف ایک ہی حل نکالا تھا۔ وہ تھی جو آنیہ کو چپ کر کے بیٹھا سکتی تھی۔

”آنیہ تمہاری ممانے تمہیں بہت خراب کر دیا ہے۔“ طلال بگڑا تھا۔ طلال کو رائزہ کا میوزک زیادہ پسند نہ آیا تھا۔ جبکہ آنیہ اسکونہ صرف انجوائے کر رہی تھی بلکہ ساتھ ساتھ باپ کو دیکھ دیکھ کے ہنس کے اپنی خوشی کا اظہار بھی کر رہی تھی۔

”ہاں جی آنیہ کے بابا کو بھی میں ہی بگاڑ رہی ہوں۔“ اندر آتی منتہا نے طلال کی بات اچک لی تھی۔

”میری فکر نہ کریں میں خراب ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔“ طلال نے بیوی کے سراپے کو ایک نظر دیکھا تھا۔ جس کو دیکھ کے آجکل نظریں بے قابو ہونے لگ گئی تھیں

”آپ کا تو پتہ نہیں البتہ میں خراب کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میرا ہاتھ سدھارنے میں ہوتا ہے۔“ منتها نے کمال مہارت سے جواب دیا تھا۔ طلال بلبلہ اٹھا تھا۔ ”کہنا کیا چاہتی ہیں مسز۔ میں کو نسا بگڑا ہوا تھا جو آپ سدھار رہی ہیں۔“ طلال نے ابر و اچکا کے پوچھا تھا۔

”میں تو ایسا کچھ نہیں کہا۔ آپ تو وہ حساب کر رہے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا۔“ منتها بے مزید گولہ باری کی تھی۔

”یقین کریں میں کوئی حساب نہیں کر رہا۔ بھی اگر حساب کرنے پہ آیا تو آپ کو ہی اعتراض ہونا ہے۔“ طلال نے جس لمحے میں کہا تھا منتها کا وارڈروب سے کپڑے نکالتا ہاتھ ایک منٹ کو رکھا تھا۔

”میں آپ سے کچھ بھی ایکسپیکٹ کر سکتی ہوں اب ویسے۔“ منتها نے طلال کا نائٹ سوٹ صوفے پہ نکال کے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”زاوضاحت کرنے پسند کریں گے آپ اس بات کی۔ آخر کو نسا ظلم میں کر چکا ہوں۔“ طلال ٹیک چھوڑ کے سیدھا ہوتے بولا تھا۔

”یہ پوچھیں کیا نہیں کیا غصب خدا کا گول گپے کپڑے کے آپ نے ضائع کر دیئے۔“ منتها کا غصہ پھر عود آیا تھا۔

”اس بات کا طعنہ دینا کب چھوڑینگی آپ محترمہ۔ ویسے میں شرمندہ ہر گز نہیں ہوں جو بھی میں نے کیا تھا۔“ طلال نے ناک پہ مکھی تک نہ بیٹھنے دی تھی۔

”اس کا مجھے اندازہ ہے۔“ منتها نے جل کے کہا تھا۔

”پکڑیں آنیہ کو مجھے کام ہے اب۔“ طلال نے کہا تھا کیونکہ اسکو ای میل پہ نیو میل کا نو ٹیفیکشن شو ہورہا تھا۔

مگر آنیہ محترمہ لیپ ٹاپ کی سکرین پہ پوری توجہ جمائے بیٹھی تھی سکرین آگے سے ہٹنے پہ روپڑی تھی۔

”ارے ارے۔ کیوں رلا رہے ہیں میری بیٹی کو۔“ منتها اب بیڈ پہ آئی تھی۔

”میں کچھ بھی نہیں کہا۔ آپ ماں بیٹی کا رونا اوپر ہی پڑا ہوتا ہے۔“ طلال نے پھر طنزیہ کہا تھا۔

”ویری فنی۔ ادھر دیں زرالیپ ٹاپ۔ ویٹ کریں آپ۔ میں اسکا دھیان بٹا کے آپ کو دیتی ہوں پھر کر لشیے گا کام۔“ منتها نے کہتے ہوئے آنیہ کو گود میں لیا اور طلال کے برابر آکے بیٹھ گئی تھی۔ طلال کا دھیان پھر اسکی بل کھاتی بالوں کی گھنی چلیا پہ گیا تھا۔

”اس دوران میرا دھیان تو لازمی بٹ جائے گا۔“ طلال کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔

طلال اب ٹیک لگا کے ان دونوں ماں بیٹی کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا جو رائمسز کو انجوائے کرتے ہوئے ساتھ ساتھ خود بھی گنگنا رہی تھی۔

کتنا مکمل منظر تھا۔ طلال نے بے ساختہ اس لمحے کی نظر اتاری تھی۔

”منتها۔“ طلال کی گھمبیر آواز گونجی تھی۔

”جی۔“ منتها نے پچھے منہ کر کے بولا تھا پھر آگے دیکھنے لگ گئی تھی۔ آنیہ ماں کو رائمسز کی متوجہ دیکھتے ہوئے خود بھی پر جوش ہو رہی تھی۔

”دنیا میں معجزے ہوتے ہیں کیا۔“ طلال نے اسکے روشن چہرے کو آنکھوں میں سموتے ہوئے سوال کیا تھا۔

”یہ کیسا سوال ہے۔“ منتها نے اس سوال پہ کہا تھا۔

”سوال سوال ہوتا ہے۔ ایسا ویسا نہیں ہوتا۔“ طلال نے کہتے ہوئے تکیے پر گرتے اسکے بالوں کو ہاتھ سے انکو چھوڑتا۔

”پتہ نہیں ہوتے ہوں گے۔ میرے ساتھ تواب تک کوئی مجرزہ نہیں ہوا۔“ منتها کا لہجہ ایک دم عجیب ہوا تھا۔ اور اس نے بیدردی سے اپنے نچلے ہونٹ کو کچلا تھا۔ طلال کا دل گویا کسی نے مٹھی میں بھینچا تھا۔

”میں ایک بار شدت سے دعا بھی کی تھی کہ کوئی مجرزہ ہو جائے۔“ یہ کہتے ہوئے منتها کی آواز بھر اگئی تھی۔ طلال اسکی بات کا مطلب سمجھ کر لب بھینچ گیا تھا۔

”کچھ رشتے اتنے عارضی اور کھوٹ والے ہوتے ہیں کہ وہاں مجرزات کا ہونا بھی ممکن نہیں ہوتا۔“ طلال نے اسکے انداز میں کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کے انگوٹھی سے اسکا نچلا ہونٹ آزاد کروایا تھا۔

منتها اسکے لمس پر اندر تک کانپ ہے رہ گئی تھی۔ شرم سے دھری ہوتی وہ سرخ پڑی۔
”شاید۔“ منتها خود کو سنبھالتے صرف اتنا کہہ پائی تھی۔

”مجزے کسی واقعہ کسی رشتے یا کسی کامیابی کی روپ میں ہی سامنے آتے ہے۔ ہاں مگر ہم کبھی کبھار اسکو سمجھ نہیں پاتے۔ ہمیں انکو اپنے ساتھ ہونے والے واقعات میں انکو ڈھونڈنا پڑتا ہے۔“ طلال نے منتها کا جھکا سر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہم اگر کسی دلدل میں پھنسنے سے نجات ہیں وہ بھی مجزہ ہی کہلاتا ہے۔ خیر آپکو سمجھنے میں کچھ وقت لگے گا۔ بہر حال میرا اس چیز پر یقین ہے کہ کبھی کبھار مجرزات ہوتے ہیں۔ ایسے جن کا آپ گمان بھی نہیں کرتے۔“ طلال نے بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اگر منتها اسکی بات سمجھ سکتی تو خود کو خوش قسمت ترین تصور کرتی۔

طلال وجہت نے اسکو اپنی زندگی کا مجزہ کہہ کر معتبر کیا تھا۔
یہ تو محبت سے بھی اوپر کی بات تھی۔

ایسے معجزات واقعی ہی کسی کسی کی زندگی میں ہوتے ہیں۔

”اسلنے کہتے ہیں خدا سے نیک اور اچھے گمان رکھنے چاہیے۔“ منتها نے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ویسے خود کے بارے میں کیا خیال ہے آپکا۔ میری رائے کے مطابق آپ نہایت منفی سوچتی ہیں۔ اور ایسی سوچیں سوائے اذیت کے اور کچھ نہیں دیتی ہیں۔“ طلال آج کسی اور، ہی مودع میں تھا۔

”یہ کیسی بحث شروع کر لی ہے۔“ منتها نے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو اسکی طرف، ہی متوجہ تھا۔

”بیوی سے بحث کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس میں نہ تو دوسرے سے جیت کر اسکو ہارانے

کی کوئی آرزو ہوا اور نہ ہی کسی کو بیچاڑا لیکھنا مقصد ہو۔ یہ تو ایک دوسرے کی طرف رسائی کا سفر ہوتا ہے۔“ طلال نے منتها کی بات کا جواب دیتے ہوئے بیٹی کو دیکھا تھا وہ بھی اب لگتا ماں باپ کی باتیں سن کے بورہور ہی تھی۔

”ماننا پڑے گا آپکو آپ نہ صرف آنسیہ کا دھیان بٹاچکی ہیں ساتھ اسکے بابا کا بھی۔“ طلال نے کہا تھا بات کرتے اسکی چہرے میں ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

”بس اسکے سونے کا ٹائم ہو گیا ہے۔“ منتها نے آنسیہ کو جمائیاں لیتے دیکھا تو طلال کو بولی تھی۔

”ہمم۔ چلیں سلانیں آپ اس کو۔“ طلال اس سے کہتا لیپ ٹاپ اٹھا کے صوفے پہ آگیا تھا۔

رات عمر خود کو پر سکون کرتا کام کی طرف متوجہ ہونے میں تھوڑا سا کامیاب ہوا تھا۔ وہ اب لیپ ٹاپ کھولے کام میں لگا ہوا تھا۔

جب میسنجر پہ فیری کالنگ کی اسکرین ابھرنا شروع ہو گئی تھی۔
اسکی بیل کا شور سن کے عمر موبائل کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
اس نام کی آئی ڈی اسکی پوری فرینڈ لسٹ میں نہیں تھی۔
جو نہی عمر نے کال اٹینڈ کرنے کو ہاتھ بڑھایا کال بند ہو چکی تھی۔ عمر سر جھٹکتا کام میں لگ
گیا تھا۔

تبھی میسج ٹون بھی تھی۔ عمر نے بیزاری سے فون کو دیکھا تھا۔
دو منٹ یو نہی گزرے پھر کال آنے لگ گئی تھی فیری کی۔ مگر پہلے کی طرح پھر بند ہو گئی
تھی۔ عمر اب کے فون کرنے والی کی طبیعت صاف کرنے کا سوچتا موبائل اٹھا پکا تھا۔
جب میسنجر کھولا تو فیری کی مسٹ کال تھی۔ یہ وہ دیکھ ہی پہلی بار رہا تھا۔
تبھی نظر میسج پہ پڑھی تھی۔
ہیلو--

ہائے عمر--

”ایم یور یونی فیلو۔“

تین میسجز تھے۔ عمر نے ماتھے پہ بل لاتے پوچھا تھا کہ کہی کوئی جانے والا نہ ہو۔
”کون؟“ عمر نے لکھ کے سینڈ کیا تھا۔ ٹھیک دو سینڈ بعد جواب آیا۔
”آپ خود گیس کریں۔“ جواب پڑھ کے عمر تپا تھا۔
”دیکھیں مجھے الہام نہیں ہوتا۔ سیدھے سے بتائیں ورنہ میسج نہ کریں۔“ عمر کا میسٹر پہلے ہی
گھوما ہوا تھا۔ وہ میسج سینڈ کر کے موبائل رکھتا پھر کام میں بزی ہو گیا تھا۔
”ارے ہینڈ سم غصے کیوں کرتے ہو۔ آپ کے چاہنے والے۔“ میسج آیا تھا۔
”تو ٹائم نکال کے تھوڑا سازہ رکھا کے مر جاؤ۔ مجھے ضرورت نہیں چاہنے والوں کی۔“ عمر
نے بغیر کسی لحاظ کے کہا تھا۔

”اگر ہم مر گئے تو ہمارے دوستوں کو کیا ہو گا۔“ رونے والی ایموجی کے ساتھ مسیح آیا تھا۔
”تم جو کوئی بھی ہواب مسیح آیا تو میں بلاک کر دوں گا۔“ عمر نے اب کے دھمکی دی تھی۔
”صاحب پیار سے ڈر نہیں لگتا بلاک ہونے سے لگتا ہے۔“ دوسری طرف سے ڈائیلاگ
مارا گیا تھا۔

”اور یہ کیا مسٹر۔“ لڑکیوں والی دھمکیاں دے رہے ہو۔ ارے بی جی دار بنو کوئی ڈھنگ کا
مسیح کرو لڑکی نے خود تمہیں مسیح کیا ہے اور تم ہوا سکو بلاک کی دھمکیاں دے رہے ہو
سڑو۔“ بھڑاس نکالی گئی تھی۔ عمر کا بھی ما تھا ٹھنکا تھا سڑو سے۔

”کیا تم جو کوئی بھی ہو مجھے جانتے ہو۔“ عمر کی دلچسپی اب بڑھی۔
”ہاں ناں بہت اچھے سے۔ ارے آپ مجھے فیری کہہ سکتے ہیں مسٹر ہینڈ سم۔“ مسیح میں
بے تکلفی کا عنصر موجود تھا۔ عمر کے ماتھے پہ بل آئے۔

”فیری سے چڑیل بننے میں کتنا وقت لگتا ہے۔“ عمر کا مسیح دوسری طرف موجود وجود کو
چوکنا کر گیا تھا۔

”کیا مطلب۔“ مسیح موصول ہوا۔ عمر نے اب کے دانت پسیے تھے۔
”مطلب یہ کہ مومنہ اکرام اب مسیح آیا تو تمہارا جان لے لوں گا۔“ عمر مزید برداشت نہ کر
سکا تھا۔ میسجہز کے دوران وہ آئی ڈی چیک کر چکا تھا جو کچھ منٹ پہلے ہی بنی تھی۔ اوپر سے
سڑو اور مسیح کا استائل۔

وہ عمر محسن تھا۔ مومنہ کی رمز رمز سے واقف تھا۔ کیسے نہ پہچانتا۔

”اف اللہ پورا جن ہے یہ لڑکا۔“ مومنہ کا موبائل ہاتھ سے چھوٹتے بچا تھا۔
”کون مومنہ اکرام۔“ اب آسانی سے پکڑی تھوڑی جانا تھا۔

”شیشہ دیکھ لو تھوڑا نظر آجائے گا مومنہ اکرام کا۔“ عمر نے مسیح کیا تھا۔

”تمہیں تمیز نہیں ہے بات کرنے کی۔“ مومنہ بھی اب غصے میں آئی۔

”نہیں ہے۔ کیا کر لو گی تم۔“ عمر کا دل کیا موبائل سے اس کو نکال لے۔ پہلے ہی دماغ خراب کیا تھا ب پھر شروع ہو گئی ہے۔

”دیکھ لو گی تمہیں میں“ مومنہ نے دھمکی دی تھی۔ مگر یہ کیا عمر اسکو عزت سے بلاک کر چکا تھا۔ مارے غصے کے مومنہ کا براحال تھا۔

”مجھے بلاک کیا مجھے۔ معاف نہیں کرو گی تمہیں عمر محسن کبھی بھی۔“ مومنہ چیخنی تھی۔ اتنی ناراضگی مومنہ سوچ کے ہلاکان ہوئی تھی۔

آج پھر سعدیہ بیگم کو اپنی بہن اور بھانجایاد آگیا تھا تو ملنے چلی آئی تھی۔ منتہا اور رقیہ بیگم انکے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں تبھی طلال آفس سے لوٹا تھا تو سید حاکمرے میں فریش ہونے چلا گیا تھا۔

”جاوہر یکھو منتہا بیٹھا طلال آیا ہے۔ میں پاس ہی بیٹھی ہوں سعدیہ کے۔“ رقیہ بیگم نے منتہا کو کہا تھا اور پاس بیٹھی سعدیہ بلبلہ کے رہ گئی تھی۔

منتہا سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا اپنی گھٹری اتار رہا تھا۔

”اسلام علیکم۔“ منتہا نے داخل ہوتے سلام کہا تھا۔

”وعلیکم اسلام۔“ طلال نے اسکا سر اپا شیش سے دیکھتے ہوئے اسکو جواب دیا تھا۔

”آج جلدی آگئے آپ۔ خیریت ہے۔“ منتہا کہتے ہوئے اسکا بیڈ پہ پڑا کوٹ اٹھا کے پینگ کرنے لگی تھی۔

”جلدی آنے کو خیریت سے منسوب کیوں نہیں کیا جاتا ویسے۔“ شرط کے بازو فولڈ کرتا طلال کا ہاتھ رکا تھا اور ایک نظر بیوی کا نکھارا روپ دیکھا تھا جو تمام رعنائیوں سمیت طلال کا امتحان لے رہی تھی۔

”روٹین کے خلاف کوئی کام نظر آئے تو حیرانگی تو بنتی ہے نا۔“ منہا اسکا کوٹ پینگ کر کے مڑی تھی۔

”کبھی کبھار روٹین سے نکل بھی جانا چاہیے۔ مگر میں روٹین خراب نہیں کی اپنی کام تھوڑا تھا تو بس جلدی نکل آیا آفس سے۔“ طلال بیڈ سے ٹیک لگا کے ریلیکس ہوتے بولا تھا۔ نظروں کا مرکزوں تھی۔

”اچھا یاد آیا آپکی خالہ آئی ہیں۔“ منہا نے طلال کو اطلاع دی تھی اندازہ تھوڑا اپھیا کتا تھا۔

”تو کیا نہیں آنا چاہیے تھا۔“ طلال نے سوال کیا تھا۔

”میں ایسا تو نہیں کہا۔ انکی بیٹی بھی ہے کوئی کیا؟“ منہا نے منہ پھلا کے کہا تھا۔

”نہیں ہونی چاہیے تھی کیا۔“ طلال نے موندی آنکھیں کھولتے ہوئے کہا تھا۔

”مطلوب ہاں۔ آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا پہلے۔“ منہا کو غصہ آیا تھا۔

”کیا یہ اتنی ضروری بات تھی۔“ طلال اب اٹھ کے اسکے مقابل آیا تھا۔

”اتنی غیر ضروری بھی نہیں تھی میرا سرال ہے مجھے پتہ ہونا چاہیے۔“ منہا جرح کے مود میں تھی۔

”اب تو پتہ چل گیا ہے۔ مزید اضافہ کر لیجیے اپنے سرالی رشته داروں میں۔“ طلال نے اسکے سراپے کو نظروں میں بھرتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں ایک نند کا۔“ منہا نے طلال کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”لا حول۔ نند بنانے کو تھوڑا کہا تھا میں۔“ طلال جی بھر کے بد مزہ ہوا تھا۔ یا شو کروارہا تھا۔ البتہ منہا اس بات پہ بلبلہ اٹھی تھی۔

”ہاں تو یہی رشته بتتا ہے میرا۔ آپکی بہن ہوئی اور میری نند۔“ منہا نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایسے کہا تھا جیسے وہ کوئی کندڑ ہن بچہ ہو اور اسکو ایک سبق رثار ہی ہو۔

طلال ٹکٹکی باندھے اسکو، ہی دیکھ رہا تھا مرتبا پذل ہوئی تھی۔ اپنے زیادہ بولنے کا احساس اور طلال کی قربت کا احساس ہوا تو زبان گنگ رہ گئی تھی۔

طلال کی پر تپش نظر وں نے گالوں پہ سرخی بکھیر دی تھی۔ مرتبا نے ہمت کر کے اپنے بالوں کی لٹیں سمیٹنے ہوئے کانوں کے پچھے کی تھیں۔ پلکوں کی جھالر کبھی اٹھ رہی تھی کبھی گر رہی تھی۔

”قابو پائیں اپنی اداؤں پہ۔ بندہ بشر ہوں میں بھی۔ آزمایامت کریں۔ بعد میں شکایتیں بھی آپکو، ہی ہونی ہے۔“ طلال جھلتا اسکے کان میں سرگوشی کرتا گھمیز لہجے میں کہتا اسکی جان کو مشکل میں ڈالتا کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

اور وہ پچھے طلال کا یہ روپ سمجھتی رہ گئی تھی۔

طلال سعدیہ بیگم سے ملنے کے بعد وہی بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مرتبا اندر ردا خل ہوئی تھی۔ طلال کا سارا دھیان اس پہ تھا۔ میٹھی اور نرم نظر وں سے تکتار ہا۔ اسکے گال پھر شرم سے لال ہو گئے تھے۔

مگر وہ اسکو کنفیوژن کرتا خود بڑے آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے میٹا۔“ رقیہ بیگم نے اس سے پوچھا تھا۔

”اتی سے بات کہی ہے تو یہ حال ہے مستقبل میں کیا بنے گا۔“ طلال بڑا کے رہ گیا تھا۔ ”وہ میں بتانے آئی تھی کہ کھانا بن رہا ہے آپ کھا کے جائیے گا۔“ مرتبا نے طلال کو مکمل اگنور کرتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں ہاں۔ کھا کے جائیگی۔ آپ تیاری کرو۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”مسزا ایسی بھی کیا مہمان نوازی۔ اپنی شوہر کو، ہی بھول گئی ہیں آپ۔“

ایک کپ چائے بھجوادیں۔ ”طلال نے منتہا کو واپس مڑتے ہوئے دیکھا تو کہا تھا۔ منتہا اسکی جذبوں سے بو جھل ہوتی آنکھوں سے نظریں چراتے ہاں میں سر ہلاتے باہر نکل گئی تھی۔

سعدیہ بیگم کی آنکھوں میں یہ منظر چھاتھا۔
”نگی کی ملاقات ہوتی تم سے۔ ”سعدیہ بیگم اب مدعا پہ آئی تھیں۔

”جی ہوتی رہتی ہے۔ ”طلال نے عام سے لبھ میں کہا تھا۔ نگی انگی اکلوتی اولاد تھی۔ جوبے جالا ڈپیار سے بگڑی کہا جائے تو اس میں کوئی عارنہ تھا۔ شادی کی عمر ہو گئی تھی اس کی مگر وہ کبھی شادی میں انٹر ٹیڈ نہیں تھی۔ ہاں البتہ اسکے دوستوں کا حلقة احباب خاصاً و سبع تھا۔

”تم اسکو سمجھاؤ کچھ تمہاری بات تولازی مانے گی۔ ”سعدیہ بیگم اب اس ٹاپک پہ آئی تھی۔

”کس بات پہ شادی کرنے پہیا۔ ”طلال اب ضبط کرتا بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔ وہ دو ہفتے پہلے ہونے والا واقعہ بھول نہ پایا تھا۔

”دیکھو بیٹا وہ ابھی بچی ہے۔ تم تو اسکے دوست رہے ہو شروع سے۔ ”سعدیہ بیگم نے انتخابیہ انداز میں کہا تھا۔

”اس عمر میں انسان بچے یا پچی کھلانے کا حق نہیں رکھتا۔ اور رہی بات دوستی کی تو مجھے واقعی ہی اسکا پاس ہے۔ ”طلال نپے تلے الفاظ میں جواب دے رہا تھا تاکہ رقیہ بیگم کو بھنک تک نہ پڑے واقعے کی۔

”سعدیہ واقعی ہی یہی عمر ہے شادی کی۔ بیاہ دو اسکو اب۔ ”رقیہ بیگم نے بھی کہا تھا۔

”اچھار شتہ بھی تو ملے آپا۔ ”سعدیہ بیگم نے کہتے ساتھ ایک نظر طلال کو دیکھا تھا۔

”ویسے طلال منہا تھوڑی بیک ورڈ ہے نا۔“ سعدیہ بیگم کا رخ اب منہا کی طرف مڑا تھا۔
”وہ ہر اس معیار پر پورا اترتی ہے جس پر ایک بہترین عورت کو اترنا چاہیے۔“ طلال کے
جملہ روئیہ بیگم کو خوش کر گیا تھا۔

”ہاں ڈل کلاس کی ہے نا تو گھرداری تو اسکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ایسی لڑکیاں ساری
زندگی اسی کام میں لگی رہتی ہیں۔“ سعدیہ بیگم نے تلخی سے کہا تھا طلال لب بھینچ کے رہ
گیا تھا۔

”آپ نے چھان بین کی تھی یا نہیں کہ طلاق اس بات پر ہی ہوئی تھی یا کوئی اور گل کھلا
رہی تھی۔“ سعدیہ بیگم کے الفاظ نہ صرف طلال کو زخمی کر گئے تھے بلکہ باہر چائے لاتی
منہا کو بھی چھلنی کر گئے تھے وہ آنسو پیتی واپس مڑی تھی۔

”میں آپکی عزت میں چپ ہوں اب تک۔ وہ میری عزت ہے مجھے بے حد عزیز ہے۔ اگر
میں آپکی عزت کر رہا ہوں تو آپکو بھی میری بیوی کی عزت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ میں
صرف اپنی تربیت کا لحاظ کرتے ہوئے چپ ہوں۔ آئندہ آپ خیال رکھیں گی ورنہ
میرے سے برداشت بلکل نہیں ہو گا۔“ طلال زہر میلے لبھ میں کہتا کمرے سے انکلا تھا۔
لاونچ سے گزرتے کچن سے آوازیں آرہی تھیں۔

”اللہ منہا باجی۔ اتنا بڑا کٹ لگ گیا ہے یہ تو۔“ آمنہ نے پریشانی سے نکلتا خون دیکھ کے
حوالے باختہ لبھ میں کہا تھا۔

طلال برق رفتاری سے کچن میں گیا تھا۔

”منہا۔“ وہ پکار تاسینک پر جھکی منہا کی طرف گیا تھا۔

”کیا کروالیا ہے۔“ طلال نے اسکا ہاتھ پکڑا تھا۔ منہا سی کر کے رہ گئی تھی۔ کٹ بائیں ہاتھ
کی ہتھیلی پر آیا تھا جو کافی گہرا تھا۔

”وہ بس پتہ نہیں چلا کیسے چھری ہاتھ پہ لگ گئی پیاز کاٹ رہی تھی۔“ منتها نے ضبط کرتے وضاحت دی تھی۔ طلال نے ایک نظر شیف پہ پڑی چائے پہ ڈالی جس پہ اب بالائی آچکی تھی مطلب کچھ دیر پہلے ڈالی گئی تھی اور ڈش میں کپر کھا ہوا تھا۔ اب یہ کٹ۔

وہ ایک منٹ میں سمجھ چکا تھا کہ منتها سن چکی تھی با تین اور یہ کٹ اسکا ہی نتیجہ تھا۔

”اس سے پہلے کہ مجھ سے کچھ کروائیں چلیں میرے ساتھ۔“ طلال اپنا طیش دباتا غرایا تھا۔ غصہ اس بات پہ تھا کہ ابھی تک خود کو اذیت دینے سے باز نہ آئی تھی۔

”معمولی سا کٹ ہے آرام آجائے گا۔“ منتها اسکے ساتھ باہر کو کھنچتے جاتی بولی تھی۔

”ناٹ آسنگل ورڈ۔ یہی رکیں۔“ طلال اسکو وارن کر تاکرے میں گیا تھا اور ایک صاف کپڑا اور گاڑی کی چابی اٹھاتا پھرتی سے باہر آیا تھا۔

منتها کے ہاتھ پہ چلتے ہوئے کپڑے لپیٹا تھا جو سرخ ہو چکا تھا۔ اور منتها کو کپڑتا باہر کو نکلا تھا۔ راہداری میں سامنا افشاں سے ہوا تھا۔ جنہوں نے آنیہ کو کپڑا ہوا تھا۔

وہ خون دیکھ کے دہل گئی تھی۔

”اللہ خیر یہ کیا ہوا۔“ انہوں نے پوچھا تھا۔

”ٹھیک ہوں بھا بھی بس ہلاکا سا کٹ آیا ہے۔“ منتها نے وضاحت دی تھی۔ ہلاکا سا کٹ کہنے

پہ طلال نے رک کے منتها کو گھورا تھا۔ آنیہ اب ماں کی طرف آنے کو لپک رہی تھی۔

”طلال آنیہ کو بھوک لگی ہونی ہے۔ گھر پہ ہی میں پیٹی باندھ لیتی ہوں۔“ منتها منمنائی تھی۔

”میں بس اسکی ڈریسینگ کروائے آتا ہوں۔“ تب تک آپ پلیز آنیہ کو سنبھال لیں۔ بابا کی جان بس دو منٹ۔“ طلال نے افشاں کو کہا تھا۔

”ہاں ہاں۔ جلدی جاؤ تم۔ کتنا خون بہہ رہا ہے۔“ افشاں نے انکو جانے کا بولا تھا۔ کلینک سے واپسی تک خاموشی کی مارماری تھی طلال نے۔

منتها اسکے رویے پہ لب بھینچ کے رہ گئی تھی۔

عمر گھر آیا تو بھوک شدید لگی ہوئی تھی مومنہ سے ناراضگی کے چکر میں بھوک دیسے ہی مری ہوئی تھی۔ وہ فریش۔ ہو کے پچن میں آیا جہاں عاصمہ بیگم روٹیاں بنارہی تھی۔

”ماں بہت بھوک لگی ہے کھانا دیں۔“ ٹینڈل پہ بیٹھی مومنہ کو انور کرتا وہ ماں سے بولا تھا۔ وہ بولتا ہوا مومنہ کا دل دھڑکا گیا تھا۔ اور کرسی گھیست کے اسکے پاس ہی بیٹھا تھا۔ ما تھے پہ پڑے بال جو مومنہ کو اسکے بہت پیار لگتے تھے وہ بے اختیار دیکھ کے رہ گئی تھی۔

”ٹینڈے بنے ہیں۔ میں تمہیں کچھ اور بنادوں۔“ مومنہ نے عمر کو پیار بھری نظر وہ سے دیکھتے ہوئے صلح کے لئے پہلا قدم بڑھایا تھا۔

”تم سے کسی نے پوچھا ہے کیا۔ اپنی چونچ بندر کھو۔“ عمر نے بنالحاظ کے کھاتھا۔

مومنہ نے تو تائی سے ٹینڈوں کی فرماش کر کے پکوائے تھے کیونکہ عمر کو ناپسند تھے جب بھی ٹینڈے بنتے تھے عمر بھاگا بھاگا مومنہ کے پاس آتا تھا اور چیز سینڈوچ بنو کے کھاتا تھا۔ مگر یہاں اب الٹی گنگا بہہ رہی تھی۔ مومنہ کا منصوبہ بری طرح ناکام ہوا تھا۔

”مومنہ آپو دیسے آپکی فرماش کچھ عجیب نہیں۔ ٹینڈے فرماش پہ پکوائے جارہے ہیں۔“ عمر بولا تھا جو شامی کباب کھارہا تھا۔

”جیسا منہ ولیسی فرماشیں۔“ عمر خود کو کہنے سے روک نہ سکا تھا۔

”مومنہ آپو دیسے آپکی فرماش کچھ عجیب نہیں۔ ٹینڈے فرماش پہ پکوائے جارہے ہیں۔“ عمر بولا تھا جو شامی کباب کھارہا تھا۔

”جیسا منہ ولیسی فرماشیں۔“ عمر خود کو کہنے سے روک نہ سکا تھا۔

”تم عمر کے بچے۔ یو۔“ مومنہ چیخنی تھی۔

”کیا۔۔۔۔۔ آواز نہ آئے مجھے تمہاری۔“ عمر نے اسکو گھورا تھا۔

”عمر اب تم زیادتی کر رہے ہو۔“ مومنہ نے ہلکی سی آواز میں کھاتھا۔

”مومنہ ٹینڈے کھانے آئی ہوناں کھاؤ آرام اور سکون سے۔“ عمر نے اسکو گھورا تھا۔

”ماں بھوک لگی ہے۔ جلدی کریں۔“ عمر نے عاصمہ بیگم کو کہا تھا۔

”تو کھاؤ نا۔ سامنے روٹی اور سالن بناؤ پڑا ہے۔“ عاصمہ بیگم نے عمر سے کہا تھا۔

”میں تو جیسے پہلے ٹینڈے کھاتا ہوں نا۔ جس کے لئے بنائیں ہیں کھائے وہی۔“ عمر نے خونخوار نظروں سے برابر بیٹھی مومنہ کو دیکھ کے کہا تھا۔

”میں کچھ اور بنادیتی ہوں نا۔“ مومنہ اب جھٹ بولی تھی۔

”رہنے دو بی۔ تم مجھے اوبناچکی ہو۔ وہی بہت ہے۔“ عمر نے کٹلے لجھے میں کہا تھا۔ مومنہ کی آنکھوں میں نمی آئی۔

”اب چپ چاپ کھالو۔ میں خود آمیٹ بنایتا ہوں۔“ عمر نرم پڑا تھا لاکھ ناراض سہی مگر اسکی آنکھوں نمی تھوڑی برداشت ہوتی تھی۔

”اب بس کر دو ناں اتنا بھی کیا ناراض ہونا۔“ مومنہ منہ پھلا کے بولتی اسکو بلکل بچی لگی تھی مگر یہ بچی اسکو دن میں سہی تارے دیکھاچکی تھی۔ اسلئے اب تو سبق سیکھانا لازمی تھا۔

”اچھا منا نے آئی ہو۔“ عمر نے ہونٹوں کے نیچے ہتھیلی جماتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ہمم۔“ مومنہ نے سر ہلا کیا تھا۔

”یہ ٹینڈوں سے بھری پلیٹ کر دو ختم پھر سوچتے ہیں ناراضگی کب ختم ہو گی۔“ عمر نے گویا احسان کرتے ہوئے کہا تھا۔ کیونکہ اسکو پتہ تھا مومنہ صرف آدھی روٹی ہی ٹینڈوں کے ساتھ آسانی سے کھا سکتی ہے کہاں یہ پہاڑ ختم ہو گا اس سے۔

”اچھا تم لوگ کھانا کھاؤ میں تمہارے بابا کو کھانادے آؤ۔ اور تم عمر پڑھائی کرو اب جا کے۔“ عاصمہ بیگم کہتے باہر نکل گئی تھیں۔

عمر اپنی کوکنگ کے ہنر آزمانے لگ گیا تھا۔ فرتح سے انڈا نکال کے اس نے شیف پہ رکھا۔ نان اسٹیک پین بر آمد کیا ارادہ ہاف فرائی ایگ کا تھا جو جلدی بن جانا تھا برائے نام آئں ڈالا جو بمشکل چھ قطروں کے برابر ہو گا۔ آجکل کی ڈائٹ کو نشیس نسل۔

فلیم آن کر کے پین اوپر رکھا اور گرم ہونے پہ انڈا ڈالا تھا اور ٹھیک ایک منٹ سے پہلے ہی فلم بند کیا تھا۔ اور ایک بار پچھے بیٹھی متاع جان کو دیکھا تھا۔

مگر دیکھنا غصب ہو گیا تھا وہ چمچ سے ٹینڈے کھاری تھی۔ کھاکم بلکہ زبردستی نگل رہی تھی۔

آنکھوں میں ایسے کھانے سے نبی صاف واضح تھی۔ عمر ایک ہی جست میں اسکے سر پہ آیا تھا اور ہاتھ مار کے اسکے ہاتھ سے چمچ دور پھینکا دیا تھا۔
”تم پاگل ہو۔“ عمر چیخا تھا۔

”اگر تمہارا معاملہ ہو تو میں پاگل ہوں۔“ مومنہ بھی چیخی تھی۔ اسکی ناراضگی نے اسکو آدھ موادر کر دیا تھا۔

”مومنہ تم فی الحال جاؤ یہاں سے۔ کل بات کرتے ہیں اس پہ۔“ عمر کو اسکی حالت دیکھ کے غصہ آرہا تھا اس نے یو نہی بات کہی تھی مگر یہ لڑکی۔

عمر کی مومنہ تو وہ تھی جو ٹینڈے کی پلیٹ خود کبھی نہ کھاتی الٹی عمر کو ٹھونسوادیتی۔ یہ کیوں اتنی بدی ہوئی ہے۔ اتنی دل برداشتہ مومنہ کیوں ہوئی ہے؟ کیا صرف اسکی ناراضگی کی وجہ سے؟

عمر کا سر پھٹنے والا ہو گیا تھا۔

”ٹھیک ہے نکال دو نکال دو۔ آج گھر سے نکال رہے ہو کل زندگی سے بھی نکال دو گے۔“ مومنہ نے بھرائی آواز سے اسکو ہارے ہوئے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”واٹ۔۔ کیا بول رہی ہوں۔“ عمر حیران اسکی باتیں سن رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا
مومنہ واک آؤٹ کر گئی تھی۔

عمر سرد سانس خارج کرتا پر سوچ انداز میں وہی بیٹھ گیا تھا۔

جب وہ کلینک سے واپس آئے تھے تو پتہ چلا تھا کہ سعدیہ خالہ رخصت ہو چکی ہیں۔ منتہا
کی چوٹ کا پتہ چلا تو رقیہ بیگم بیقراری سے منتہا کی طرف بڑھی تھیں۔
”کیسے لگوالی بیٹھا چوٹ۔ ہزار بار تمہیں کہا ہے اپنا خیال رکھا کرو۔“ رقیہ بیگم اسکو پیار سے
ڈپٹ رہی تھی۔

”ٹھیک ہوں میں آنٹی کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ اسکٹ ہے بس۔“ منتہا نے رقیہ بیگم کو تسلی
دی تھی تو پاس بیٹھا طلال جو پہلے ہی بھر ابیٹھا تھا اور بھر گیا تھا۔

”ماں پریشان نہ ہوں۔ یہ سپر وو میں ہیں۔ نہ ہی انکو درد ہوتا ہے اور نہ ہی خون نکلتا ہے
۔“ طلال نے منتہا کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ منتہا نے ساس کو شکوہ کنال نظر وں سے دیکھا
تھا جیسے شکایت کی تھی

”دیکھا نکے کرتوت۔ چوٹ میں بھی طنز کے تیر چلار ہے ہیں۔“ رقیہ بیگم ہنس دی تھی۔
”اچھا اچھا بس۔ کھانا کھالو تم بن گیا ہے مومنہ کچن میں ہے۔ میں کہتی ہوں اسکو دے
جائے۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا اور کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”ہاں پھیج دیں کھانا میں کو نسا بھوک ہڑتاں پہ ہوں۔ ایک انسان آفس سے تھکا ہارا آئے
اوپر سے بیوی کے کارنامے شروع ہوتے ہیں۔“ طلال نے بھڑاس نکالی تھی۔
”اب میں نے کو نسے کارنامے کر دیئے ہیں۔“ منتہا منمنائی تھی۔

”آپ تو چپ ہی رہیں منتہا۔ خوا مخواہ میر ادماغ نہ خراب کریں۔“ طلال نے اسکو گھر کا
تھا۔

”یہ کو نسانی بات ہے آپ کا دماغ تو ہر بات پہ ایسے ہی گھومتا ہے۔“ منہانے اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو خود پہ ضبط کئے بیٹھا تھا۔

”بس ایک میرے سامنے زبان چلتی ہے۔ کسی دوسرے کے سامنے تو آپ گونگی ہوتی ہیں۔“ طلال کا غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔

”تو اچھی بات ہے ناں کہ دوسرے آپکی بیوی کو گونگی سمجھتے ہیں۔“ منہانے اب شرارت سے کہا تھا۔

”منہا۔ اگر میں یہاں بیٹھا آپ سے برداشت نہیں ہو رہا تو سیدھا کہہ دیں میں اٹھ کے چلا جاتا ہوں۔“ طلال نے اسکو خونوار نظر وں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
منہانے بولنے کو منہ کھولا تھا جب طلال نے اسکو چپ کر وا دیا تھا۔

”اب آواز نہ آئے۔ دوسروں کے سامنے جب آواز نکنا شروع ہو جائے گی آپ کی تب میرے سے بات کرنا آپ۔ کھاناروم میں بھی جو دیس ساتھ چائے کا کپ۔ دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔“ طلال زور زور سے بولتا اسکو کہتا کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔

”اف اللہ یہ میرے میاں تو واقعی ہی آج جlad بنے ہوئے ہیں۔“ منہا منمنا کے رہ گئی تھی۔ اور اب آئیہ کو دیکھنے چل پڑی تھی۔

منہا کی کام سے مکمل چھٹی تھی۔ مومنہ سب چھوٹے موٹے کام کر رہی تھی۔ زیادہ کام بس آئیہ کے ہی ہوتے تھے۔ یا پھر طلال کا کوئی ایک آدھ فرمائشی پروگرام مگر آج وہ بھی گرج چمک دیکھا رہے تھے ابھی بر سے نہ تھے۔ ابھی تک اسٹڈی میں بسیرا کیا ہوا تھا۔

”ایک تو مجھے تمہارے چاچو کی سمجھ نہیں آتی۔“ منہا طلال کا نائب ڈریس نکالتے ہوئی بولی تھی مومنہ بھی بیڈ پہ بیٹھی آئیہ کو پیسپر چینچ کر رہی تھی۔

”کیا ہوا۔ میرے چاچو کو نسے میتھس کے فارمولے ہیں جو سمجھ نہیں آتے۔“ مومنہ نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”وہ تو بندہ رٹ بھی لے مگر یہ بندہ تو رٹا بھی نہیں جاتا۔“ منتها کہتے ہوئے ہنسی تھی خود اپنی بات پہ۔

”ارے واہ واہ۔ چاچی ویسے آپکے خیالات نیک ہیں۔ کوشش کر کے دیکھ لیں زرا آپ کیا پتہ لگ ہی جائے رٹا۔“ مومنہ نے آنکھ دباتے مشورہ دیا تھا۔

”وہ کیا ہے ناں میں ہمیشہ رٹ میں صفر رہی ہوں۔“ منتها ہستے ہوئے بید کی طرف آئی تھی۔

”اور میں بھی اتنا نامعقول نہیں کہ ہر کسی خاص و عام کے لیے دستیاب ہوں جسکو سمجھنا آئے رٹ لے۔ میں صرف سمجھنے والوں کے لیے دستیاب ہوں۔“ اندر آتے طلال کی بھاری آواز منتها کے چودہ طبق روش کر گئی تھی۔

منتها ہاتھ میں پکڑے اسکے ناٹ ڈریں کو اپنے منہ کے آگے کرتی منہ چھپا گئی تھی۔

”ایسی باتیں ہی نہ کریں جن سے منہ چھپانے کی نوبت آئے۔“ طلال اسکے ہاتھ سے پکڑے جھپٹا کہتا واش روم میں گھس گیا تھا۔

جب کہ منتها ایک ہاتھ کمرپہ رکھتی اس بندے کو گھورے گئی تھی۔

”ہو گیا ہے۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ صح ملتے ہیں انشاء اللہ۔ باجے جانو۔“ مومنہ آنیہ کو پیار کرتے کہتے باہر نکل گئی تھی۔

منتها ب آنیہ کی طرف آئی تھی۔ جواب بید پٹک کے ساتھ کھڑی ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔

”اما کا بچہ۔“ منتها نے اسکو چوتے ہوئے گود میں کیا تھا اور لائٹ آف کرتا سائیڈ لیپ آن کیا اور اسکو سلانے لگ گئی تھی۔

طلال چینچ کر کے آیا اور لیپ ٹاپ لے کے صوف پہ بیٹھ گیا تھا۔

”نک چڑھا انسان۔“ منتها سوچ کے رہ گئی تھی۔

”نظروں سے پکھلانے کا ارادہ ہے کیا۔“ طلال نے اسکی نظریں خود پر محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ نے تو جیسے پکھل جانا ہے۔“ منتہانے نیند میں جاتی آنیہ کے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا تھا۔

”کوشش کر کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے ویسے۔“ طلال نے اب اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ منتہا بھی اسکو ہی دیکھ رہی تھی۔ جذبوں سے بو جھل ہوتی آنکھیں۔ گھمیر لودیتا ہجہ۔ دور سے بھی ایسی تپش تھی کہ منتہا کو اپنے گال سلگتے محسوس ہوئے تھے۔

”بس نکل گئی ساری بہادری۔“ طلال بڑ بڑا یا تھا۔ تھوڑا ہی وقت گزارا تھا جب پاس کسی کے بیٹھنے کا احساس ہوا تھا۔ وہ سراٹھائے بننا ہی پہچان گیا تھا۔

”اب ڈانٹ لیں ایک بار کھل کر۔ منہ تو نہ پھلا کے بیٹھیں۔“ منتہانے لجاجت سے کہا تھا۔

”جلدی ہی احساس ہو گیا میری ناراضگی کا۔“ طلال نے اسکو ابر واچکا کے دیکھا تھا۔ منتہا کی جان ہوا ہوئی۔

”تو کیا آپ ناراض ہیں۔“ منتہانے اپنی معصومیت سمیت سوال کرتے اسکے دل کی دنیا میں ہلچل مچائی تھی۔

”تو کیا نہیں ہونا چاہیے۔“ طلال نے اسکے خوبصورت نقوش سے نظریں چراتے سوال کے بد لے سوال کیا تھا۔

”بڑوں کو آگے سے جواب دینا اچھی بات تو نہیں۔“ منتہا سر جھکا کے بولی تھی۔ طلال اس معصومیت اور سچائی پر دل کو سنبھالتا رہ گیا تھا۔

”بہت مشکل میں ڈال رہی ہیں آپ مجھے۔ میں آپکو وقت دینے کا خود سے کیا وعدہ ہی نہ ایسے بھول جاؤں گا۔“ طلال نے اسکو جذبوں سے چور لبھ میں کہا تھا۔

”جی۔ کیا۔“ منتہا الٹ جواب آنے پر طلال کو دیکھ رہی تھی۔

”جی کچھ نہیں۔“ طلال بد مزہ ہوا تھا۔

”اب سوری کر تو رہی ہوں۔“ منتہا نے اسکو دیکھتے ہوئے لب بھینچتے تھے۔

”سوری کرنے کو میں ہرگز نہیں بولا۔ میں ہرگز کسی سے بد تمیزی کرنے کا کہیں بول رہا
مگر منتہا جب انسان اپنی ذات کا دفاع نہیں کرتا تو دنیا اسکو تزویل سمجھتے ہوئے نگل جاتی
ہے۔ ابھی آپکو سمجھائے اتنا تمام نہیں گزارا کہ آپ بھول گئی ہوں میری باتیں۔ جب
سب سن لیا تھا تو میرا جواب بھی سن لیا ہو گانا۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”نہیں میں بس وہ الفاظ سننے تھے اسکے بعد ہمت جواب دے گئی تھی۔ جب وہ کہہ رہی
تھی کہ پہتہ نہیں شادی سے پہلے کیا۔“ منتہا بول رہی تھی مگر طلال ایسے لفظ دوبارہ سننے
کی آرزو نہیں رکھتا تھا۔

”بس۔۔۔ یہ الفاظ سوچ سوچ کے خود کو اذیت مت دیں۔ پہلے ہی آپ ایک کارنامہ کر
چکی ہیں۔ آپکے دفاع کو بولنا میرا فرض ہے وہ میں پورا کر چکا ہوں۔ مگر آپ کم از کم مجھ پر
اعتماد تو کر سکتی ہیں نا۔ اتنا توقع بتا ہے ناں اس رشتے کا کہ ہم ایک دوسرے پر اعتماد
کرنا سیکھ لیں کہ کوئی ایک دوسرے کے بارے میں کچھ غلط سن یا سوچ نہیں سکتا۔“ طلال
نے اسکو رشتے کی مضبوطی کی بنیاد بتائی تھی۔

جس سے کوئی بھی رشتہ پائیدار ہوتا ہے۔

”مگر آپ نے ملکہ جذبات نے لے کے اپنا ہاتھ کاٹ دیا۔ اپنی بیٹی کا خیال نہ آیا آپکو
اپنے گھر کا۔ چلو گھر والا تو ویسے ہی کسی گنتی میں نہیں۔“ طلال نے آخری بات پر منہ بنایا
تھا۔

”ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ کٹ تو اچانک لگا۔“ منتہا اپنے گھووالے کو دیکھتے ہوئے
منمنائی۔

”بے دھیانی میں ہی ہوانا۔ دھیان کہاں تھا آپ کا۔“ طلال نے اسکے سراپے کو دیکھتے ہوئے خود کو کسی گستاخی سے باز رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”میرا دھیان کہاں ہونا ہے بھلا۔ آپ اب بس بھی کریں نا۔“ منتها اب اس ذکر کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

”ٹھیک ہے کر دیا بس۔ نیکست ٹائم ایسی کوئی حماقت نہ ہو۔“ طلال نے اسکو وارن کیا تھا۔ ”اچھا ٹھیک ہے نا۔ اچھا کیا دیکھ رہے تھے آپ لیپ ٹاپ پہ۔“ منتها نے اب خوش ہوتے پوچھا تھا۔

”مووی دیکھ رہا تھا۔“ طلال نے لڑکا مار انداز میں کہا تھا۔ منتها بہنس پڑی۔ طلال دل کو سنبھالنارہ گیا تھا۔

”اچھا ناپتہ ہے آپ کام کرتے ہیں سارا دن۔ اچھا چلیں کوئی مووی دیکھتے ہیں اب۔“ منتها جوش سے کہتی ٹانگیں اوپر کرتی طلال کے قریب ہو کے بیٹھی تھی۔

اس قربت پہ طلال خود کو سمجھاتے ہوئے بولا تھا۔

”شاباش ہے تم پہ طلال۔“

”ویسے آپ نے سعدیہ خالہ کو کیا جواب دیا تھا۔“ منتها نے پوچھا تھا۔

”تب سن لینا تھا نا۔“ طلال نے صاف جواب سے دیا تھا

”اچھا کو نسی مووی۔۔۔ بولیں آپ۔“ طلال نے چھائی خماری کا اثر زائل کرنے کو بولا تھا۔ ”کوئی بھی۔“ منتها نے کہا تھا۔

”پکا کوئی بھی۔“ طلال نے اسکو گہری نظر سے دیکھا تھا منتها گڑ بڑائی۔

”نہیں۔ نہیں۔ آپ ہار را گالیں۔“ منتها نے مشورہ دیا تھا۔

”رومینٹک کا تو ویسے بھی یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔“ طلال بڑ بڑا کے رہ گیا تھا۔

”جی کیا کہا۔“ منتها نے پوچھا تھا۔

”آپ کے مطلب کا کچھ نہیں کہا۔ آپ دیکھیں اپنی ہار مووی۔ ”طلال نے تپے انداز میں کہا تھا۔

”آپ بھی ساتھ ہی دیکھیں گے۔ کہاں جا رہے ہیں آپ۔ ”منتہا اتنی بہادر ہرگز نہیں تھی کہ اکیلی دیکھ سکتی آج کچھ دیکھنے کا موڈ تھا تو فرماش کر دی۔

”میں کیا کہی جاسکتا ہوں اب۔ ”طلال نے اسکے صبح چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا۔ جیسے اسکو کم خود سے زیادہ یہ سوال پوچھ رہا ہو۔
مووی شروع ہو چکی تھی۔ سکرین پہ اندر ہیرا چھا گیا تھا۔

کمرے میں بھی اندر ہیرا ہی تھا۔ ایک کے بعد ایک بھیانک سینز آر ہے تھے۔ منتہا ہر ایک سین کے بعد طلال کی طرف سر کتی جا رہی تھی۔
طلال کی مسکراہٹ دیکھنے لائق تھی۔ وہ مووی کم اور سکرین کی پڑتی روشنی والا چہرہ زیادہ شوق سے تک رہا تھا۔

جہاں ہر سین کے ساتھ اتار چڑھاو آر ہے تھے۔ طلال نے لیپ ٹاپ اپنی گود میں دھرا ہوا تھا۔ اور ٹانگیں سامنے پڑے ٹیبل پہ تھیں۔ اور وہ بلکل صوفے کے کونے پہ تھا۔ ایک بازو صوفے کے گرد پھیلا یا ہوا تھا جو منتہا کی طرف تھا اس سے منتہا کو خاصا حوصلہ تھا۔
منتہا جو اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلے پہ بیٹھی تھی اب بلکل کندھے سے جڑی بیٹھی تھی۔ طلال تو گویا جی اٹھا تھا۔ بالوں کا آبشار اسکی کمرپہ بکھرا ہوا تھا جو طلال اب اپنے صوفے پہ دھرے بازو پہ بھی محسوس کر سکتا تھا۔ ایک فسوں بندھ گیا تھا۔ مگر بھلا ہوا منتہا کا جو ہر تھوڑی دیر بعد چخ کر اس فسوں کو ختم کر دیتی تھی۔

”اگر ڈرتی ہیں اتنا تو دیکھنی لازمی تھی۔ ”طلال نے اسکے کان کے پاس سر گوشی کی تھی اور نظر صراحی دار گردن پہ ساکت رہ گئی تھی۔

”اب موسی بھی تو دیکھنی ہوتی ہے نا۔“ منہ بنا کے ہلکی سی آواز میں کہا تھا جیسے
یہاں بھی بھوت ہوں۔

”ہم۔“ طلال اسکے پھوٹ کی طرح بولنے پہ اسکو پچکارتا ہم کہہ گیا تھا۔ اور خود اپنے
انداز پہنس پڑا تھا۔

”ایسی ڈراونی۔۔۔ ڈراونی موسی پہ کون ہستا ہے۔“ منہ بنا نگفتہ ہوئے کہا تھا۔
”منہ میں آج تک اس سے زیادہ اچھی موسی اپنی زندگی میں نہیں دیکھی اب توہر روز
دیکھنے کی خواہش ہے۔“ طلال نے اسکے چہرے کا ایک ایک نقش حفظ کرتے کہا تھا۔
”اف اف نہ نہ۔ میں تو آج کے بعد نہیں دیکھنی بس یہ مکمل ہو جائے ایک بار۔۔۔ آہ
۔۔۔“ منہ کہتے ہوئے آخر میں چیخی تھی کیونکہ ایک بلا انسان کو بیدردی سے مار چکی تھی۔
”آہستہ آنیہ اٹھ جائے گی۔“ منہ بنا نے خود ہی چخمار کے خود ہی کہا تھا۔

”میں تو بولا تک نہیں۔ میں تو صرف محسوس کر رہا ہوں۔“ طلال کسی اور ہی دنیا میں تھا۔
”آپ کا دل بہت سخت ہے۔“ منہ بنا اسکو گھورا تھا جو بغیر ڈرے موسی دیکھ رہا تھا منہ
نzd دیکی بھلانے بس فلم میں دیکھنے میں محو تھی۔

”میرا بھی آپکے بارے میں یہ خیال ہے۔“ طلال نے اسکے چہرے سے نظریں ہٹاتے
ہوئے کہا تھا جو اسکو گستاخیوں پہ اکسار رہا تھا۔

مگر اگلا سین اسکی جان نکالنے کو کافی تھا جب ایک بلا کھڑکی کے راستے اندر آئی تھی اور بیڈ
پہ سوئے انسان کے پیٹ میں چھرا گھونپا تھا وہ اب کے زور سے چھپتی طلال کی شرط پکڑ
چکی تھی۔

”ریلیکس۔ یہ صرف ایک فلم ہے۔ میں بند کر دوں؟۔“ طلال نے اسکے گرد بازو باندھتے
ہوئے اسکو تحفظ کا احساس دلاتے کہا تھا۔

”نہیں نہیں۔ میں پوری دیکھوں گی۔ اب نہیں لگ رہا ڈر۔ ”منتہا فل ڈری ہوئی تھی مگر اینڈ دیکھے بغیر اسکو سکون نہیں تھا آنا۔

”دیکھیں دیکھیں۔ مگر خدا را چھین زرا آہستہ۔ ہماری آنسیہ اٹھ جائے گی۔ ” طلال نے اسکے بالوں کو کان کے پیچھے کرتے کہا تھا جس کا سارا دھیان سکریں پہ تھے۔

”اب نہیں چھتی۔ لیں چپ میں۔ ”منتہا نے منہ پہ انگلی رکھ لی تھی۔ وہ بکل طلال کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔ طلال نے اسکے گرد بازوں پیٹا ہوا تھا جس سے وہ پر سکون بیٹھی تھی۔

بمشکل پانچ منٹ گزرے تھے جب خون کی ہولی شروع ہوئی اور ساتھ ہی ایک قبرستان کا سین شروع ہو گیا تھا میں کی گرفت طلال کی شرط پہ مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

مگر ایک وقت میں اسکی بس ہوئی تو وہ طلال کے سینے میں منہ چھپا تی اپنی چیخ کو دبائی تھی۔ طلال پہلے ہی اتنی قربت پہ امتحان سے گزر رہا تھا اب تو وہ اور مشکل میں پڑ گیا تھا۔ خود کونار مل کر تا وہ

لیپ ٹاپ بند کر گیا تھا۔

”بس بہت ہو گیا۔ بند کر رہا ہوں۔ میری ایک ہی بیوی ہے ڈر ڈر اسکو بر احوال ہو گیا ہے۔ ” طلال نے اسکے اپنے سینے پہ دھرے سر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”مگر کیوں۔ مجھے اینڈ دیکھنا ہے۔ ” منتہا سیدھے ہوتی منمنائی تھی۔

”مجھے آپکو سلامت دیکھنا ہے۔ حال دیکھیں ڈر ڈر کے اپنا۔ ” طلال نے اسکو ڈپٹا تھا۔ منتہا تھوڑا ہوش میں آئی تو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تھا بلکل طلال کے ساتھ لگی بیٹھی تھی طلال کا بازو اسکے گرد تھا۔

”جج۔ وہ۔ میرا مطلب ہے ٹھیک ہے۔ سو۔ سو جانا چاہیے۔ ” منتہا کہتے اسکے حصہ سے نکلی تھی طلال اسکی کیفیت سمجھ گیا تھا۔

”نیکسٹ ویک سیم ٹائم سیم پلیس پھر ملتے ہیں۔“ طلال نے پچھے سے ہانک لگائی تھی مگر منتها نے پچھے مڑ کے دیکھنے کی غلطی نہ کی تھی وہ دھڑکتادل لیے واش روم میں بند ہو گئی تھی۔

اگلا دن اپنی تمام تر آن و تاب لئے طلوع ہوا تھا۔ منتها تو فجر کی نماز سے پہلے ہی اٹھ گئی تھی کیونکہ آنیہ کو فیڈر دینا ہوتا تھا۔ اب چونکہ وہ بڑی ہورہی تھی تو اسکے ساری روٹیں چیخ ہورہی تھی اب وہ پہلے کی طرح رات کو نہیں اٹھا کرتی تھی کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا تھا جب وہ اٹھتی تھی رات کو۔ پہلے پہل تورات کو اتنا تنگ بھی کرنے لگ جاتی تھی کہ اسکو روم سے باہر لے کے جانا پڑتا تھا کہ طلال کی نیند نہ خراب ہو جائے۔

مگر اگر کبھی وہ نیند سے اٹھ بھی جاتا تھا تو آج تک غصہ نہیں ہوا۔ بلکہ خود آنیہ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا تھا۔

آنیہ کا پیپر پر چیخ کرنے کے بعد اسکو فیڈر بنانے کے دیا تھا اب وہ باپ کے ساتھ بے خبر سو رہی تھی۔ منتها نماز پڑھ کے کمرے سے باہر نکل آئی تھی کیونکہ رقیہ بیگم کو چائے دینی ہوتی تھی جلدی۔ ناشتہ وہ تھوڑی دیر بعد کرتی تھیں منتها اور آنیہ کے ساتھ۔

دانیں ہاتھ کے ساتھ چائے اس نے بنالی تھی اتنی مشکل نہیں ہوئی تھی بس پیچ نیچ میں تھوڑا مسلسلہ ہورہا تھا مگر وہ کام میں لگی رہی تھی۔ چائے بنانے کے رقیہ بیگم کو دینے کی تو ڈانٹ پڑی تھی کہ کیا ضرورت تھی مگر حسب عادت وہ ہنس کے ٹال گئی تھی۔ کچھ دیر با تین کرنے کے بعد اسنے وقت دیکھا تھا طلال کے اٹھنے کے آثار نہیں نظر آرہے تھے ورنہ اس ٹائم وہ نماز کے لیے اٹھ جایا کرتا تھا۔

مگر رات ہونے والی گفتگو کی وجہ سے وہ جھچک کی ماری بیٹھی رہی تھی۔

”اف اللہ یہ بندہ۔۔۔ سب مجھے تنگ کرنے کے لیے کرتے ہیں۔“ منتها جھنجھلانی تھی۔

”مُنْتَهَا طَلَالَ كَيْوُنْ نَهِيْسِ اَطْهَا۔ دِيْكَهُوا سَكُو جَاكَے۔ پَھَر لِيْٹ ہو گِيَا تو شُور مَچَائے گا۔ پَہْلَے تو وقت پَهْلَجَ جاتا ہے آج کیا ہو گیا ہے۔ اللَّهُ خَيْرَ كَرَے طَبِيعَتْ طَحِيْكَ ہو۔“ رَقِيْهَ بَيْگَمَ نَے طَلَالَ كَيْ گَھَرَ مَيْں چَھَلَ پَہْلَنَہ مَحْسُوسَ کَيْ تو سَوَالَ کَيَا تَھَا۔ آخرِي بَاتَ پَهْ مُنْتَهَا کَادَلَ بَھِي پَرِيشَانَ ہوا تَھَا۔

”جِي مَيْں دِيْكَھَتِي ہوں۔“ مُنْتَهَا كَهْتِي اَتْھِي تَھِي۔

”رَاتَ تَوَاضَعَهَ بَھَلَهَ تَھَھَ۔“ مُنْتَهَا خَوْدَسَ كَهْتِي كَرَے کَيْ طَرَفَ بِرْهِمِي تَھِي۔

”حَالَانَکَهَ آپَ نَے كَوْئِي كَسَرَ نَهِيْسِ چَھُوڑِي تَھِي۔ اَبَ بَھِي وَيْسَے مَيْں اَچَھَا بَھَلَهَي ہوں۔“ عَقْبَ سَے طَلَالَ كَيْ آوازِ پَهْ مُنْتَهَا اَچَھَلَ كَرَے رَهَگَئِي تَھِي۔

”اَفْ ڈِرَادِيَا۔“ مُنْتَهَا اَسَكُو گَھُورَتَے ہوئے بَوَلِي تَھِي۔ رَاتَ دِيْكَھِي فَلَمَ كَيْ زَير اَثْرَابَ اَيْكَهْ هَفْتَهَ تَوْيُونَھِي گَزَرَنَا تَھَادِر ڈِرَكَے۔

”ہَاں آپ کو لَگَهُو گا کَهَ كَوْئِي بَلَا آگَئِي ہے خُونَ پَيْنَے۔“ طَلَالَ نَے كَهْتِي ہوئے اَسَكُو دِيْكَھَا تَھَا۔ ”ایِي۔۔۔ کَيْسِي بَاتِيں کَرَرَہے ہیں صَحَّ صَحَّ۔“ مُنْتَهَا نَے جَھَر جَھَرِي لَيِ تَھِي۔

”مَيْں تَوْرَاتَ كَوْ كَبِيْھِي اِيسِي وَيْسِي بَاتَ نَهِيْسِ کَيْ۔ آپ دَنَ کَيْ بَاتَ کَرَرَہَي ہیں۔“ طَلَالَ نَے اَسَكُو شَرَارَتِي نَظَرَوْلَ سَے دِيْكَھَتِي ہوئے کَهَا تَھَا۔

”آنِيَہَ كَوْ دِيْكَھِلَوْں مَيْں۔ اَسَكُوا اَكِيلَا چَھُوڑَ كَے آگَئِي ہیں آپ۔“ مُنْتَهَا نَے بَاتَ کَا اَثْرَ زَائِلَ كَرَنَے کَوْ طَلَالَ کَوْ ڈِپَٹَا تَھَا۔

”پَہْلَى دِفعَهَ تَوَاسُطَامَ رَومَ سَے باَہر نَهِيْسِ آيَا مَيْں۔ اَسَكَے اَرْدَگَر دَشْنِر لَگَكَے آيَا ہوں۔ باَقِي آپ بَھَاگَ لوِيْہَاں سَے بَھِي۔“ طَلَالَ نَے آخرِي بَاتَ مُنْتَهَا کَے فَرَارَ ہوَنَے پَهْ کَي تَھِي۔

”کِيَا مَطْلَبَ ہے آپکَا۔ مَيْں تو نَهِيْسِ بَھَاگَ رَهَيِ۔“ مُنْتَهَا کَوِيَہَ بَاتَ گَوارَهَنَهَ گَزارِي تَھِي۔ ”بَسَ كَرِيں۔ مجَھَے سَبَ پَتَہَ ہے۔ خَيْرَ آجَائِيں فَرِي ہوَكَے مَيْں نَاشَتَهَ بَنَاوَگَا۔“ طَلَالَ نَے رَقِيْهَ بَيْگَمَ كَرَے کَي طَرَفَ جَاتَهَ اَطْلَاعَ دَيِ تَھِي۔

مُنْتَهَا چکر اکے رہ گئی تھی۔ طلال ناشتہ بنائے گا۔

اس سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ وہ جو بنائے گا اسکو کھانا پڑے کا پر ہیزی کھانا۔۔۔
”نهیں نہیں میں خود بنالوں گی۔“ مُنْتَهَا نے جھٹ کھا تھا۔

”ہربات پہ بحث لازمی کرنی ہوتی ہے آپ نے بس۔ دیکھ لیتے ہیں۔“ طلال اسکو گھورتا
آگے بڑھ گیا تھا۔

مُنْتَهَا جلدی سے روم کی طرف بڑھی تھی گھڑی سات بجارہی تھی آنیہ بس اٹھنے والی
تھی۔ جلدی سے اسکو چینچ کرو کے وہ خود کچن میں جانا چاہرہی تھی۔ مُنْتَهَا آنیہ کو ریڈی کر
کے رفیہ بیگم کے سپرد کرتی باہر آئی تھی۔ آنیہ اب بڑی ہو رہی تھی تو شرار تین بھی بڑھ
گئی تھیں۔ اب وہ بولنا بھی شروع کر چکی تھی جس میں ممابا۔۔۔ اور باقی سب کے نام لینے
کی کوشش سرفہrst تھی اس کے الٹا سیدھا بولنے کو سب بہت انجوائے کرتے تھے
۔۔۔ مگر اس نے ابھی چلن اشروع نہیں کیا تھا جس پہ مُنْتَهَا خاصی پریشان تھی۔
کچن میں پہنچی تو بھونچلا کے رہ گئی تھی۔

طلال صاحب اپنے جو ہر آزمار ہے تھے کچن میں۔

”آپ کیا کر رہے ہیں یہاں۔“ مُنْتَهَا صدمے سے بولتی اندر آئی تھی۔
”جو کچن میں کیا جاتا ہے۔“ طلال نے آمیٹ کا پیاز چاہ کرتے ہوئے مُنْتَهَا کو دیکھتے کھا تھا۔
”ہٹیں میں خود کر لوں گی۔“ مُنْتَهَا نے اسکا بازو پکڑ کے روکنا چاہا تھا۔

”مجھے آج جلدی آفس کے لئے نکلنا ہے۔ تو بحث کر کے وقت ضائع نہ کریں۔ کل تک
آپ کا زخم بہتر ہو جائے گا تو آپ نے ہی سب کرنا ہے۔ میں صرف آمیٹ، ہی بنارہا ہوں
روٹی بھا بھی دے جائیں گی اماں کے لیے۔ اب سائیڈ پہ ہونا پسند کریں گی۔“ مُنْتَهَا نے بریڈ کو
ڈھونڈنے کے لیے ادھر ادھر نظریں گھوماتے کھا تھا۔

”لاتی ہوں میں۔ کل کو اگر مجھے اس بات کا طعنہ دیا تو مجھ سے براؤ کوئی نہیں ہو گا۔“ منہماں
دور سے منمنائی تھی۔

”پھر کتنے طعنے دیا ہیں آپکو۔ خیر اس وقت میں آپ کا غصہ نہیں کروں گا کیونکہ آپ کا دماغ
مجھے جگہ پہ نہیں لگ رہا۔“ طلال نے کہا تھا اور آمیٹ پلیٹ میں نکالا تھا۔
تین سے چار منٹ تک طلال ناشتے کے ٹیبل پہ تھا۔ منہماں کو لے کے۔

”ناشتمہ کریں اور ایسے کام مت کرنا جس سے زخم گیلا ہو۔ شام میں ڈریسنگ چینچ کروانے
جاننگے۔“ طلال نے کہا تھا۔

”یہ کتنا بڑا کٹ ہے بھلا۔“ منہماں صدمے سے چلائی تھی۔

”زخم زخم ہوتا ہے۔“ طلال نے دانت پسیے تھے۔

”گھر پہ بھی ڈریسنگ ہو سکتی ہے۔“ منہماں چڑھی تھی۔

”منہماں زخم کی صفائی لازمی ہوتی ہے۔ اگر انفیکشن ہو جائے تو کام بڑھ سکتا ہے۔ جراشیم سے
انفیکشن ہوا تو پہا سپیٹل جانا پڑے کا انفیکشن آسانی سے نہیں جاتا پھر۔“ طلال صاحب
شروع ہو چکے تھے منہماں ہونق بیٹھی تھی۔

”آپ سے کون جیت سکتا ہے۔“ منہماں نہ بنائے بولی تھی۔

”آپ۔“ طلال نے دوب د جواب دیا تھا اور نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”چلیں شام میں ملاقات ہوتی ہے۔ خیال رکھیے گا۔ کوئی مسئلہ ہو تو کال کر لجیے گا۔“ طلال
کہتا ہوا آفس کے لئے نکل گیا تھا۔ منہماں اسکو خدا کی امان میں دیتے ہوئے کچن کارخ کیا
کیونکہ آنیہ کا ناشتمہ تیار کرنا تھا۔

زندگی کا کام ہے گزرتے جانا۔ تو وہ یو نہیں گزر رہی تھی۔ مزید دو دن مصروفیات کے نذر
ہو گئے تھے جس میں عمر اور طلال گھر پہ کم آفس زیادہ مصروف رہے تھے۔

طلال اب بھی آفس ہی تھا۔ منہماں قیہ بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

آنیہ اپنے ٹوانے کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

”آنٹی میں بہت پریشان ہوں آنیہ ابھی تک چل نہیں رہی۔“ منتها نے کہا تھا۔

”بیٹا چلنے لگ جائے گئی نا۔ کچھ بچے لیٹ ہی چلنا شروع کرتے ہیں فکر کیوں کرتی ہوں ”رقیہ بیگم اسکی فکر پر مسکرا کے بولی تھیں۔

”جی میں ماش بھی کرتی ہوں اللہ کرے میری بیٹی جلدی سے چلنا شروع کر دے میں تو بہت انتظار کر رہی ہوں اسکے چلنے کا۔ کتنی پیاری لگے گی یہ سارے گھر میں گھومتی میری ڈول۔“ منتها اسکو تصور میں چلتا پھر تاخیال کرتی مسکرا اٹھی تھی۔

”ہاں ماشاء اللہ۔ طلال آجھل لیٹ گھر آرہا ہے کیا۔ صبح بھی جلدی نکل جاتا ہے۔“ رقیہ بیگم کو صبح بس وہ ایک منٹ ہی سلام کرنے آتا تھا۔

”جی لیٹ ہی آرہے ہیں۔ کھانا بھی گھر آکے نہیں کھاتے۔ مصروف ہیں کچھ۔“ منتها کے لبھ میں اداسی سی تھی۔ شاید وہ طلال کی باتوں ہی عادی ہو گئی تھی اب دو دن سے وہ بلکل نظر نہیں آرہا تھا۔

رات کو تب آتا جب منتها انتظار کر کر کے سوچاتی تھی صبح وہ پھر جلدی نکل جاتا تھا۔

”ہمم۔ میں سوچ رہی تھی جب وہ فری ہو تو تم لوگ کہی گھوم آؤ۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”دیکھیں گے۔ اچھا مجھے یاد آیا آنٹی اماں آپکو کال کریں گے وہ دراصل بھا بھی کی ڈیلیوری سے پہلے گھر میں ایک چھوٹی سی دعوت ہے کل تو ہم سبکو انوائٹ کیا ہے۔“ منتها نے بتایا تھا جو کائنات کی فرمائش پر میلاد کے بعد رکھی گئی تھی۔

”ہاں ضرور جائیں گے بیٹا۔“ رقیہ بیگم نے حامی بھری تھی۔

”چلیں میں بھا بھی لوگوں کو بھی بول دوں گی۔“ منتها خوشی سے بولی تھی۔

وہ سب عاصمہ بھا بھی کے پورش میں بیٹھی ہوئی تھیں زیر بحث موضوع تھا کل منتها کے گھر دعوت پہ پہناؤں کا۔

مومنہ تو چہکتی گھوم رہی تھی۔ منتها بھی بے حد خوش تھی۔

”چجی آپ وہ ڈر لیں پہننا جو چاچوالائے تھے پنک اور وائٹ۔“ مومنہ کو وہ ڈر لیں بہت پسند تھا تو اسیے مشورہ دیا تھا۔

”چلو دیکھ لینگے۔“ منتها نے طلال کے ذکر پہ اداسی سے کہا تھا۔

”سرڑو۔ مغرو ر انسان۔۔۔ بہت اچھا کیا میں خود کو انکا عادی نہیں کیا ورنہ میں تو پا گل ہو جانا تھا۔ سب مردا یسے ہی ہوتے ہیں۔ پہلے توجہ دیتے ہیں جب عورت عادی ہو جائے تو غافل ہو جاتے ہیں۔“ منتها نے سوچا تھا۔ بد گمانی عروج پہ تھی۔ ایک بار پھر طلال کا اعتماد کا پڑھایا پاٹ وہ پس پشت ڈال گئی تھی۔

اس سے پہلے کو کوئی اور بات ہوتی عمر اندر داخل ہوا تھا۔ اور سب کو سلام کیا تھا۔ مومنہ کا دل تیزی سے دھڑکا تھا اس آواز پہ۔

”آگیا ہے بے وفا انسان۔“ مومنہ نے دل نے دھائی دی تھی۔

بلیک ٹوپس میں وہ اپنی مردانہ وجہت کے ساتھ دیوانہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس سے پہلے کے مومنہ دیوانی ہوتی پچھے ہی رمشاء داخل ہوئی تھی۔ مومنہ کا دل پہ جیسے بوجھ آن گرا تھا۔

”توبات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ اسلئے اب تمہیں میری ناراضگی اور آنسوؤں کی کوئی پرواہ نہیں۔“ مومنہ کے ارمانوں کا خون ہوا تھا۔ وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش میں لگی۔ کچھ دیر پہلے والی خوشی کہی دور جاسوئی تھی۔ اب تو ملاں تھا۔ ملاں یا۔۔۔

”بڑی محفل جمی ہوئی ہے۔ آور مشاء۔“ عمر نے حاضرین کو کہتے رمشاء کو بھی مخاطب کیا تھا۔

”یہ ہے میری فیملی۔ دادو۔ یہ افشاں پچی ہیں۔ یہ منتها پچی۔ یہ میری ماما ہے اور یہ میری ڈول آنیہ۔“ عمر نے کہتے ہوئے کھلیتی آنیہ کو اٹھا کے پیار کیا تھا۔ مومنہ اپنے یوں الگور ہونے پہ دل برداشتہ ہوئی تھی دل کر رہا تھا کہ کہی غائب ہو جائے۔

”اور وہ رہی۔۔۔ خیر چھوڑواں کو۔۔۔ اور دادو یہ ہے میری کلاس فیلو اور دوستِ مشاء۔“ عمر نے مومنہ کا تعارف کرواتے کرواتے شرارت کی تھی اور پھر رمشاء کا تعارف کروا یا تھا۔ رمشاء اب سب سے مل رہی تھی مگر مومنہ کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

دل جیسے تھم جانے کو تھا۔ ضبط کی آخری حدود پہ بیٹھی تھی آنسو چھلنے کو تیار تھے۔ مگر وہ مشرقی لڑکی تھی اپنی ذات کے بھید یوں سر عام نہیں کھول سکتی تھی۔ اسکو جذبات کو مار کے خود کا بھرم رکھنا آتا تھا۔

وہ زندگی کے تنج گھونٹ پیتے وقت بھی مسکرانے کی صلاحیت رکھتی تھی کیونکہ یہ مشرقی عورت کو وراشت میں ملنے والا وصف تھا۔

”مومنہ آؤ کچن میں میرے ساتھ۔“ منتها نے اسکی مشکل آسانی کی تھی۔ وہ اٹھی تھی فوراً۔ اور دونوں کچن کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

کسی نظر نے اسکا پیچھا کیا تھا۔ مگر ایک نظر اور بھی تھی حسد کی اور غصے کی۔

”پتہ نہیں کیا چلا گیا ہے آنکھ میں۔“ مومنہ کہتے سینک پہ جھکی منہ پہ پانی کے چھینٹے مارنے لگ گئی تھی۔ منتها اسکو اتارا چھرہ دیکھ کے چپ ہو گئی تھی۔

”دھیان سے میری جان۔“ منتها کو اس پہ ترس آیا تھا۔

”جی میں ٹھیک ہوں بس پتہ نہیں کیا چلا گیا تھا آنکھ میں۔ میں چائے کا پانی رکھتی ہوں۔“ مومنہ نے کہتے بر نر آن کیا تھا۔ تبھی عمر اندر آیا تھا۔

”کون ہے یہ لڑکی۔“ منتها نے اسکو گھورتے پوچھا تھا۔

” بتایا تو ہے کلاس فیلو ہے۔ ” عمر نے مومنہ کو کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

” بس یہ کچھ اور بھی ہے۔ ” منتها نے اسکو پوچھا تھا۔

” کیا ہو گیا ہے آپکو۔ اچھا وہ آپکو دادو بلار ہی ہیں۔ ” عمر نے کہا تھا۔

اسکے یوں سوال گول کرنے پر مومنہ تڑپ کے رہ گئی تھی۔

” اور ہاں اگر ہمارے لیے چائے بن رہی ہے تو نہ بنانا۔ ہم اسکے بعد لیخ کے لیے جا رہے ہیں۔ ” عمر نے اطلاع دی تھی۔ مگر یہ اطلاع کسی دوسری نفس کی جان کی کا باعث بنی تھی۔

” اس گھر میں اور لوگ بھی ہیں۔ ” مومنہ نے پھنکا رتے ہوئے کہا تھا۔

مگر اسکو دیکھا نہیں تھا۔ منتها دونوں کو ایک نظر دیکھتی باہر نکل گئی تھی۔

” مسئلہ کیا ہے۔ ” عمر اسکے پاس جا کے بولا تھا۔

” میں تھی۔ مگر سائیڈ پر ہو گئی ہوں اب۔ ” مومنہ نے دل، ہی دل میں کہا تھا۔

” کچھ پوچھ رہا ہوں۔ ” عمر نے اب مومنہ کو کندھے سے ہلا یا تھا وہ پھٹ پڑی تھی۔

” کیا پوچھ رہے ہو۔ ہاں۔ کیوں پوچھ رہے ہو۔ میرے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔ ” مومنہ نے اسکو سرخ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

” میں سوری بولا تھا کیونکہ میری غلطی تھی مگر تم نے نہیں مانی تو اُس اُوکے۔ مسٹر عمر میں آپکا بکچھ نہیں کہو گی۔ ” مومنہ کہتے سائیڈ پر ہوئی تھی آنکھوں میں نمی نمایاں تھی۔
تبھی ہاتھ بر نز کو لگوا لیا تھا تو چیخنی تھی۔

” لعنت ہے مجھ پر۔ ” عمر نے اسکی چیخ سن کے خود کو کہا تھا۔

” دیکھا وہ ادھر مجھے۔ ” عمر نے اسکو ہاتھ پکڑنا چاہا تھا۔

” چھوڑیں میرا ہاتھ۔ ” مومنہ بلبلائی تھی آنسو البتہ بہہ نکلے تھے کیونکہ اب تو بہانہ مل گیا تھا۔

”مومنہ پلیز۔ آئی ایم سوری۔ میں تم سے ناراض نہیں تھا۔ بس تنگ کر رہا تھا تمہیں۔ قسم ہے تمہاری۔ ”عمر نے اسکی ترڑپ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ مومنہ کو پتہ تھا وہ اسکی قسم جھوٹی نہیں کھا سکتا۔

”عمر۔ ”مومنہ کہتی روپڑی تھی۔

”ہاں میں بہت برا ہوں تنگ کرتا ہوں اپنی مومنی کو۔ عمر بہت برا ہے۔ مگر صرف اپنی مومنہ کا عمر ہے۔ ”عمر کہتے ہوئے کسی اور ہی جہاں میں تھا۔ مومنہ کے لیے یہ لفظ کسی امرت کا ساکام کر رہے تھے۔ اسکے پچھلے دنوں کی اذیت کا مداودہ کر رہے تھے۔

”یقین کرو۔ صرف تمہیں تنگ کر رہا تھا۔ تم بجائے مجھے تنگ کرنے کے اللار و روکے اپنا حشر کر رہی ہوں۔ کیا بات ہے۔ کیوں پریشان ہو۔ ”عمر اسکا چہرہ دونوں ہاتھ میں لیتے پوچھا رہا تھا۔

مومنہ اسکو پاس محسوس کر کے پچھلے کئی دنوں کی اذیت سے اور ڈر سے نکلی تھی تو اعتماد بحال ہوا۔

”عمر کو پرانی مومنہ چاہیے۔ جو عمر کی چڑیل ہے۔ ”عمر نے اسکو کہا تھا۔

”تنگ نہ کیا کرو تو وہ والی ہی بن جاؤ نگی۔ ”شکوہ آیا تھا۔

”اچھا چلو مجھے وہ تین میجھل ورڈر زبولو۔ ”عمر نے جس انداز میں کہا تھا مومنہ کا دل دھڑکا تھا۔

”کیا۔ ”مومنہ کے لیے یہ بلکل غیر متوقع تھا۔ کیا عمر اسکو پسند کرتا ہے۔

”کیا کیا۔ بولو بھی۔ جیسے یو آربیسٹ۔ عمر ازاينجل۔ ”عمر نے ماحول کافسوں کم کرتے ہوئے بات کو سنبھالا تھا جو جذبوں میں بول گیا تھا۔

”مگر۔ ”مومنہ منمنائی۔

”کہہ دورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔ مجھے رمشاء کو لے کے جانا ہے پھر۔ ”عمر نے کہا تھا تو
رمشاء کے ذکر پہ ہماری مومنہ بنی تھی پرانی مومنہ۔ جو تھی عمر کی چڑیل۔

”سچ میں کہہ دوں۔ ”مومنہ کی آنکھوں سے اب شعلے لپک رہے تھے۔

”ہاں ورنہ میں جا رہا ہوں۔ ”عمر سیر لیس ہوا تھا۔

”عمر۔ ”مومنہ کی آواز سن کے عمر کا دل انوکھے انداز سے دھڑکا تھا۔

”جی عمر کی چڑیل آگے بولو۔ ”عمر اسکا چہرہ آنکھوں کے راستے دل میں اتارتا بولا تھا۔

”عمر۔ ”پھر وہی پیار بھری صد آئی تھی عمر پورا کھو گیا تھا۔ وہ یہی پکار تو سننا چاہتا تھا مومنہ
کے منہ سے۔

”در فٹے منہ۔ ”مومنہ نے اگلے ہی پل اسکو فسوں توڑا کیا اسکو عرش سے فرش پہ پھینکا
تھا۔

”وات۔ ”عمر چیخا تھا۔

”ہے تو کیا۔ جاؤ اس دم چھلے کو لنج میں لے کے۔ آیا بڑا بیسٹ عمر۔ ہونہہ۔ ”مومنہ منہ
پھلاتی یہ جاوہ جا۔

”اف لڑکی۔ تمہاری ہر ادا ہی جان لیوا ہے۔ بس چند دن کر لوز را صبر۔ پھر دیکھتے ہیں
آپکو مومنہ اکرام۔ ”عمر نے اسکا چہرہ تصور میں کافی ہوئے کہا تھا۔

مگر انسان کو تو اپنے اگلے پل کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ہونے والا ہے۔

اگلا دن صغیر ہاؤس میں رو نقوں کے میلے لے کے طلوع ہوا تھا۔

طلال معمول کے مطابق لیٹ آیا تھا اور جلدی چلا گیا تھا تو متھا اسکو کیسے انوائٹ کرتی سو
وہ دل کڑھ کے رہ گئی تھی۔

سب اس وقت صغیر ہاؤس بیٹھے ہوئے تھے سب مہمان جا چکے تھے صرف متھا کا سرال
ادھر تھا سب لطف اندو زہور ہے تھے۔

عمران لوگوں کو پک کرنے آیا تھا کچھ لوگوں نے ڈرائیور کے ساتھ واپس جانا تھا۔

ابھی وہ آکے بیٹھا ہی تھا جب طلال کافون آنے لگ گیا تھا اسکو۔

”کدھر ہو آفس میں کام ہے اور تمہیں سیر سپاؤں سے فرصت نہیں۔“ طلال اس پر بر ساتھا۔

”لیکن کریں میں انتہائی اچھی جگہ آیا ہوا ہوں۔ ویسے مجھے لگ رہا تھا کہ آپ بھی بدل رہے ہیں مگر افسوس ہوا۔“ عمر نے اب تاسف سے کہا تھا۔

”اس بکواس کی وجہ۔“ طلال بد مزہ ہوا۔

”یار آپ اتنا دلکش اور مکمل منظر کیسے مس کر دیتے ہیں۔ آج اپنی بیوی اور بیٹی کو دیکھا ہے آپ نے۔“ عمر طلال سے اب تفتیش کر رہا تھا۔

”میں انکو ہر روز ہی دیکھتا ہوں۔ تم اب مطلب کی بات کرو آفس آؤ فوراً۔“ طلال نے اب اسکو ڈالنا تھا۔ مگر یہ کیا عمر کھٹاک فون بند کر گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ طلال غصے سے اسکو دوبارہ کال کر کے دھمکیاں دیتا عمر کی ویدیو کال آنے لگ گئی تھی۔ طلال نے جھنجھلا کے لیں کی تھی۔

مگر سامنے کا منظر اسکو سُٹل کرنے کے لیے کافی تھا۔

”کیا کیا مس کر رہے ہیں آپ چاچو۔ کچھ تو خیال کریں۔“ عمر نے کیمرے کا فوکس منتہا کے صبح چہرے پر کیا تھا۔

منتہا سمجھی سنواری گھنے بالوں کی آبشار کو پیچھے گرانے ہوئے وائٹ اور پنک سوت میں ہلکا پھلا کا ساتیار ہوئی اسکے دل کی دنیا کو زیر وزبر کر گئی تھی۔ اوپر سے لگی لیپ اسٹک۔ طلال خود کو سنبھالتا کر سی پر بیٹھا تھا۔

ساتھ آنیہ ماں کے پیچھے پیچھے وائٹ فرائک میں سب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی کوئی پری لگ رہی تھی۔

”کدھر ہو تم سب۔“ اب طلال کے ماتھے پہ بل پڑے تھے۔

”ہم آپ کے سرال۔۔ افسوس جس کا سرال ہے وہ آفس میں بیٹھا ہے۔ اپنی خوبصورت بیوی اور بچی کو چھوڑ کے۔ میں تو پہلے ہی بچی کو کہہ چکا ہوں آپ کا شوہر ایسا ہی ہے۔“ عمر نے کہا تھا۔

مگر اس سے پہلے کہ عمر مزید بولتا طلال غصے میں فون بند کر گیا تھا۔

”اب میری اتنی اہمیت بھی نہیں رہی۔“ طلال نے غصے سے فون ٹیبل پہ پھینکا تھا پھر کچھ دیر بعد منتها کا نمبر ملایا تھا۔

منتها سبکو چائے دئے کے بیٹھی تھی جب بیل کی آواز پہ وہ موبائل کی طرف متوجہ ہوئی۔

”آگیا خیال لارڈ صاحب کو۔“ منتها جی بھر کے بد مزہ ہوئی۔ موبائل پکڑ کے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

”اسلام علیکم۔“ منتها نے لیس کر کے فون کان سے لگا کے کہا تھا۔

”وعلیکم اسلام۔ کہاں ہیں آپ۔“ طلال نے سخت لمحے میں کہا تھا۔

”آپ کو نہیں پتہ۔“ منتها نے ہونق سے لمحے میں کہا اور ساس کی طرف دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ رقیہ بیگم کے ذمہ لگا چکی تھی کہ طلال کو بتا دینا آپ جب وہ آپ سے ملنے آئے صح۔

”مجھے کیا الہام ہوتے ہیں۔ آپ نے مجھے اتنا بتانا گوارہ نہیں کیا۔“ طلال کا غصہ بجا تھا۔

”آپ بزی تھے تو اسلئے بتا نہیں پائی۔“ منتها نے کہا تھا۔

”بزی تھا مر نہیں تھا گیا۔“ طلال پھٹ پڑا تھا۔

”طلال۔“ منتها نے دہل کے سینے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

”کیا طلال ہاں۔ مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ مجھے پتہ ہو میری فیملی کہاں ہے اس وقت۔“ طلال کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں تھا لے رہا۔ وہ جتنا منتها کو اپنے قریب کر رہا تھا منتها کی عقل اتنی ہی موٹی تھی۔

”طلال میں تو۔“ منتها منمنائی تھی۔

”واپس کتنے بجے ہے۔“ طلال نے اگلا سوال پوچھا تھا۔

”جب آپ کہیں۔“ منتها نے اب ہلکی آواز میں کہا تھا۔

”بس کریں۔ جیسے آپ پتہ نہیں میری کتنی مانتی ہیں۔ اگر آپ کو برانہ لگے تو میں پک کرنے آجائیں گا۔“ طلال نے اپنی بات کہی تھی۔

”ٹھیک ہے مجھے برا کیوں لگنا ہے۔“ منتها پھر منمنائی تھی۔

”میں چار بجے آپ کو لینے آجائیں گا۔“ کہتے ہوئے کھڑاک فون بند ہو گیا تھا۔

”اللہ میاں۔۔۔ مدد کرنا میری۔“ منتها اسکی ناراضگی کا سوچ کے پریشان ہوئی۔

سب چلے گئے تھے منتها نے بتا دیا تھا کہ طلال اسکو لینے آئے گا۔ ٹھیک چار بجے طلال انکے گھر تھا۔ سب سے ملنے کے بعد وہ واپسی کے لیے اٹھ گئے تھے۔ گاڑی میں خاموشی تھی۔ منتها کو سچھا سنوارا دیکھ کے طلال کی ناراضگی ہوا ہو گئی تھی مگر اسے محسوس نہ ہونے دیا تھا۔

”میں آنٹی کو بولا تھا کہ آپ سے ذکر کر لیں وہ۔ مجھے لگتا ہے وہ آپ کو بتانا بھول گئی تھیں۔“ منتها نے بات کا آغاز کیا تھا۔

”میں کوئی سیارے پر رہتا ہوں جو آپ کا مجھ سے ڈائریکٹ رابطہ مشکل ہے۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا۔ وہ آنبیہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی لا جواب ہوئی۔ آنبیہ سوچ کی تھی۔

”آپ خود تو اتنے مصروف تھے دو دن سے ہماری بات ہی نہیں ہوتی تھی۔“ منتها نے بھی شکوہ کیا تھا۔ طلال نے ایک نظر اسکو دیکھا تھا۔

”ایسی بھی کیا مصروفیت کہ انسان اپنی فیملی کو بھول جائے۔“ منتها مزید بولی تھی۔

”آپکو گلتا ہے میں اپنی فیملی کو بھول گیا ہوں۔ واہ۔ حالانکہ میں رات جتنی مرضی لیٹ آؤ آنیہ کو پیار لازمی کرتا ہوں اور صحیح جاتے ہوئے اماں سے لازمی پیار لے کے گھر سے نکلتا ہوں۔ ”طلال نے کہتے ہوئے منہما کے تاثرات کا جائزہ لیا تھا۔

منہما کا اب غصہ سے براحال تھا وہ فیملی کا حصہ نہیں تھی کیا۔

”توہاں ٹھیک ہے پھر پوچھتے اپنی فیملی سے ہی پھر کہاں گئے تھے وہ لوگ۔ آنیہ سے پوچھ لیتے یا آنٹی سے۔ ”منہما کے لمحے میں غصے کے ساتھ شکوہ بھی تھا۔ طلال ہنسی دبا کے رہ گیا تھا۔

”جب پرواہ کرتی ہو تو شوکیوں نہیں کرواتی۔ ”طلال نے سوچا تھا۔

”آپ بھی تو فیملی ہیں میری۔ بھول کیوں رہی ہیں۔ ”طلال نے اب اسکے تیکھے نقوش دیکھتے کہا تھا۔

”میں نہیں آپ بھول رہے ہیں۔ ”منہما نے غصے سے کہا تھا۔

”مجھے ازبر ہے سب کچھ۔ آپ کا ذکر اس لیے نہیں کیا آپ نہ آنیہ کی طرف پیار لیتی ہیں نہ اماں کی طرف پیار کرتی ہیں۔ ”طلال نے کہتے منہما کا چہرہ دیکھا تھا جواب سرخ پڑ گیا تھا۔

”طلال آپ۔ ”منہما سے کچھ بات ہی نہ بن پائی تھی۔ تبھی گاڑی گھر کے آگے رکی تھی۔ منہما تیزی سے نکلنے لگی تھی۔

”بات سنیں مسن طلال۔ میں آدھے گھنٹے میں ایک کام نمٹا کے واپس آ رہا ہوں۔ خبردار جو آپ نے اپنا حلیہ خراب کیا۔ ایسے ہی میں مجھے واپسی پہ۔ ”طلال اسکو وارن کرتا اسکے اترتے گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

episode 19 to 29

محبت اک رمز ہے جاناں

از عنایہ احمد

قسط نمبر: 19

طلال آدھا گھنٹے کی بجائے ایک گھنٹے بعد واپس آیا تھا۔ مرتباً گھر آکے فریش ہونا چاہتی تھی
مگر لارڈ صاحب کا تنیہ لہجہ یاد آگیا تھا۔
”اف یہ آدمی۔“ مرتباً بڑا کے رہ گئی تھی۔

تحوڑا ساری لیکس ہوئی اور سب سے پہلے آنیہ کو فریش کیا تھا جواب آرام دہ کپڑوں میں
بہتر محسوس کر رہی تھی۔ آنیہ کو فیڈر پلایا وہ اب بلکل فریش تھی کھلینے کے موڑ میں۔ مرتباً
نے کارپٹ پہ اسکے سامنے اسکو ٹوائزر کے کھلینے کے لیے بیٹھا دیا تھا اور خود وارڈوب
سیٹ کرنے لگی تھی۔

ڈوپٹہ اتار کے بیڈ پہ رکھا ہوا تھا اور ساتھ ساتھ آنیہ کے ساتھ بھی باتوں میں لگی ہوئی تھی
جو ما۔ ما۔ ماما کرتی چہک رہی تھی۔
تبھی طلال اندر آیا تھا۔

”آگئے آپ۔“ مرتباً نے اسکو دیکھ کے کہا تھا۔
”میں جاتے ہوئے کچھ کہہ کر گیا تھا شاید۔“ طلال نے اسکا جائزہ لیتے ہوئے کوٹ اتار
کے صوف پہ رکھا تھا اور آنیہ کو اٹھا لیا تھا جو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اب باپ کے بالوں
میں پھیر رہی تھی۔

”میں بھی اس پہ عمل کیا ہوا ہے۔“ مرتباً نے پچھے مڑ کے کہا تھا۔ طلال کی جائزہ لیتی
نظروں سے اسکو شدت سے محسوس ہوا کہ وہ ڈوپٹے کے بغیر ہے جھٹ سے وہ ڈوپٹہ اٹھا
کے اوڑھ چکی تھی۔

”نظر آرہا ہے عمل مجھے۔“ طلال نے طنزیہ لبجے میں کہا تھا۔

”آپ سیدھی طرح ڈانٹ ہی لیں نا۔ حالانکہ اس میں میری غلطی کہی نہیں تھی۔“ منتها نے جرح کی تھی۔

”تھوڑا صبر کر لیں میں معاف کرنے والا ہوں بھی نہیں۔ جہاں بات حق کی ہو میں کبھی معاف نہیں کرتا کہ میری حق تلفی ہو۔ کیونکہ میں کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کی۔“ طلال نے اپنا موقف بیان کیا تھا۔

کہنے کو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں مگر انکا احساس اور زندگیوں میں ان کا عمل دخل بہت ثابت اور خوش کن ہوتا ہے۔

ہم اپنی زندگیوں میں اتنے مصروف ہو گئے ہیں کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بسی حکمتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ہمارے لیے باعثِ زحمت بن سکتی ہیں۔

اور میاں بیوی کے رشتے میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی پیار، محبت خلوص اور توجہ کو پروان چڑھاتی ہیں یہ طلال کا ماننا تھا۔ وہ پابندیوں کا قائل نہیں تھا مگر وہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں رشتے کی مضبوطی سے منسوب کرتا تھا۔

”آپ تو یوں کہہ رہے ہیں کہ میں پتہ نہیں کونسا آپ کا خزانہ چرایا ہے جو حق تلفی کی بات کر رہے ہیں۔ کوئی ڈاکہ مارا ہے کیا۔“ منتها چڑھی تھی۔

”یہ ڈاکے سے بھی بڑا معاملہ ہے۔ آپ یوں ہی سمجھ لیں آپ نے میرا کوئی قیمتی خزانہ ہی چرایا ہے۔ مگر فکرناہ کریں اسکو وہی ہونا چاہیے تھا۔ وہ اب اپنی ٹھیک جگہ پہنچے۔“ طلال کا اشارہ اپنے لٹے ہوئے دل کی طرف تھا مگر وہ منتها طلال وجہت ہی کیا جو بات سمجھ جائے۔

”کیا۔ کیا۔“ منتها ہونق سے کھڑی الزامات کی بوچھاڑ پہ غصب ناک ہوئی۔

”کیا کیا۔ میری بیٹی دیکھیں باپ کا کتنا خیال کر رہی ہے۔ جیسے ہی گھر آؤں بھاگ کے میرے پاس آتی ہے اور اب میری خدمت کر رہی ہے۔ ”طلال نے اب منتها کے گرینز پہ چوٹ کی تھی۔

” ہے تو وہ آپ کی بیٹی ہے ناں آپ اسکے بابا ہیں میرا تو آپ کے ساتھ ایسا رشتہ نہیں ہے ناں۔ ” منتها نے اعتراض بلند کیا تھا۔

” لاحول ولا قوۃ۔ یا اللہ۔ منتها آپ کا جو رشتہ ہے ناں آپ اس پہ فوکس کریں فضول دماغ نہ چلایا کریں۔ ” طلال بد مزہ ہوتا اسکو ڈانٹ گیا تھا۔

” بس آپ مجھے ڈانٹ کے ہی خوش ہوتے ہیں۔ آپ کے کہنے پہ میں اس اول جلوں حلیے میں گھوم رہی ہوں۔ ابھی تک اپنا حلیہ نہیں سدھارا۔ ” منتها اب بیٹی پہ بیٹھ چکی تھی۔ ” نمبر ایک میں ڈانٹ نہیں رہا۔ نمبر دو یہ حلیہ اول جلوں نہیں ہے۔

ہاں البتہ آپ نے میری بات پہ عمل نہیں کیا۔ اور نمبر تین یہ حلیہ سنوارا ہوا ہے ہاں البتہ آپ نے بگاڑنا ہے اسکو ابھی۔ ” طلال نے اسکے دل نشین نقوش کو آنکھوں سے چھوڑا تھا۔

” مطلب آپ کا اس بات سے کہ میں عمل نہیں کیا۔ یہ دیکھیں۔ ” منتها نے کہتے ہوئے باقاعدہ ڈوپٹہ اسکے سامنے لہرایا تھا اسکے اس ادا پہ طلال مسرور ہوتا مسکراہٹ کا گلہ گھونٹ گیا تھا۔ وہ اس ٹائم اسکو بلکل کوئی بچی لگی تھی۔

” مسخر طلال قابو کیا کریں اپنی اداؤں پہ خدارا۔ ہم پہلے ہی ہار رہے ہیں۔ ” طلال بڑھ کر رہ گیا تھا۔

” کیا کہہ رہے ہیں مجھے سن نہیں رہا۔ ” منتها چڑی تھی۔

” اگر آپ نے سن لیا تو اس کمرے میں آپ نے رات سے پہلے جھانکنا نہیں ہے۔ ” طلال کا پھر وہی لودیتا لہجہ تھا۔

آنیہ اب باپ کا موبائل پکڑے منتها کی طرف اشارے کر رہی تھی۔

”کچھ بھی۔“ منتها آنیہ کی طرف بڑھی تھی اسکو اٹھا کے بیڈ پہ لانا چاہا مگر طلال اسکو اپنے ساتھ بیٹھا چکا تھا۔

”میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا جیو لری اتر چکی ہے۔ بال بھی باندھ لئے ہیں آپ نے۔“ طلال نے اب منتها کے نقوش کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔ منتها کی جان ہوا ہونے لگی۔ ”اور۔۔ اور۔۔ ہاں لیپ اسٹک کا بھی ستیاناس کر چکی ہیں آپ۔“ طلال اسکی اڑتی رنگت پہ اسکو روپیکس کرتا فاصلے پہ ہوا تھا اور صوفے کے کونے سے ٹیک لگاتا اسکو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

منتها سن تھی اس جائزہ پہ۔

”اتنے غور سے کون دیکھتا ہے۔“ منتها بے ہوش ہونے کو تھی۔ گھر اہست میں یہ سوال کر گئی تھی۔ طلال اب اپنی ہنسی کنٹرول نہ کر سکا تھا اتنے بے تکے سوال پہ۔ وہ ہنستا ہوا منتها کو مبہوت کر گیا تھا۔

اس انسان کو اسنے بہت کم ہستے دیکھا تھا۔

”طلال منتها کو۔۔ اور ایک شوہر کو اپنی بیوی کو اتنے ہی غور سے دیکھنا چاہیے۔ تاکہ کہی اور دیکھنے کی گنجائش نہ پچے۔“ طلال نے اسکے ناک پہ انگلی سے ضرب لگاتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ ہستے بھی ہیں۔“ منتها کا اگلا بے تکا سوال حاضر تھا۔

”آپ جیسی عظیم الشان بہو کا انتخاب کر کے آپکی ساس نے مجھ پہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجال ہے جو کسی کام کی بات کو نوؤں لیا ہو آپ نے۔“ طلال اب اسکے بے تکے سوالوں پہ چڑا تھا جو اسکی کسی بات کو سمجھتی ہی نہیں تھی۔

اس سے پہلے کہ منتها طلال مزید کوئی شگوفہ چھوڑتی دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔

اجازت ملنے کے بعد آمنہ اندر داخل ہوئی تھی اسکے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس میں ایک باول اور ایک پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔

”رکھ دو یہاں۔ اور آپ خود بھی کھالینا۔“ طلال نے کہا تھا آمنہ سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔

البتہ ٹرے کو دیکھ کے منتہا صدمے کی سی کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کبھی وہ طلال کو دیکھتی کبھی ٹرے کو۔

”ابھی آپ نے کیا کہا تھا۔ کس کو رکھ دو یہاں۔“ منتہا نے ٹرے کی طرف لپکتی آنیہ کو سن بھالتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ٹرے کو۔“ طلال اسکی نظر وہ کامفہوم سمجھ چکا تھا۔

”آپ نے ٹرے کے اندر دیکھا ہے کہ کیا پڑا ہے۔“ منتہا نے پھر سوال کیا تھا۔ ”منتہا میری آنکھیں ہیں نا۔“ طلال نے اٹھا سوال کیا۔

”میں آپ سے بادی پار ٹس کے نیم نہیں سن رہی۔ جو پوچھا ہے وہ بتائیں۔“ منتہا کسی گھرے صدمے کے زیر اثر لگی تھی۔

”کون لا یا ہے یہ۔“ منتہا مزید بولی۔

”میرے فرشتے۔“ طلال مزید چڑا تھا۔

”واقعی ہی آپ کے فرشتے۔ لیکن وہ بھی نہیں لاسکتے مجھے یقین نہیں ہو رہا۔“ منتہا کا پھر وہی سوال تھا۔

”منتہا۔“ اب کے طلال چڑا تھا۔

”آریو سیریس۔ طلال یہ گول گپے ہیں۔“ منتہا کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ خوشی سے بولی۔

”نہیں مجھے کیسا پتہ ہو گا۔ ظاہر سی بات ہے میں ہی لا یا ہوں۔“ طلال اب اسکی اتنی انکواری سے چڑا تھا۔

”آپ لائیں ہیں۔ یہ وہی سڑک کنارے کی گردوالے۔ ”منتہا نے یقین دہانی کرنی چاہیے تھی اور طلال کی بات اسکو لٹائی۔

”یار آپ کسی حالت میں خوش رہ سکتی ہیں یا نہیں۔ طعنے مار مار کے میرا جینا حرام کیا ہوا تھا اب لے آیا ہوں تب بھی مسئلہ ہے۔ ”طلال نے منتہا کو دیکھا تھا جو اسکو ہی دیکھ رہی تھی ایسے کہ سچ بتائیں کہاں سے لائیں ہیں۔

”میں یہ اپنے دوست کے ریسٹورنٹ کے شیف سے بنوائیں ہیں۔ اب ہو گئی انکوائری پوری تو کھالیں۔ ”طلال نے چڑتے ہوئے کہا تھا۔

”انکا کیا مزہ آتا ہے پھر۔ ”منتہا اب شرارت سے بولی تھی۔

”ٹھیک ہے میں لے جاتا ہوں۔ ”طلال غصے سے کہتا ٹرے اٹھانے کو اٹھا تھا۔

”نہیں نہیں۔ میں کھانے لگی ہوں۔ آئیہ کو پکڑے اسکو طلال کے حوالے کیا تھا۔ خراب ہو جائے گا۔ ”منتہا نے آئیہ کو کہتے ہوئے اسکو طلال کے حوالے کیا تھا۔

”یہی خیال میرا تھا اور ہے آپکے بارے میں۔ مگر آپ کو سمجھ نہیں آتی۔ ”طلال نے اسکا جملہ اسکو لپیٹ کے لٹایا تھا۔

مگر منتہا کا سارا دھیان اب ٹرے میں تھا۔ جہاں گول گپے اپنی تمام تر خوبصورتی لئے پڑے تھے۔ گول گپوں کے اندر آمیزہ تھا آلوں اور چنے کا ساتھ پیاز اور سلاد جو اسکے آمیزے میں ہوتا تھا۔ کالی مرچ کا ٹیسٹ بھی ایک الگ مزہ دیتا تھا اور اوپر پڑی دہی اسکی توبات ہی الگ تھی۔

بلکل ساتھ ہی باوں میں پڑا ٹھنڈا اور براؤن رنگ کا پانی کیا نظارہ پیش کر رہا تھا۔

منتہا نے اس پانی میں گول گپے کی ڈبکی لگوائی اور منہ میں ڈالا تھا اور اب وہ گول گپے کو کھانے کا مزہ لے رہی تھی۔ تبھی نظر ہنسنے ہوئے طلال پہ پڑی تھی۔

”ک۔۔۔ کیوں۔۔۔ ہنس رہے ہیں۔ ”منتہا بدقت بولی۔

”پہلے کھالیں بعد میں بات کرتے ہیں۔“ طلال نے پانچ سے چھ ٹشونکال کے اسکی طرف بڑھائے تھے تاکہ کپڑے محفوظ رہیں۔

منتہاب اٹھ کے طلال کے سامنے آئی تھی جو آنسیہ کو لیے کھڑا تھا۔ منتہا نے ایک آلو کا تھوڑا سا پیس آنسیہ کے منہ میں ڈالا تھا۔

”آپ بھی کھائیں نا۔“ منتہاب ایک گول گپا طلال کی طرف بڑھاتے بولی تھی۔

”نو ٹھینکس۔“ طلال انکاری ہوا۔

”طلال منہ کھولیں اسکا پانی آپکی شرط پہ گرا تو آپکی شرط گندی ہو جانی ہے۔“ منتہا نے اسکو دھمکی دیتے ہوئے ہاتھ اسکے منہ کے قریب کیا تھا۔

”منتہا۔“ طلال اسکو ڈانٹ کے لئے منہ کھول کے بولا تھا تبھی منتہا اسکے منہ میں گول گپا رکھ چکی تھی۔

طلال اب ہونق بناسون ج رہا تھا کہ آخری حل ہے اسکو نگلا جائے۔۔۔
مگر منتہا کو گھور رہا تھا۔

مگر منتہا اپس گول گپوں کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

عمر گھر آیا تو پہتہ چلا پچھی افشاں کے پورشن میں علی نامی بلا آئی ہوئی ہے وہ جلتا بھنتا وہاں گیا تھا۔

مگر یہ دیکھ کے خوشی ہوئی مومنہ نہیں تھی اسکے پاس۔

عمر کا نشانہ اب علی تھا اسکو اب یہاں سے جلدی بھیج کے اسکو واپس آفس جانا تھا۔

”لو عمر آگیا۔ عمر بیٹھو تم اسکے پاس میں زرا کچن کو دیکھ لوں۔“ افشاں پچھی نے عمر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

اب میدان صاف تھا عمر سوچتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔

”اور سناؤ علی بھائی۔ کیسے آنا ہوا۔“ عمر نے اسکے سامنے صوف پہ بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔
”بس ویسے ہی۔ سوچا مومنہ سے مل آؤ۔“ علی نے کہا تھا۔ عمر کا دل کیا اسکی گردن دبوچ لے۔

”اصولًا اور غیر تا تمہیں اپنی پھوپھو سے ملنے آنا چاہیے تھا۔“ عمر نے اپنی اسپیشل ڈکشنری کھول لی تھی۔

”ایکسیو زمی۔“ علی کو غصہ آیا۔
”غصہ کیوں کر رہے ہو بھائی۔ میں ہمیشہ ہی سناء ہے تم اپنی پھوپھو سے بہت پیار کرتے ہو شروع سے ہی تو اسلئے کہا ہے۔ تم انکو چھوٹی ماما کہا کرتے تھے نا۔“ عمر نے اب پینتر ابلڈا تھا۔

مگر اسکے دماغ میں کیا چل رہا تھا کچھ نہیں تھا کہا جا سکتا۔

”ہاں یہ تو ہے۔ واقعی ہی۔ اسلیے مجھے تم سب لوگ بھی بہت اچھے لگتے ہو۔ مومنہ سے تو میرا بہت لگاؤ ہے۔“ علی اب غصہ بھلا کے شروع ہو چکا تھا۔

”ہاں ناں ہونا بھی چاہیے اس سے لگاؤ۔“ عمر نے کہتے ہوئے زہر کا گھونٹ بھرا تھا۔

”دیکھا تم بھی مان گئے ہو اب۔ پتہ نہیں کیوں مگر ایک الگ سی انسیت ہے میری مومنہ سے۔“ علی تو اب دل کی افسانے سنارہے تھا۔

عمر کا دل کیا تھا اسکو مر تخت پہ پہنچا دے۔

”ہونی بھی چاہیے نا۔ آخر کو بہن ہے تمہاری۔“ عمر زیادہ اسکی بکواس نہ سن سکا۔

”واٹ۔ میری بہن کیوں ہونے لگی بھلا۔“ علی نے احتجاج کیا۔

”دیکھو اپنی پھوپھو یعنی افشاں پچھی کو تم کیا سمجھتے ہو۔“ عمر میدان مارنے کو کمر بستہ تھا۔

”پھوپھو۔“ علی نے اب عقل کا دامن نہ چھوڑا تھا اور عمر کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”توبہ توبہ آجکل کے رشتے ایسے ہی ہیں ویسے۔ پچھی ہمیں رشتے کو عزت دینی چاہیے نا۔ جیسے آپ میری پچھی ہیں مگر میں آپکو اپنی ماں کی جگہ دیتا ہوں انکی جیسی عزت دیتا ہوں۔ تو کیا یہ غلط ہے۔ ” عمر نے پاس سے گزرتی افشاں کو پکارا تھا۔

” نہیں بیٹا یہ تو بہت اچھی بات ہے تم مجھے اپنی ماں کے جیسا سمجھتے ہو۔ تمہاری ماشاء اللہ تربیت ہی بہت اچھی ہے۔ ” افشاں اس پے واری صدقے جاتی بولی تھیں۔ عمر نے فرضی کالر کھڑا کیا تھا۔

” مگر علی کو میں یہی سمجھا رہا ہوں وہ کہتا اپنی ماں ہی ماں ہوتی ہے سب۔ جیسے افشاں پھوپھو بس میری پھوپھو ہیں۔ ” کمال مہارت سے عمر نے علی کو رگیدا تھا۔

” علی تم ایسا سوچتے ہو میں ہمیشہ تمہیں ایک ماں کا پیار دیا ہے۔ بس آجکل کے بچے ہیں ہی ایسے عمر۔ اسکو انگریزوں کے شیخ جا کے سب رشتے تھوڑی یاد رہنے ہیں بھلا۔ ” افشاں افسردگی سے کہتی کچن میں چلی گئی تھی البتہ عمر کا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔

” میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ ” علی نے منہ بنایا تھا۔

” دیکھو دوست میں کونسا تمہیں غلط بات سیکھا رہا ہوں اب بتاؤ وہ تمہاری چھوٹی ماں ہوئی نا۔ اس رشتے سے مومنہ پھر تمہاری بہن۔ ” عمر نے پھر اس سے اگلوانا چاہا تھا۔

” پھوپھو کی بات تو ٹھیک ہے مگر مومنہ۔ ” علی کی سوئی اٹکی تھی پھر۔ عمر کا دماغ گھوما تھا۔ ” ارے یار تمہارا دماغ ہے کیا ہے۔ ” عمر غصہ ہوا۔ اندر آتی مومنہ نے اسکو غور سے دیکھا۔

” ارے کیا ہوا ہے۔ ” مومنہ نے اندر آ کے پوچھا تھا۔

” پہلے اپنی پھوپھو کو ناراض کیا ہے اب اسکو بھی کر دینا۔ ” عمر نے علی کو ایموشنل فول بنانے کا سوچا۔

”ادھر آؤ تم بھی۔ دیکھو یہ افشاں چھی کو چھوٹی مان سمجھتا ہے نا تو وہ تمہاری کیا لگیں پھر
۔ ” عمر نے اب مومنہ کو سمجھاتے علی سے پوچھا۔
” ماں۔ ” علی نے جھٹ کھا تھا کہ کہی اب مومنہ بھی ناراض نہ ہو جائے۔
” ہاں ناں ماں ہی۔ ” مومنہ بھی قائل ہوئی۔
” تو انکی بیٹی کیا لگی اب تمہاری۔ ” عمر نے کھا تھا۔
” بہن۔ ” علی اور مومنہ کی ایک ساتھ آواز آئی تھی۔
” تو علی کیا لگا تمہارا پھر۔ ” عمر نے مومنہ کی نظر اتارتے کھا تھا۔
” بھائی۔ ” مومنہ جھٹ بولی۔

” ہائے میں صدقے جاؤں میری چڑیں۔ سارا عمر تمہارا ہوا۔ ” عمر جھوم اٹھا تھا۔
” اور علی اب تم بتاؤ کیا لگی پھر مومنہ تمہاری اگر افشاں پھوپھو کو تم مامانتے ہو۔ یاد رکھنا وہ
ناراض ہو کے گئی ہیں۔ ” عمر نے پھر کھا تھا۔

” بہن۔ ” علی نے مرے دل سے کہتے عمر کے دل کے پھول کھلا دیئے تھے۔
” شاباش۔ دونوں اب اچھے بہن بھائیوں کی طرح رہنا۔ چلو جاؤ تم جا کے پڑھو اپنا۔ ” عمر
نے مومنہ کو وہاں سے غائب کرنا چاہا تھا۔
” چلو دوست میں بھی آفس چلتا ہوں۔ کام تو کر لیا میں نے اپنا۔ ” عمر سرشار سا بولتا آخری
بات کو ہلکے سے بولا تھا۔
” میں بھی چلتا ہوں۔ ” علی کی آواز آئی تھی۔
” میں بھی تو یہی چاہتا ہوں۔ ” عمر ہنستا باہر کو آیا۔
” عمر محسن کوئی انوکھی چیز تھی۔ ”

طلال اسٹرڈی میں بیٹھا کام میں مصروف تھا جب منتها دو کپ چائے لے کے وہی آگئی تھی۔
”بیٹھیں ادھر۔“ طلال نے اب اپنی ساری توجہ منتها کی طرف کی تھی اور اسکو سامنے پڑے دیوان پہ بیٹھایا تھا اور خود بھی اسکے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ اور ہاتھ سے ٹرے کے سامنے ٹیبل پر رکھی تھی۔

”اب زر اپنی صبح والی حرکت کے بارے میں وضاحت دینگی۔“ طلال نے بات کا سلسلہ پھر وہی سے شروع کیا تھا۔

”طلال یقین کریں میں آنٹی کو بولا تھا کہ آپ کو بتا دیں۔“ منتها نے اسکو بتایا تھا۔
”اگر دوبارہ پوچھ رہا ہوں تو اسکا یہ ہرگز مطلب نہیں مجھے آپ پہ یقین نہیں۔ مجھے یہ بات ڈائریکٹکی نہ بتانی کی وجہ پوچھ رہا ہوں میں۔“ طلال نے اسکو ہاتھ ملتے دیکھا تھا تو کہا تھا۔
”آپ مصروف تھے نال دودن سے۔ ہماری بات ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔“ منتها نے منه بناتے ہوئے کہا تھا۔

”ایک بات تواب طے ہے جتنا مرضی میں مصروف ہوا اب آپ سے ایک منٹ بھی غافل نہیں ہونا۔ پتہ نہیں آپ کیا کیا سوچنے لگ جاتی ہیں۔“ اب کے طلال نے اسکو گھر کا تھا۔

”میرا یہ مطلب بھی نہیں تھا ب۔“ منتها منمنائی تھی۔

”آپ کا صرف مطلب مجھے پاگل کرنا ہے یا میرے حواسوں پر چھانا ہے۔“ طلال نے اسکے صبح چہرے کو تکتے کہا تھا۔
”جی۔“ منتها بے دھیانی میں بولی۔

”جی۔ نہیں مطلب ایسا نہیں تھا۔“ سمجھ آنے پر جلدی سے وضاحت دی تھی۔

”ہوش میں رہا کریں مرتبا۔ تاکہ سامنے والا بھی اپنے حواس برقرار رکھ سکے۔ ”طلال کا لہجہ اب لود دیتے تھا۔

”خیر چھوڑیں۔ نیکسٹ ٹائم سے ایسا نہ ہو۔ جب بھی کہی بھی جانا ہو مجھے کو بتا کے جانا ہے۔ میں منع نہیں کروں گا۔ مگر مجھے اتنا پتہ ہو گا کہ میری فیملی اس وقت کہاں ہے۔ میرا مقصد آپکو محفوظ اور خوش دیکھنا ہے۔ اور میں اس بات کا پورا حق رکھتا ہوں کہ آپ کو اس بات سے روک کے رکھوں جس سے آپکو خطرہ ہو۔ ”طلال کا مین مقصد آج کل کچھ اور ہی تھا۔ اسکو اپنی فیملی محفوظ چاہیے تھی۔

”سمجھ رہی ہے نا۔ ”طلال نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جو اسکی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

”جی۔ نیکسٹ ٹائم آپکو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ ”مرتبہ نے اسکو یقین دلا یا تھا۔ ”گلڈ۔ چائے پی لیں اب۔ ”طلال نے اسکو دیکھتے ہوئے پر سوچ نظریں سامنے کھلے لیپ ٹاپ پہ ڈالی تھیں۔

اس بات سے بے خبر کہ جب حالات پلٹا کھاتے ہیں تو وہ حفاظتی باریں بھی چیر دیتے ہیں

”ویسے اچھی لگ رہی آپ آج۔ ”طلال نے چائے پیتے اسکو مخاطب کیا تھا۔ ”جی۔ ”مرتبہ کو اچھوکا لگتے بچا تھا۔

”مرتبہ تعریف کا حق ہے میرے پاس۔ یوں حواس باختہ نہ ہوا کریں۔ عادت ڈالیں۔ ”طلال نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

”میں کچھ کہا ہے۔ ”مرتبہ منمنائی تھی۔

”آپ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی ہیں۔ ”طلال نے اسی لہجے میں کہا تھا۔

”میرے کہنے کا اثر ہوتا بھی نہیں ہے کوئی ”شکوہ آیا تھا۔

”ابھی آج آپ کا شکوہ دور کیا ہے۔ آپ ابھی بھی شکوہ کر رہی ہیں چلیں کوئی نہیں جب تک بندہ حیات ہے حاضر رہے گا۔ ”طلال نے کہتے ہوئے منتہا کا چہرہ دیکھا تھا جو اسکا یہ روپ دیکھ کے حیران ہو رہی تھی۔

”نیکسٹ ٹائم جب کہہ کہ جاؤں کہ واپسی پہ ویسی ہی میں تو اسکا مطلب ہو گا کہ مجھے ویسی ہی چاہیے آپ۔ کوئی روبدل نہ ہو۔ ”طلال نے اسکو لودیتی نظر وہ سے کچھ باور کروایا تھا۔

”مم۔۔ میں باہر دیکھ لوں زرا آنٹی اور آنیہ کو۔ ”منتہا نے فرار چاہا تھا۔
”بھاگ لیں جتنا بھاگنا ہے۔ ”طلال نے اسکو پیچھے سے کہا تھا۔
مگر منتہا نے واپس دیکھنے کی غلطی نہ کی تھی۔

طلال اس وقت اکرام اور محسن صاحب کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔
زیر غور آج آنے والی دھمکی آمیز کال تھی۔ جو محسن صاحب کو آئی تھی۔
”دیکھو طلال تم ہمیں بہت عزیز ہو وجہت بھائی کی نشانی ہو ہمارے پاس۔ میں نہیں چاہتا تمہارے ساتھ کچھ غلط ہو۔ ”محسن صاحب کے آواز میں فکر مندی کا عنصر نمایاں تھا۔
”میں سمجھ سکتا ہوں مگر بھائی میں بابا کی ہی خواہش پوری کر رہا ہوں۔ آپ سب اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں وہ زمین ہماری ہے بابا نے اس زمین کے علاوہ زمینیں بیچیں تھیں اور وہاں وہ شروع سے ہا سپٹل بنانا چاہتے ہیں گاؤں کے حالات سے آپ واقف ہیں۔ ”طلال اپنے موقف پہ ڈٹا ہوا تھا۔

بابرا شرف جوان کے رشتے داروں میں سے ایک بگڑا ہوا انسان تھا۔ اسکی آنکھ وجہت کی گاؤں میں زمین پہ تھی۔ اسکا اپنا کام بھی لوگوں کی زمینوں پہ قبضہ کرنا تھا۔ اب اسکا بیٹا ثاقب بابر بھی اسکے ہی نقش قدم پہ چل رہا تھا۔

طلال نے جیسے ہی اس زمین پر کنسٹرکشن شروع کروائی تھی اسکی طرف سے دھمکی آمیز کالز آنا شروع ہو گئی تھی۔

طلال کسی جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا تھا وہ انکی خصلت سے بھی واقف تھا تو اس نے اس معاملے کے حل کے لیے قانونی کارروائی کا سہارا لیا تھا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ آج ایک دھمکی آمیز کال محسن صاحب کو موصول ہوئی تھی کہ طلال کو سمجھا لیں ورنہ کل کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

”بات تو بھائی صاحب طلال کی بھی ٹھیک ہے۔ کیا زمانہ آگیا ہے لوگ چھینا چھبی پر اتر آئے ہیں۔ یتیموں کا مال تو لوگ یوں ہڑپ کرتے ہیں جیسے انکا حق ہو۔“ اکرام صاحب نے طلال کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ظلم کے آگے دب جائے یا چپ ہو جائیں مجھے ڈٹ کے کھڑا ہونا آتا ہے۔ میں اپنے بابا کا خواب پورا کرنا چاہتا ہوں اس میں کیا غلط ہے آپ ہی بتائیں مجھے۔“ طلال نے سامنے بیٹھے محسن صاحب کو دیکھا تھا جنکو وہ ہمیشہ باپ کی سی عزت دیتا تھا۔

”ٹھیک ہے طلال۔ مگر بچے تمہیں بہت محتاج ہو کے رہنا ہے۔ بلکہ میں خود تمہاری سیکیورٹی کا انتظام کرتا ہوں اس میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا میں۔“ محسن صاحب نے حتیٰ فیصلہ سنایا تھا۔

”ہاں ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی صاحب۔“ اکرام صاحب نے بھی حامی بھری تھی۔

”جیسا آپ کہیں۔“ طلال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

زندگی معمول کے مطابق گزر رہی تھی۔ آج گھر پہ سب کو عاصمہ بیگم کے میکے کی کسی دعوت میں جانا تھا۔ مرتباً سہولت سے انکار کر دیا تھا البتہ آنسیہ کو بھیج دیا تھا۔

تقریباً ایک بجے سب گھر سے روانہ ہو گئے تھے طلال تو ویسے ہی صحیح کا آفس گیا ہوا تھا۔
طلال واپس کنسٹرکشن کا کام شروع کرواجکا تھا تو آجکل گھر کم ہی نظر آتا تھا مگر بیوی سے
رابطہ میں رہتا تھا۔

منہما کا ارادہ گھر کی زر اتفصیلی صفائی کا تھا جو وہ اور آمنہ نے مل کے تقریباً چار بجے تک مکمل
کر لی تھی۔ آمنہ تو واپس چلی گئی تھی منہما نہا کر کچن میں گئی کیونکہ اب بھوک چمک رہی
تھی۔

فرنج میں سے کھانے کو کچھ ڈھونڈنے لگی تو قسمت سے ایک سینڈوچ ہاتھ لگا تھا ساتھ
چائے بنائی ابھی کپ میں ڈال کے وہ لاونچ میں صوفے پہ آکے بیٹھی تھی کہ ٹیبل پہ پڑا
فون نج اٹھا تھا۔

”اسلام علیکم۔“ منہما نے نمبر دیکھتے ہوئے فون اٹھایا تھا۔

”و علیکم اسلام۔ جیتی رہیں۔“ طلال کی آواز گونجی تھی۔

”آنٹی لوگ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ آمنہ واپس چلی گئی ہے۔ گیٹ کیپر اپنے
فرانچ انعام دے رہا ہے۔ میں اب لنج کرنے لگی ہوں۔“ منہما نے اسکو تمام تفصیلات
سے آگاہ کیا تھا کیونکہ وہ صحیح سے کوئی دس بار سب ٹھیک ہے کا پوچھ چکا تھا۔

”لنج اتنی لیٹ کیوں کر رہی ہیں۔ دماغ ٹھیک ہے آپکا۔“ اسکی تفصیل سن کے ہستا طلال کا
فائل چیک کرتا ہاتھ ایک پل کور کا تھاب وہ اسکی لاپرواہی پہ تپا تھا۔

”ایک بجے تقریباً آنٹی لوگ گئے تھے پھر میں گھر کے کاموں میں لگ گئی تھی تھوڑی دیر
پہلے فریش ہو کے اب لنج کا ٹائم ملا ہے۔“ منہما نے اسکو تفصیل بتائی تھی۔

”کچھ بھی ہو لنج ٹائم پہ کیا کریں۔ پتہ نہیں دھیان کدھر ہوتا ہے آپ کا۔“ طلال نے اسکو
نصیحت کی۔ مگر منہما کا دھیان باہر سے آتی عجیب آوازوں پہ تھا۔

”اچھا میں تھوڑی دیر میں گھر آ رہا ہوں۔ کوئی کام ہو تو فوراً مجھے کال کر لیجے گا۔“ طلال کو ہر وقت آ جکل دھچکا لگا رہتا تھا اپنی تو فکر نہیں تھی مگر گھر پہ وہ اکیلی تھی وہ کبھی اسکو گھر اکیلانہ چھوڑتا ایک تو اسکو آفس آ کے پتہ چلا تھا کہ سب لوگ جا رہے ہیں مگر منہانے جانے سے انکار کر دیا ہے مگر وہ مطمئن تھا کہ گیٹ کیپر ہو گا گھر پہ ہی۔

”طلال۔۔۔ منہانے اسکو پکارا تھا۔

”جی۔ سب ٹھیک ہے۔“ اس طرح پکارنے پہ طلال کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

”پتہ نہیں۔ باہر سے عجیب سی اوپنجی اونچی آوازیں آ رہی ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے باہر لان میں کوئی جھگٹر رہا ہے۔“ منہانے ڈرتے ہوئے اسکو بتایا تھا۔

”اوٹ۔۔۔ منہا آپ فوراً سے پہلے روم میں جا کے روم کولاک کریں۔ ہری اپ۔۔۔ میں بس گھر آ رہا ہوں۔“ طلال نے اسکو ہدایات دیتے کر سی چھوڑی تھی۔

”طلال۔۔۔ مگر۔“ منہا پہلے ہی پریشان تھی اب طلال کے یوں کہنے پہ اس سے بولنا مشکل ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

”منہا پلیز۔۔۔ جلدی روم میں جائیں۔ میں آپ کو سب بتا دوں گا۔ جب تک میں نہ آؤ آپ نے روم کالاک نہیں کھولنا۔ فون بھی بند نہیں کریں آپ۔“ طلال اسکو احتیاطی تدا بیر سے آگاہ کرتے ہوئے آفس سے باہر نکل آیا تھا۔

منہا کمرے کی طرف بڑھی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کرتی کسی نے اپنے ٹانگ آگے کر کے اسکو ایسا کرنا سے روکا تھا۔

وہ کوئی دوہٹے کٹے آدمی تھے۔ ہاتھ پہ پسل پکڑے ہوئے تھے۔

”طلال۔“ منہا کی چیخ نکلی تھی اور موبائل ہاتھ سے گرا تھا۔ طلال کے پاؤں تلے سے زمین سر ک گئی تھی۔

طلال نے منتہا کا نمبر دوبارہ ملایا تھا مگر وہ بند جا رہا تھا۔ طلال گاڑی کو مین روڈ پے لے آیا تھا۔ پریشانی سے اسکا دل بند ہو رہا تھا۔ مسئلہ اسکی بیوی کا تھا۔ کیسے نہ وہ پریشان ہوتا۔

اگر کچھ برا ہو گیا تو؟؟

یہی سوچ اسکو اندر رہی اندر مار رہی تھی۔

ابھی تو جینا شروع کر رہا تھا وہ اب یہ کیسی آزمائش آن پڑی تھی۔

طلال نے عمر کا نمبر ملانے کا سوچا تھا کہ گھر پہنچ جائے اگر وہ نزدیک تھا کہی۔

مگر وہ اسکی جان کو کیسے خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

وہ اپنی بے بسی پہ سلگ اٹھا تھا۔

پولیس کو کال کرتا وہ گاڑی کو فل سپیڈ پہ بھگا رہا تھا۔

”تت۔۔ تم۔۔ کک۔۔ کون۔۔“ منتہا ڈر کے مارے منمنا رہی تھی۔ ڈوپٹہ اپنے گرد مزید

ٹھیک کر کے خود کو انکی غلیظ نظر وں سے بچانا چاہا تھا۔

”ارے ارے۔۔ ڈر گئی طلال کی بیوی ہو۔ جگرے والی بنو بلبل۔۔“ ثاقب با بر کمینگی سے کہتا اسکی طرف بڑھا تھا۔ منتہا دو قدم پیچھے سر کی تھی۔

”دد۔۔ دیکھ۔۔ دیکھیں۔۔ آ۔۔ آپ۔۔“ منتہا پھر ہمت کر کے بولی تھی۔

خوف سے وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اس وقت گھر میں وہ اکیلی تھی اسکا محافظ اس سے دور بیٹھا تھا یہی سوچ اسکو رلانے کو کافی تھی۔

”دیکھ ہی تو رہے ہیں۔۔ ویسے ماننا پڑے گا تمہارے شوہر کو۔ کمینے کی قسمت بڑی اچھی ہے پہلی بیوی بھی پیاری تھی تم تو قیامت ہو پوری۔۔“ ثاقب نے کمینگی سے کہتے پسل منتہا کی کنپٹی پہ رکھا تھا۔

منتہا کی چیخنی نکلی تھی۔

”کدھر گولی کھانا پسند کرو گی تم۔“ بابر اب قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

”ادھر۔۔۔“ اسکا پسٹل والا ہاتھ اسکے ماتھے پہ گیا تھا۔

”یادھر۔۔۔“ اب وہ پسٹل بازو اور کبھی کنپٹی پہ رکھ کے بول رہا تھا۔

منتہا کا ٹانگوں پہ کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ خوف سے آواز بھی نکلا بند ہو گئی تھی۔ پسینہ

پھوٹ رہا تھا پورے جسم سے۔ آنسو بنا آواز کے پھسل رہے تھے۔

”یا یہاں۔۔۔“ اب کے پسٹل اسکے پیٹ پہ رکھتا منتہا کو تڑپا گیا تھا۔ وہ چھتی نیچے بلیٹھی

تھی۔ اسکو گا تھا اب وہ مر جائے گی۔

”نن۔۔۔ نہ۔۔۔ نہیں۔۔۔“ وہ بمشکل اتنی سے آواز نکال پائی کہ خود سن سکی تھی۔

”کیا کہہ رہی ہو اونچی بولو جانم۔“ ثاقب نے اسکے سامنے بلیٹھتے ہوئے اسکے بالوں کو پکڑ

کے چہرہ اونچا کیا تھا۔

وہ بال جو آنسیہ بھی چھیرے تو طلال کو بر الگتا تھا۔ اب وہ بیدردی سے کھینچ رہا تھا۔

”سک۔۔۔ کچ۔۔۔ کچھ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔“ منتہا بدقت بولی۔

”سن اب۔۔۔ اپنے شوہر کا بتا دینا یہ بس ٹریلر تھا اگر اب بھی بازنہ آیا تو بیوی کی لاش ملے

گی گھر انتظار کرتی۔“ آصف نے کہتے ہوئے پسٹل سے ایک گولی چلائی تو جو کھڑکی کا شیشہ

چھن سے توڑتی باہر آئی دیوار کا سینہ چیر گئی تھی۔

اب منتہا کی چیخ بھی نکل نہ پائی تھی وہ خوف سے دونوں کانوں میں ہاتھ رکھتے وہی ڈھیر ہو گئی تھی۔

طلال اندر ھادھند گاڑی بھگا تاگھر داخل ہوا تھا تو گیٹ کیپر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ تبھی
بائے چانس عمر کی گاڑی بھی گیٹ پہ آکے رکی تھی۔
وہ بھی جب اندر آیا تو سکتے میں آگیا تھا۔

”چاچو یہ سب۔ آپ ٹھیک ہیں۔“ عمر نے آتے ہی پوچھا تھا۔
”تم اسکو ہا سپیٹل لے کے جاؤ جلدی میں منتہا کو دیکھ لوں۔“ طلال کہتے اندر کو بھاگا تھا
۔ اور دل میں ایک ہی ورد کر رہا تھا اسکی منتہا صحیح سلامت ہو۔
خالی لاونچ اسکا منہ چڑھا رہا تھا طلال کا دل دکھا تھا۔
وہ دیوانہ وار منتہا کو پکارتا کمرے کی طرف بڑھا تھا۔
منتہا نے غنوڈگی میں جاتے طلال کو پکارتے سنا تھا۔ وہ ہلاکا سا، ملی تھی۔
”منتہا۔“ طلال اندر آیا تو کھڑکی کا ٹوٹا شیشہ اور بیڈ کے دوسری طرف ڈھیر منتہا کو دیکھا تھا
تو چیخا تھا۔

”طلال۔“ منتہا بیڈ شیدٹ پکڑ کے اپنا ہاتھ اسکی جانب کرتے بولی تھی۔
طلال ایک ہی جست میں فاصلہ ختم کرتا اسکے پاس گھنٹوں کے بل بیٹھا تھا۔
”آپ ٹھیک ہیں۔“ طلال نے اسکا وجود ساتھ لگاتے پوچھا تھا۔ اسکو اس حالت میں دیکھ
کے وہ کس قرب سے گزر رہا تھا وہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ طلال وہ۔“ منتہا بھی بھی خوف کے زیر اثر تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے
آن سورا و قطار اسکی گالوں کو بھگور ہے تھے۔

”اٹس آور۔ آئی ایم و دیو۔ منتہا یلیکس۔“ طلال نے اسکو خود میں بھینچا تھا۔
”آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں نا۔“ طلال نے اسکو اپنے سامنے کرتے تسلی چاہی تھی۔
وہ صرف ہاں میں سر ہلاپائی تھی۔

”آئی ایم سوری منتها۔ آپکو یہ سب برداشت کرنا پڑا۔“ طلال اسکی کمر سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا تجھی اسکا فون بجا تھا ان جان نمبر تھا۔ طلال نے منتها کو سائیڈ پر کر کے فون اٹھانا چاہا مگر منتها تیار نہ تھی۔

وہ اسکا کوٹ دونوں میٹھیوں میں بھینچ چکی تھی۔

اسکے اس طرح ڈرنے پر طلال ضبط سے آنکھیں بھینچ کے اسکو ساتھ کرتا اپنی موجودگی کا احساس دلا گیا تھا اور وہی کھڑے موبائل کان سے لگایا تھا۔

”ہیلو ہیلو۔ مسٹر طلال وجاہت۔ مل لیا ہو گا اب تک توبیوی سے۔“ ثاقب کی مکاری سے بھر پور آواز گونجی تھی۔

”طلاق یافتہ ہے تمہاری بیوی۔ مگر پوری قیامت ہے۔“ ثاقب اپنی کمینگی دیکھا رہا تھا۔ ”یو۔“ طلال غرایا۔ منتها اسکے سخت لمحے میں دبک کے پیچھے ہٹی تھی۔

”ابھی تو صرف ڈرایا ہے تیری بیوی کو اگر اب بھی تبازنہ آئے تو مزید نقصان کے لیے تیار رہنا۔“ طلال اسکی طرف کم متوجہ تھا زیادہ دھیان بیوی میں تھا۔ طلال نے اسکی مزید بکواس سے بغیر فون بند کر کے دور پھینکا تھا۔ کیونکہ ابھی سامنے کھڑی بیوی زیادہ اہم تھی۔

”آئی ایم سوری۔ اب نہیں چلاؤں گا۔ بس ریلیکس۔ دیکھیں۔ سب ٹھیک ہے میں آپکے پاس ہوں۔ سب ٹھیک ہے۔“ طلال نے اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے بچوں کی طرف پچکا را تھا۔

اب کی بار منتها کھل کے روئی تھی۔

”طلال۔“ منتها کی آواز میں ترڑپ تھی۔

”اس۔۔ اس نے۔۔ یہا۔۔ یہاں یہاں پسٹل رکھا تھا۔۔“ منہانے طلال کا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھتے ہوئے بتایا تھا۔

”یہاں بھی۔۔“ منہانے کپٹی پر اسکا ہاتھ رکھ تھا۔ طلال نے آگے بڑھ کے اسکی کپٹی پر مسیحائی کالمس جگایا تھا۔

”وہ۔۔ وہ بڑے لوگ تھے۔۔ یہاں بھی پسٹل رکھا تھا۔۔“ اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے وہ بچھوٹ کے روئی تھی اور طلال ضبط کر تارہ گیا تھا ابھی اہم کام بیوی کو سنبھالنا تھا اسکے ساتھ تو جو سلوک کرنا تھا وہ طلال نے سوچ لیا تھا۔

اگلے آدھے گھنٹے میں سب گھر تھے۔ پولیس کی گاڑیوں کے سائز اور شام کے پھلتے سائے منظر کو مزید ہولناک بنارہے تھے۔ عجیب سادھر منہانے کی دل میں گھر کر گیا تھا کہ ابھی کوئی آجائے گا پھر سے۔

جب تک کوئی نہیں آیا تھا منہانے طلال کو پاس سے ملنے نہ دیا تھا۔

طلال فون پہ ہی عمر کو انسلٹر کشنز دے رہا تھا۔

گھر کی خواتین آئی تو منہانے طلال کو جانے دیا تھا۔ طلال جو پولیس کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوا تھا تو روتی ماں پہ نظر پڑی تھی۔

”بس انسلکٹر صاحب دو منٹ۔ عمر انکوڈر انگ روم میں لے کے جاؤ۔ کچھ چائے پانی کا بندوبست کرو بعد میں آپ نے جوابیان لینے ہونگے لیجئے گا۔“ طلال نے کہتے ہوئے انکو منظر سے غائب کیا تھا۔

”طلال کیا ہے یہ سب۔“ جیسے ہی طلال ماں کے سامنے گھنٹوں کے بل آکے بیٹھا تھا تو انکی آواز گونجی تھی۔

”ماں یہ بابا کے خواب کو پورا کرنے کی پہلی کڑی ہے۔ آپ کیوں ہمت ہار رہی ہیں۔ مجھے کون ہمت دے گا پھر۔ آپ خود ہی کہتی ہیں کہ کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔“ طلال نے ماں کے ضعف ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا تھا۔

”میری جان مجھے اسی وقت کا ڈر تھا۔ تم جانے دو یہ سب۔“ رقیہ بیگم نے اسکو روکنا چاہا تھا۔

”یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ میری زندگی میں دو عورتیں اہم ہیں پہلا نمبر آپکا ہے اور پھر میری بیوی۔ بیٹی میری تو ابھی بچی ہے۔ اندر بیٹھی بیوی تو ویسے ہی ہمت ہار گئی ہے آپ تو یوں مجھے بے بس نہ کریں۔ بلکہ اسکو سنبحا لئے میں میری مدد کریں۔ آپ ہمیشہ مجھے مضبوط دیکھنا چاہتی تھی ہر کامیابی میں میرا ساتھ دیا آپ نے تو پھر آج کیوں۔“ طلال نے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

”بیٹا متھا بہت ڈر گئی ہے۔ کسی بھی نارمل انسان کے ساتھ ایسا ہو تو وہ ایسے ہی ری ایکٹ کرتا ہے اور ویسے بھی اسکا تو چڑیا کے دل جتنی دل ہے اسکا۔“ رقیہ بیگم نے اصل پریشانی سے آگاہ کیا تھا۔

”میں سمجھ سکتا ہوں مگر بابا کا خواب ادھورا چھوڑ امیرے لئے ناممکن ہے۔ باقی ہم دونوں اسکو سنبحاں لیں گے نا۔ میرے لیے سب آسان ہے تب تک جب تک آپ میری ہمت بن رہیں گئی اگر آپ یوں دل چھوڑ دینگی تو طلال بھی ڈھ جائے گا۔“ طلال نے انکو انکی اہمیت باور کروائی تھی۔

”جیتے رہو۔“ وہ نم آنکھوں سے مسکراتی اسکا نظر اتارتے ہوئے بولی تھیں۔

طلال ماں کو مطمئن کرتا اٹھا تھا اور ڈرائیور کی طرف بڑھا تھا کیونکہ اب اسکو قانونی کارروائی بھی مکمل کروانی تھی۔ طلال اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا اور پولیس کے چند آفیسرز اس کمرے کا جائزہ لینے ساتھ آئے تھے اور شواہد اکھٹے کرنے تھے۔

پولیس والوں کو اب منہما کا بیان چاہیے تھا کہ وہ لوگ کیسے تھے۔ کتنے تھے۔ اور کیسے ان لوگوں نے اٹک کیا۔

طلال نے ایک نظر بیڈ پہ دیکھا تھا جہاں وہ عاصمہ بیگم کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ آنکھیں سو جھگئی تھیں رونے سے۔ اب وہ بلکل چپ تھی جیسے کسی صدمے کے زیر اثر ہو۔ آنکھیں اور ناک سرخ ہو چکا تھا۔

”منہما۔ آپ ٹھیک ہیں۔“ طلال نے باقی لوگوں کو باہر بھیجنے کے بعد اندر آتے پوچھا تھا۔ وہ اپنا ڈوپٹھ ٹھیک کرتی سر ہلاکئی تھی۔

”وہ دراصل پولیس آپ کا بیان لینا چاہتی ہے آج کے واقعہ کے بارے میں۔“ طلال نے کہنا شروع کیا تھا تو منہما نے تیزی سے اسکی طرف دیکھا تھا آنکھوں میں خوف واضح تھا۔ پہلے ہی وہ خوف زدہ تھی مزید ان پولیس والوں کو دیکھ کر ہو گی تھی اب وہ اسکو بلا رہے تھے۔

”میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ ڈرنا نہیں ہے بس وہ جو پوچھیں آپ نے بتانا ہے۔ ٹھیک ہے“ طلال نے اسکو اپنی موجودگی کا بتانے کے بعد پوچھا تھا۔ وہ سر ہلاکئی۔

”آپ ڈرائیور میں آجائیں اگر کمفرٹیبل ہیں۔“ طلال نے اس سے پوچھا تھا وہ ہاں میں سر ہلاتی اٹھی تھی۔ تو اسکو سر گھومتا محسوس ہوا تھا۔ وہ لڑکھڑائی تھی۔

”منتہا میری جان دیکھا خود کو ہلاکان کر رکھا ہے تم نے رو رو کے۔“ عاصمہ بیگم نے اسکو سہارا دیا تھا۔

”بھا بھی آپ ڈاکٹر کو کال کریں بس پانچ منٹ میں یہ فری ہو جائیں گی۔“ طلال نے منتہا کو سہارا دیتے ہوئے ساتھ چلایا تھا اور عاصمہ بھا بھی کو کہتا باہر نکل گیا تھا۔ وہ پیچھے ڈاکٹر کو کال کرنے چل دی تھیں۔

گھر میں سب افراد کے ہونے کے باوجود بھی گھر میں سناٹا تھا سب پریشان تھا۔ عمر کب سے مومنہ کو پریشان گھومتا دیکھ رہا تھا۔ پریشان تو وہ خود بھی تھا مگر اپنی چڑیل کو زیادہ پریشان نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس سے بات کرنے کے ارادے سے وہ اسکی طرف بڑھا تھا آج اسکو ایک اور بات بھی بتانی تھی جس سے وہ شاید پریشان بھی ہوتی کیونکہ عمر کافی ادا س تھا اب شام کا واقعہ اسکو مزید پریشان کر گیا تھا۔

”آؤ باہر چلیں۔“ پریشان بیٹھی مومنہ کو کہتا وہ اسکا ہاتھ کپڑتا باہر لان میں آگیا تھا۔

”سب ٹھیک ہے پریشان نہ ہو تم۔“ عمر نے اسکو بیٹھ میں بٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

”عمر اگر منتہا پچھی کو کچھ ہو جاتا۔“ مومنہ کی سوتی وہی انگلی ہوتی تھی۔

”اچھا اچھا سوچتے ہیں مومنہ۔ کچھ ہوا تو نہیں ہے نا۔“ عمر نے اسکو پیار سے ڈپٹا تھا۔

”ہمم۔ زندگی کتنی ان پر ڈیکٹیبل ہوتی ہیں نا۔ کبھی بھی کچھ بھی ہو جاتا ہے۔“ مومنہ کے لہجے میں افسردگی تھی۔

”بھی زندگی ہوتی ہے۔ مگر یوں اداس اور پریشان ہو کے مسائل کو حل نہیں کیا جاسکتا نا۔ تم پچھی کو چھیرا پ کرونا کہ خود یوں پریشان رہو۔“ عمر نے مومنہ کا ہاتھ نرم سے دباتے ہوئے کہا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ مرتبا پچھی بھی شکر کرتی جا رہی ہیں کہ آنیہ انکے پاس نہیں تھی ورنہ اگر وہ آنیہ کو کوئی نقصان پہنچا دیتے تو کیا ہوتا۔“ مومنہ نے عمر کو بتایا تھا۔
”وہ آنیہ کو ایک ماں کا پیار دیتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لکی ہیں طلال چاچو جو ایسا مخلص سا تھی ملا۔“ عمر نے کہا تھا۔

”ہاں اور مرتبا پچھی بھی۔ کیونکہ طلال چاچوان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔“
مومنہ نے بھی پیار سے کہا تھا۔

”چلواب اداس نہیں ہونا۔“ عمر نے اسکا چہرہ تھپٹھا یا تھا۔
”میں ایک بات سوچ رہی ہوں عمر۔“ مومنہ نے کہا تھا۔
”ہاں بولو۔“ عمر اسکا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا تھا۔
”اگر میرے ساتھ ایسا ہوتا اور کوئی مجھے گولی ہی مار دیتا۔“ مومنہ نے سنسانی پھیلاتے ہوئے کہا تھا۔

”بکواس نہ کیا کرو۔ الٹا سیدھا سوچتی رہتی ہو۔ فضول میں۔“ عمر نے اسکو ڈالنا تھا۔
”میں تو بس امیجن کر رہی تھی۔“ مومنہ نے معصومیت سے کہا۔
”اف اللہ۔ ایسی باتیں کون امیجن کرتا ہے مومنہ۔“ عمر اپنا سر پیٹ کے رہ گیا تھا۔
”عمر محسن تمہارا مستقبل رو میں کے حساب سے تاریک لگ رہا ہے۔ تمہاری ہونے والی بیوی کوئی رومانی سین امیجن نہیں کر سکتی۔“ عمر تاسف سے بڑھتا کے رہ گیا تھا۔

”اچھا سنو۔“ عمر نے کچھ یاد آنے پہ کہا تھا۔

”سن رہی ہوں۔“ مومنہ اب عمر کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”میں کل ایک کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جا رہا ہوں۔“ عمر نے مومنہ کو اطلاع دی تھی۔

”خیر سے جاؤ خیر سے آؤ۔ ماشاء اللہ لڑکا بڑا ہو گیا ہے۔“ مومنہ نے اسکو چھپتے ہوئے کہا تھا۔ عمر بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔ اسکا دل اداں جو تھا۔ مگر مومنہ اپنے مودت میں تھی کیونکہ پوری بات نہیں جانتی تھی۔

”چلو جب شام کو واپس آؤ گے تو ہم پارٹی کرنیں گے۔ یوں گھر کا ماحول بھی اچھا ہو جائے گا۔“ مومنہ نے چھکتے پروگرام بنایا تھا۔ عمر اسکو ہنستا دیکھ کر ہولے سے ہنسا تھا ڈھیر وں سکون اندر اترتا محسوس ہوا تھا۔

کیونکہ اسکی چڑیل ہنسی تھی۔

”دو یا تین دن بعد واپسی ہو گی۔“ عمر نے کہتے ہوئے مومنہ کے سر پہ بم پھوڑا تھا۔ وہ مومنہ کے تاثرات، ہی دیکھ رہا تھا۔ جو ایک پل میں بدلتے تھے۔ وہ بلکل رو دینے کو تھی۔

”جھوٹ بول رہے ہونا۔“ مومنہ نے اسکو گھورا۔

”نہیں عمر کی چڑیل۔ کام کے سلسلے میں جانانپڑے گا۔“ عمر نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”عمر میر ادل نہیں لگے گا۔“ مومنہ روہانی ہوتی۔

”مومنی ایسے کیسے چلے گا۔“ عمر کا دل ہوا تھا اسکے یوں بولنے پہ۔ وہ ایک نظر اسکو دیکھ کر رہ گیا تھا اسکے دو یا تین دن پاس نہ رہنے پہ اس لڑکی کا یہ حال تھا تو وہ کیسے کہہ لیتی تھی۔ عمر میر ادوار لہا تم سے زیادہ ہینڈ سسم ہو گا۔

وہ یقیناً ان باتوں کو دل سے نہیں کہتی۔

”عمر میں کبھی بھی تمہارے بغیر رہی ہوں پہلے بھلا۔ تم اب غلط کر رہے ہو۔“ مومنہ نے احتجاج بلند کیا تھا۔ آنسو بغاوت کرتاٹوٹ کے گال پہ پھسلا تھا مقابل کی بھی جان پہ بنی تھی۔

”مومنہ ایسے کرو گی تو میں بلکل بھی کام نہیں کر سکوں گا اور سب سے ڈانت کھاؤ نگا۔ سب کہیں گے مومنہ کا عمر تو صفر ہے اسکو کچھ نہیں آتا۔ اور تم نے آس لینڈ جانا ہے نا۔ اور ترکی بھی۔“ عمر اسکو سمجھاتا ہوا اس سے پوچھ رہا تھا۔

”ہاں لازمی جانا ہے اور وہ بھی تم نے لے کے جانا ہے مجھے۔ مگر اب کیوں پوچھ رہے ہو۔“ مومنہ نے اسکو گھورا تھا۔

عمر اسکو دیکھ کر رہ گیا تھا اسکے ساتھ مستقبل کا سوچ رکھا ہے تو کسی اور کو عمر کی دلہن کیوں سوچتی ہے یہ پاگل۔

”تو مومنی وہاں جانے کو پسیے بھی تو ہونے چاہیے ناں عمر کے پاس۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں شہر سے باہر پسیے اکھٹے کرنے جا رہا ہوں۔“ عمر نے ہنسنے ہوئے مستقبل کے خواب دیکھتے تھے۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر عمر۔“ وہ پھر وہی اٹکی تھی۔

”نو اگر مگر اب تو طلال چاچو بھی نہیں جاسکتے نا۔ کیونکہ متھا پچھی کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔“ عمر نے اسکو کہا تھا۔

”ہم یہ تو ہے۔“ مومنہ منمنائی تھی دل ایکدم سے اداس ہو گیا تھا۔

”ویسے کل کو جب تمہاری شادی ہو گی تو کیسے رہو گی میرے بغیر۔“ اب عمر نے اسکو چھپڑا تھا۔

”میں شادی نہیں کروں گی۔ اور نہ تمہیں کرنے دوں گی۔ سن لو۔“ مومنہ نے اسکو وارن کیا تھا۔ عمر اسکی وارنگ پر ہنس پڑا تھا۔

”اس سے بھی بہتر حل ہے میرے پاس۔“ عمر نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”آپس میں شادی کا نہیں سوچ سکتی یہ لڑکی۔ پابندیاں لگائیتی ہیں بس۔“ عمر سوچ کے رہ گیا تھا۔

”کیا حل ہے۔“ مومنہ نے جھٹ پوچھا تھا۔

”جب واپس آؤں گا تب بتاؤں گا۔ ساتھ ایک سر پر انز بھی دونگا۔ بس تم نے میرے پیچھے اپنا دھیان رکھنا ہے علی بھائی سے بات تک نہیں کرنی۔ اور اچھے سے کھانا پینا ہے پچھی افشاں کو تنگ نہیں کرنا۔“ عمر اب اسکو سر پر انز کا کہتے ہدایات دے رہا تھا۔

”کونسا سر پر انز واو۔“ مومنہ ک سارا دھیان سر پر انز میں تھا۔

”باقی باتیں جو میں کہی ہیں ان پہ بات کرو پہلے۔“ عمر نے اسکو گھورا تھا۔

”اچھاں۔“ مومنہ نے کہا تھا۔ اب وہ اور عمر باتوں میں لگ گئے تھے وقت دبے پاؤں سر ک رہا تھا۔

آنے والے دن کیا سر پر انز دینے والے تھے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

رات کافی ہو گئی تھی آنیہ کو افشاں بیگم اپنے ساتھ لے گئی تھیں مرتباً کے منع کرنے کے باوجود بھی۔ مرتباً کوہلا کا ساخار تھاڑا کٹر چیک اپ کر کے میڈیسین دے گیا تھا اور ساتھ پر سکون رہنے کی ہدایت بھی کرتا گیا تھا۔

طلال بیوی کو ایک نظر دیکھ کے رہ گیا تھا کہ واقعی ہی اسکا چڑیا جتنا دل ہے جو اتنا اثر لے گئی ہے۔ مگر اسکو سنبھالنا آتا تھا۔ اسکا فرض بھی تھا بیوی تھی اسکی۔

رات کو جب وہ کمرے میں آیا تو وہ صوفے پہ ٹیک لگا کے بیٹھی تھی۔ نظر سامنے کھڑکی پر تھی جہاں گولی شدید کو چیرتے ہوئے نکلی تھی۔

طلال اسکے پاس آکے بیٹھا اور بیوی کو دیکھنے لگا تھا جو واقعی ہی مر جھاسی گئی تھی۔

”ایسے کر کے آپ خود کو ہی اذیت دے رہی ہیں۔ آپ محفوظ ہیں اب۔ میں سیکیورٹی سے لے کے ہر چیز سیٹ کر چکا ہوں ملتا۔“ طلال نے اسکے پاس بیٹھتے ہوئے بات کا آغاز کیا تھا۔

”میں کوشش کر رہی ہوں۔“ منتہا شرمندگی سے منمنائی تھی۔

طلال اسکا جھکا سر اور لجہ پہچان گیا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔

”اچھا چھوڑیں آج ہم با تیں کریں گے بہت ساری باتیں۔ جو ہمارے دل میں تاکہ ہم اچھا فیل کریں۔“ طلال نے کمال مہارت سے کہا تھا مقصد اسکا دھیان بٹانا تھا۔

”اگر میں با تیں کروں کوئی تو آپ کو براؤ نہیں لگے گانا۔“ منتہا نے تصدیق چاہی تھی۔

”بھلا مجھے کیوں برا لگے گا۔“ طلال نے کہتے ہوئے اسکا ہاتھ تھاما تھا۔

تو وہ سیدھی ہوتی صوفے پر آرام سے بیٹھ گئی تھی پاؤں بھی اب اوپر کر لیے تھے طلال بھی ایک ٹانگ صوفے پر رکھتا ٹانگ فولڈ کر تا سیدھا ہوا تھا۔

”ٹھیک ہے مگر بولنا صرف میں ہے۔“ وہ اب اگلا فرمائش کر رہی تھی۔

”یہ کیا مجھے بھی تو آپ سے باتیں کرنی ہیں نا۔“ طلال نے اسکی فرمائش پر احتجاج کیا۔ منتہا کا منہ پھول گیا تھا۔ وہ اب چپ رہی۔

”اوکے۔ آپ بولیں میں سن رہا ہوں۔“ طلال نے اسکو چپ دیکھ کے کہا تھا۔

”طلال پہلے آج ہونے والے واقعہ کے بارے میں مجھے ایک بات بتائیں۔“ نتہانے پوچھا تھا۔

”نتہا اس بارے میں بات نہیں کریں گے ہم۔ آپ پہلے ہی ٹینشن میں ہیں۔ بس اتنا بھروسہ رکھیں آپ کا شوہر حق کا ساتھ دے رہا ہے اتنا یقین رکھیں مجھ پہ۔ باقی آپ کو سب حقیقت سے بھی آگاہ کر دوں گا۔ مگر آج نہیں۔“ طلال کے تاثرات بدلتے تھے جانتا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔

”ٹھیک ہے۔“ نتہانے حامی بھری تھی۔

”چلیں بولیں اب۔ میں آپ کو سننا چاہتا ہوں۔“ طلال نے اسکے صبح چہرے کو سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

”مجھے سب لوگ اچھے لگتے ہیں۔ مگر وہ لوگ برے تھے۔“ نتہانے کہا تھا۔

”یہ مجھے اچھے سے پتہ ہے۔ اچھا آپ بتائیں ان اچھے لوگوں میں کون کون شامل ہے۔“ طلال نے کمال مہارت سے بات بدلتی تھی۔

”میری اماں بابا اور۔ عاصمہ بھا بھی، افشاں بھا بھی اور کائنات بھا بھی۔ اور یا سر بھائی۔۔۔ اکرام اور محسن بھائی۔ مومنہ۔۔۔ عمر۔۔۔ عمیر۔۔۔ اور سب سے زیادہ پیار مجھے اپنی آنیہ سے ہے۔“ نتہا نے لست گنوادی تھی۔ طلال کا موڈبری طرح خراب ہوا تھا۔

”ان سب میں میرا کہاں ذکر تھا۔“ طلال نے نتہا کو گھورا۔

”اوہ آپ کا تو یاد نہیں رہا۔“ نتہانے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ طلال اسکے انداز پہ ہنسا تھا۔

”میں تو نہ تین میں ہوں نہ تیرہ میں۔“ طلال نے مصنوعی ناراضگی دکھاتے منہ دوسرا طرف کیا تھا۔

”طلال ناراض ہو گئے ہیں آپ کیا۔“ منتها نے دو منٹ کی خاموشی کے بعد پوچھا تھا۔
اسکے ایسے پوچھنے پر طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”میں ادھر سر رکھ لوں۔“ منتها نے اسکے دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تھا اور
طلال کو جیران کرتے اسکے دل کی دنیا تھہ و بالا کر گئی تھی۔

”اتنا سوچ کیوں رہیں ہیں۔ میں کونسا آپکی جائیداد مانگ لی ہے۔“ منتها بچوں کا سامنہ بنائے
بولی تھی طلال اسکے انداز پر کھل کے ہنسا تھا۔ آج ساری ادائیں ہی محبوب کی جان لیوا
ہوئی تھیں۔

مگر طلال کے کچھ کہنے سے پہلے وہ خود اس بات پر عمل کر چکی تھی۔
طلال اسکے رنگ دیکھ کر رہ گیا تھا۔ یقیناً منتها آج اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔
”آپکو پتہ ہے میرا کتنا دل کیا تھا ایک ٹائم پر کہ میرا کوئی اپنا ہو جس کے سینے پر میں سر رکھ
کے اپنا درد کہہ سکوں۔ جس کی دھڑکنوں کا اتار چڑھاؤ میں واضح محسوس کر سکوں جب
میں اپنا درد سنارہی ہوں۔“ منتها کسی اور ہی دنیا میں تھی۔ وہ آج اتنا ڈر گئی تھی کہ اسکو کچھ
اور سمجھ نہیں آرہا تھا بس اسکو اپنا بوجھ ہلکا کرنا تھا۔

”مگر ایسا نہیں ہوا۔ اپنے دکھ کا بوجھ خود اٹھانا پڑتا ہے۔ دوسرے تو بس دکھ دیتے ہیں
۔“ منتها کے لمحے میں اب اذیت کا عنصر تھا۔
طلال نے اسکے سر کو تھپتھپایا تھا۔

”میں اسکو بہت پکارا تھا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ میری صدائیں خالی لوٹ آئی تھیں
میری طرف۔ وہ بہت صبر آزمائھ تھے۔ تکلیف سے براحال ہوتا ہے۔“ منتها کا لمحہ کا
کرب طلال کو محسوس ہو رہا تھا۔

”آپ کو پتہ ہے؟؟“ مرتباً اب زر اسراٹھا کے طلال کی چہرے کو دیکھنے لگی تھی
دونوں کے چہرے آمنے سامنے تھے۔

دونوں ہی ایک دوسرے کے محروم تھا۔ ایک محبوب تھا تو دوسرا محب۔ مرتباً نے اس مرد
کی بہت عزت کی تھی۔

اور طلال نے ناصرف عزت کی تھی بلکہ محبت بھی کر بیٹھا تھا۔

”سب سے تکلیف دہ پتہ ہے کیا ہوتا ہے؟ جب آپ کسی کو تکلیف میں پکاروا اور وہ آگے
سے کوئی جواب نہ دے۔ صرف خاموشی ہی ہو جواب میں۔ ہر چیز سے زیادہ تکلیف دیتی
ہے وہ خاموشی۔ اور صدائوں کا خالی لوٹ آنا انسان کو اندر، ہی اندر ختم کرتا رہتا ہے
جان لیوا سا عتیں ہوتی ہیں۔ جو قہر بن کے ٹوٹتی ہی۔“ مرتباً کا آنسو ٹوٹ کے طلال کے
کشادہ سینے میں جذب ہو گیا تھا۔ طلال بلبلہ اٹھا تھا۔ اس تکلیف پر۔

”پھر میں نے اللہ کو پکارا۔ آپ پتہ ہے پھر کیا ہوا۔ اسے میری کوئی صد اخالی نہیں لٹائی
میں ایک قدم اسکی طرف بڑھی تھی بس وہ دس قدم میری طرف آیا تھا۔ میں نے اسکی
رحمت مانگنا شروع کر دی۔ مجھے اسکے رحمت کا سایہ چاہیے تھا۔ میں بہت روئی تھی۔ ٹوٹ
گئی تھی۔

مگر ٹوٹے ہوئے لوگوں کو صرف وہی سنبھال سکتا ہے۔ اسکے درپر ہی سکون ہے۔ باقی تو
بس دھوکے ہیں۔ دنیا میں فریب ہے۔ ”مرتباً کی آوازاب سرگوشی نما تھی۔
اور آپ کو پتہ ہے۔“ مرتباً نے پھر اپنا سراٹھا کے طلال کو دیکھا تھا۔

”مجھے صرف یہ پتہ ہے میں نے بے حد آزمائشوں کے بعد اپنے صبر کا اجر پالیا ہے۔ ایک
معجزے کی صورت میں۔“ طلال نے اسکی گال کو نرمی سے سہلا یا تھا۔

”ہاں آئیں۔ وہ واقعی ہی اینجل ہے۔“ مرتباً نے کہتے سروال پس اسکے دل کے مقام پر رکھا تھا
مگر ابکی بار اس نے پہلے وہاں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی رکھی پھر اسکے اوپر اپنا سر ٹکالیا تھا۔

طلال اسکی بات پہ ہنس دیا تھا۔ مرتبا اپنی ہتھیلی کے نیچے اسکا دھڑکنا دل شدرت سے محسوس کر سکتی تھی مگر اس بات سے بے خبر تھی آجکل یہ دل اسکی موجودگی، باتوں اور اداوں پہ حرکت میں رہتا تھا۔

”ہاں مگر میرے ساتھ ڈبل مجڑے ہوئے ہیں۔“ طلال نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔
”واقعی ہی۔“ اب وہ اپنا سراٹھانی سیدھی ہو کے بیٹھی تھی اور اشتیاق سے پوچھا تھا۔
”ہاں نا۔“ طلال نے اسکو بچوں کی طرف ری ایکٹ کرتے آنکھیں بڑی کرتے دیکھا تو ہنسی روک کے بولا تھا۔

”آپ کو پتہ ہے اس برے آدمی نے آج مجھے اتنی بڑی طرح ڈرا یا تھامیں بہت دعائیں کی تھیں کہ آپ جلدی سے آ جائیں۔“ مرتبا نے اب طلال کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
”سوری میں لیٹ ہو گیا تھا۔“ طلال نے اسکارو نے والا منہ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
”اب پھر رونے والا پروگرام شروع کرنے کا ارادہ ہے آپ کا۔“ طلال نے مرتبا کے بال کا نوں کے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

”آپ کو میں رونی صورت لگتی ہوں۔“ وہ منہ پھولوا کے بولتی پسکی لگی تھی۔
”نهیں تو آپ تو مجھے من مونہنی صورت لگتی ہیں۔“ طلال نے اسکو بچوں کی طرح پچکارا تھا۔

”سچی۔“ مرتبا حیران ہوتے پوچھ رہی تھی اب نیند کی زیادتی سے اسکی آنکھیں بو جھل ہو رہی تھیں تو جو سمجھ میں آرہا تھا وہ بولی جارہی تھی۔
طلال بھی اسکی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ مگر اسکو تنگ کرنے میں مزہ آرہا تھا۔
”سچی۔“ طلال نے اسکے ناک پہ انگلی سے ضرب لگائی تھی۔
”ایسے کیوں کرتے ہیں آپ۔“ مرتبا ناک سکوڑتے پوچھا تھا۔
”طلال ہولے سے ہنسا۔“

”آپ جب مجھے کیوٹ لگتی ہیں ایسا کرنے کو دل کرتا ہے۔“ طلال نے اسکو بچوں کی طرح پچکارا تھا۔

”ہم۔“ منتها کہتی اسکے کندھے سے سرٹکاتی آنکھیں موند گئی تھیں۔
جب کچھ یاد آنے پہ پھر بڑی تھی۔ وہ نیند میں جا رہی تھی۔

”اس گندے آدمی نے مجھے یہاں گن سے مارا تھا۔“ منتها نے طلال کو ہلاتے ہوئے ایسے کہا تھا جیسے وہ سورہا ہو۔

طلال ہنستا ہوا اسکی کنپٹی پہ جھکا تھا اور استحقاق کا پھول مہکایا تھا۔

”اس گندے آدمی کو آپکا طلال بہت بڑی سزادے گا۔“ طلال نے کہا تھا۔
”میرا طلال۔“ منتها بڑی تھی۔

”جی منتها کا طلال۔“ طلال اسکی غائب دماغی نوٹس کرتا کھل کے ہنسا تھا اور اسکے گرد بازو کیا تھا کہی سوتے گرنہ جائے۔

اسکے گھری نیند میں جانے کا انتظار کرتا اسکو نظر وں کے راستے دل میں اتار رہا تھا۔
آج وہ منتها کی چیخ سن کے لتناڈر گیا تھا وہ بیان نہیں کر سکتا تھا شکر تھا وہ محفوظ تھی وہ اسکو بازوؤں میں بھینچتا اسکے بالوں کو سہلا تے وہی بیٹھا تھا۔ جب وہ گھری نیند میں گئی تو اسکا اٹھاتا بیڈ پہ لیٹا کے خود بھی لیٹ گیا تھا۔

—————،—————،—————،—————،—————
عمر صحیح ہوتے ہی طلال سے کچھ ضروری ہدایات لیتا اور ڈسکس کرتا نکل گیا تھا۔ پہلی بار یوں ٹورز کے علاوہ گھر سے جا رہا تھا سب نے اسکو دعاوں کے سامنے تلے رخصت کیا تھا۔
البتہ مومنہ اپنارونا مشکل سے کنٹرول کر پائی تھی۔ سارا دن بولاٹی بولاٹی پھیرتی رہی تھی۔ آج سب لوگ زیادہ وقت رقیہ بیگم کے پورشن میں رہے تھے تاکہ منتها کا ڈر ختم ہو اور اسکا رویہ نارمل ہو سکے۔

منتہاب قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی طلال جاتے ہوئے ہزاروں نصحتیں اسکو کر کے گیا تھا جس پہ منتہابے اختیار بول اٹھی تھی۔

”یا تو مجھے چھوڑ کے نہ جائیں یا ساتھ لے جائیں۔“ کمرے سے باہر نکلتا طلال رکا تھا اور ہنستا ہوا اسکے سامنے آیا تھا۔

”آپ کیا چاہ رہی ہیں آپ کے پلوہ سے بندھ کے گھر میں بیٹھا رہوں کیا۔“ طلال نے سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے بیوی کا چہرہ دیکھا تھا۔

”میں ایسا کچھ ہرگز نہیں چاہا۔ جیسی آپ مجھے نصحتیں کر رہے ہیں ناں منتہایہ نہ کرنا منتہا وہ نہ کرنا۔ منتہا ادھرنہ جانا منتہا ادھرنہ جانا۔“ منتہاب اسکو گھورتے بولی تھی۔

”ایک بات تو بھول گئی ہیں آپ۔ میں یہ بھی بولا تھا کہ موبائل پاس ہو آپکے۔ جیسے ہی میرا کوئی فون یا میسج آئے فوراً مجھے جواب دینا ہے آپ نے۔“ طلال نے اسکے بھول جانے پہ اسکو یاد کروایا تھا ساتھ گھورنا نہیں بھولا تھا۔

”اور کچھ۔“ منتہا چڑھی۔

”اور یہی کہ آپ کو اپنا پابند کر کے جارہا ہوں اور خود آپکا پابند ہو کے جارہا ہوں۔ آپ چاہے ان چند گھنٹوں میں نظر وہ کے سامنے نہ رہیں مگر آپ میرے گھر میں محفوظ ہیں میرے لیے یہی خیال بہت ہے۔“ طلال نے کہتے ہوئے نرمی سے اسکا چہرہ چھوواتھا تو منتہا کی سیٹی گم ہوئی تھی۔

”آپ کو دیر ہو رہی ہو گی۔“ منتہانے۔ نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

”دیر تو واقعی ہی ہو رہی ہے۔“ طلال نے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا جو بے تکلی باتوں کی ماہر تھی۔

”اور کچھ کہنا ہو ا تو فون پہ بتا دیجئے گا۔ جائیں اب۔ ”منتہا کہتے مڑی تھی۔ تو طلال اسکو اپنی جانب موڑتا بولا تھا۔

”ہاں اگر رات جیسی خدمات چاہیے ہوئیں آپ کو تو وہ فون پہ نہیں دے سکتا۔ آپ بس حکم کرنابندہ اور کندھا حاضر ہو جائے گے۔ ”طلال اسکو ساحرزدہ کرتا اسکے پیشانی پہ پاکیزگی اور عزت کا احساس چھوڑتا باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

”اف یہ آدمی۔ ”منتہا بے ہوش ہونے کو تھی۔

عمر تھکا ہارا ہو ٹل کے کمرے میں آیا تھا تو مومنہ کو فون ملایا تھا۔

”اسلام علیکم۔ کیسے ہو؟؟ آگیا میرا خیال۔ میں صبح سے تمہیں مس کر رہی ہوں۔ ”مومنہ شروع ہو چکی تھی وہ ہنستا ہوا اسکے بے قرار یوں پہ بیڈ پہ گرنے کے انداز میں دراز ہوا تھا۔

”بول کیوں نہیں رہے اب عمر۔ ”مومنہ غصہ ہوئی۔

”و علیکم اسلام۔ میری تیز گام۔ میں تمہارے بغیر کیسے ہو سکتا ہوں بھلا؟؟ اور میں تمہیں تم سے زیادہ مس کر رہا ہوں۔ ”عمر اسکا من موہنا چہرہ تصور میں آنکھوں میں سجا تا کہہ رہا تھا۔

”عمر تم کب آؤ گے۔ ”مومنہ کی سوئی وہی انگلی تھی۔

”اب تم مجھ سے ڈانٹ کھاؤ گئی۔ ایسا کیسے چلے گا۔ میں کتنا سمجھا یا تھا تمہیں مجھے کام نہ ہوتا تو میں کبھی تم لوگوں سے دور نہ آتا۔ ”عمر اسکی اداس آوازن کے تپ گیا تھا۔

”ڈانٹوں تونہ اب۔ ایک اتنی دور بیٹھے ہو۔ ہمیں تو تم چھوڑ گئے ہوناں میں دیکھو گئی جب تم اپنی بیوی کو ایسے چھوڑ کے جاؤ گے۔ ”مومنہ روہانی ہوئی تھی۔

”اچھا۔ تو یہ بات ہے۔ میری بیوی کون ہو گی بھلا۔ ”عمر اسکے بات پر لیٹے سے اٹھ کے بیٹھا گیا تھا۔

”مجھے کیا پتہ۔ میرے سے کوں سا پوچھ کے کروانی ہے تم نے شادی۔ ”momne کا لمحہ پھیکا تھا۔

”اچھا بس بس۔ فضول باتیں نہ کیا کرو۔ صح سے تھکا ہوا تھا اب تم مزید ایسی باتیں کر کے مزید میرا موڑنہ خراب کرو۔ ”عمر نے اسکو ڈالنا تھا۔

”اچھا۔ کھانا کھایا؟؟“ momne نے پوچھا تھا۔

”نہیں ابھی توروم میں آیا ہوں صح کامیٹنگ میں تھا اور کچھ لوگوں سے ملنا تھا۔ ”عمر نے تھکے انداز میں کہا تھا۔

”چلو پھر جلدی سے کھانا کھاؤ۔ ایسے کیسے کام چلے گا۔ بیمار نہ پڑ جانا۔ ”momne نے اس کو ڈپٹا تھا۔

”اچھا کرتا ہوں میں کھانا آرڈر تم فون بند مت کرنا۔ ”عمر نے جھٹ کھا تھا اور روم میں پڑے کارڈ لیس فون سے کھانا کمرے میں منگوایا تھا۔

”بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں۔ منتہا چھی کیسی ہیں۔ ”عمر اب صوفے پہ بیٹھتا پوچھ رہا تھا۔ momne نے اسکو تمام تفصیل بتائی تھی دن کی۔ عمر کھانا کھاتے بھی اس سے بات کر رہا تھا۔

”اچھا بتاؤ کیا لاوں تمہارے لیے یہاں سے۔ ”عمر نے کھانے سے فارغ ہو کے پوچھا تھا۔

”لسٹ والی ایپ کر دو گئی۔ ”momne نے جھٹ کھا تھا۔

”کیوں مجھے غریب کرنا ہے۔ ”عمر نے دہائی دی تھی۔

”تم جیسے غریب دوچار اور ہو گئے تو کیا ہی بات ہے۔ ”momne نے اسکے برینڈ ڈپٹروں پر طنز کیا تھا۔ نہیں باتوں کے نیچ کب وہ سویا اسکو خبر نہ ہوئی تھی۔ دوسری طرف عمر کی

خاموشی سن کے مومنہ کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ سوگیا ہے تو وہ اسکو اللہ کی امان میں دیتی فون بند کر گئی تھی۔

ثاقب پہ ہر اسمٹ کیس بھی ہو چکا تھا مگر قانون کی کارروائی سے طلال بلکل بھی مطمئن نہ تھا۔

”مرزا صاحب کیا میں سکون سے بیٹھوں۔ اس شخص نے میرے گھر میں گھس کے میری بیوی پہ اٹیک کیا ہے۔ اور آپ مجھے ان قانونی کاموں پہ لگاچکے ہیں۔ کیا نتائج ملے ہیں آپ کے سامنے ہیں سب۔ ہر باری اگلی پیشی کے ڈیٹ میرے منہ پہ ماری جاتی ہے۔“ طلال غصے سے بھرا بیٹھا تھا۔ اس واقعے کو آج تیسرا دن تھا۔ چاہے منتها اب پر سکون تھی مگر طلال کو چین نہ مل رہا تھا۔ عمر بھی ابھی کام کی وجہ سے واپس نہیں آیا تھا۔

”طلال ہم قانون کو ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔ اکرام اور محسن صاحب کا بھی یہی مشورہ ہے۔“ مرزا صاحب اسکے تیوروں سے پریشان تھے۔

”مگر میں عدالتی نظام سے مطمئن نہیں ہوں۔“ طلال بلبلایا تھا۔
”کنسٹرکشن کا کام بھی رکا ہوا ہے۔ یہ شخص مجھے دھمکا الگ رہا ہے۔ یہ گیڈر شیر بنا گھوم رہا ہے۔“ طلال کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

”کل کا دن صبر کر لو۔ کل پھر پیشی ہے دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔“ مرزا صاحب نے اسکو مطمئن کرنا چاہا تھا۔

”کل کادن بس میں ویٹ کرو نگا۔ کل فیصلہ سننے کے بعد مجھے کیا کرنا ہے میں سوچ چکا ہوں۔ میں وہاں اگلی پیشی کی تاریخ لینے کو ہرگز نہیں جاؤ نگا۔“ طلال نے صاف الفاظ میں کہا تھا۔

جس لمحے میں کہا تھا مرزا صاحب سمجھ چکے تھے وہ کیا کرنے والا ہے۔

طلال مرزا صاحب سے مل کے ایک میٹنگ اٹینڈ کرنے گیا تھا۔ میٹنگ میں اس وقت منہمک تھا۔

تبھی اسکا موبائل بجا۔ ”بیوی کالنگ“۔ طلال نے کالیں کی اور بیٹھے بیٹھے کان کو لگائی

”اسلام علیکم۔ جی۔“ طلال بار عرب آواز میں بولا تھا۔

”وعلیکم اسلام۔ وہ ایک بات کرنی تھی۔“ منتها منمنائی۔

”جی۔“ طلال نے ہاتھ سے پریز ینٹیشن دینے والے ورکر کو جاری رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔ جو سب اسکی طرف دیکھ رہے تھے۔

”وہ میں سیلوں جا رہی ہوں مومنہ کے ساتھ۔“ منتها نے اطلاع دی۔

طلال جی بھر کے تملما یا کہ اس پل یہ کہنے کو فون کیا۔

”تو جائیں ناں۔ میں منع کیا۔ ساتھ سیکیورٹی تو لازمی جائے گی۔“ طلال نے قدرے دھیمی آواز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا تھا چند ایک ورکر اسکی طرف متوجہ تھے۔

”نہیں وہ دراصل مجھے ہئیر کٹ بھی کروانا تھا۔“ منتها اصل بات پہ آئی۔

”خبردار۔۔ میں جان ناں لے لوں آپکی۔۔ ”طلال ہلکی آواز میں غرایا تھا۔
”مگر۔۔ ”نتہا نے کچھ کہنا چاہا۔

”خبرداد اگر ہاتھ بھی لگایا بالوں کو تو۔ خدا حافظ۔ ”طلال نے خبردار کرتے ہوئے کال بند کر دی تھی۔

تبھی پھر مسج بپ ہوئی تھی۔

”دیکھیں یہ کیا بات ہوئی۔ مجھے ہیر کٹ کروانا ہے۔ ”نتہا کا مسج تھا۔
طلال اٹھا سبکو بریک کا بولا اور باہر آگیا مودودی سے ہی ستیاناس ہو چکا تھا۔
کال ملائی ما تھے پہ ان گنت بل آچکے تھے۔

”ایک بار کی بات سمجھ نہیں آتی آپکو۔ بالوں کو چھونے کا سوچنا بھی مت۔ سمجھ آگئی ہے یا گھر آکے سمجھاؤ۔ ”طلال نے سرد لبھے میں کہا تھا۔

”طلال یہ تو غلط بات ہے۔ میرے سے نہیں سن بھالے جاتے۔ ”نتہا زوج ہوئی پہلے اماں نہیں تھی کٹوانے دیتی اب یہ صاحب۔

”بیگم صاحبہ آپکی اس بے تنکی ضد کی وجہ سے میں میٹنگ چھوڑ کے آیا ہوں مجھے مجبور مت کریں کہ گھر بھی آجائوں۔ چپ چاپ گھر بیٹھیں۔ ”طلال غصے سے بولا تھا۔
”طلال میری بھی سن لیں میرے سے نہیں سن بھالے جاتے تو کیا کروں۔ ”نتہا روہانی ہوئی۔

”میں سن بھال لوں گانا نو مورڈ سکشن۔ میں واپس آؤں تو مجھے آپکے بال سلامت نظر آئیں۔ ”طلال نے حتی فیصلہ سنایا۔

”ساری عمر آپ نے اپنی مرضی کی ہے اور کرتے رہنا ہے۔ ”نتہا نے غصے سے کہا۔

”بہت سی اب تک آپکی مان رہا ہوں اور آپکو پتہ ہے اس بات کا۔۔۔“ طلال نے جس انداز میں بات منتها سرخ پڑی۔

”خاتون پھر دہرا رہا ہوں واپسی پہ مجھے آپکے بال سلامت ملیں۔ ایک اچھی بھی کٹھے ہوئے تو مجھے پتہ چل جانا ہے۔ خدا حافظ۔ آنسیہ کو پیار دیجئے گا۔“ طلال نے دھونس جمائی تھی۔

”نہیں دو نگی پیار ویار آنسیہ کو۔“ منتها چڑتے ہوئے بولی۔
طلال کی مسکراہٹ ابھری۔

”چلیں واپس پہ میں خود ہی کر لوں گا پیار آپ دونوں کو۔“ طلال نے ہنسنے ہوئے کہا تھا منتها کی بس ہو گئی تھی کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ طلال نے موبائل کی ہوم سکرین پر لگے وال پیپر پہ ہاتھ پھیرا جہاں آنسیہ کو منتها دونوں کی پک تھی۔

”طلال ہنسیر کٹ کروانا ہے۔ واہ منتها بیگم۔“ طلال پھر یاد آنے پہ بدمزہ ہوا۔

عمر آفس میں بیٹھا فائیل دیکھ رہا تھا جب مومنہ کی کال آنے لگی تھی۔
وہ جو ایک دو دن تک کا اندازہ لگاتا آیا تھا گھر سے دور مگر کام اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ آج تیسرا روز تھا۔ مگر وہ واپس نہ جاسکا تھا۔

”ہیلو۔“ عمر نے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔
”کدھر ہو تم۔“ مومنہ تیز آواز میں بولی تھی۔

”اس بات سے مطلب۔ تمہیں پتہ ہے میں کہاں ہوں۔“ عمر اسکی تیز آواز سن کے اچھنپے سے بولا تھا۔

”وہاں تم کام کرنے گئے ہو یا اس چڑیل کے ساتھ لنج کرنے۔“ مومنہ پھنکاری تھی۔
”میری چڑیل تو اس وقت فون پہ میرے ساتھ بات کر رہی ہے۔ تم کچھ بھی بولتی ہو۔“ عمر نے اسکی بات کو ہوا میں اڑاتے بولا تھا۔

”عمر تم مجھے بتاؤں میں الجھا نہیں سکتے۔“ مومنہ نے اب غصے سے کہا تھا۔

”مومنہ کیا فضول بول رہی ہو۔ کھل کے بتاؤں کیا کہہ رہی ہو۔“ عمر نے اب اسکو ڈانٹا تھا۔

”اس رمشاء کے ساتھ لج کر رہے ہوناں تم۔ اور میرے ساتھ تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ اب کے مومنہ اصل بات پر آئی تھی۔

”اف مومنہ کیا کروں میں تمہارا۔“ عمر نے ماتھے پر ہاتھ مارا تھا۔

”تم کچھ نہ کرو گھروالے کر دیں گے میرا کچھ نہ کچھ۔ تم لگے رہواپنی موجودوں میں۔ میں بھی اب ڈسائیڈ کر لیا ہے میں شادی کروالوںگی۔“ مومنہ نے غصے سے کہا تھا۔

”چلوا چھی بات ہے تم نے شادی کامائیں بنالیا۔“ عمر کے لمحے میں جو تبسم تھا وہ مومنہ محسوس نہ کر سکی تھی۔

”ہاں ہاں۔ پتہ ہے مجھے تم سب کی جان چھوٹ جائے گی مجھ سے۔ کرتے پھر وجو کرنا ہے تم نے۔ اللہ کرے کوئی رشتے بھیج دے میرے لئے۔“ مومنہ کی دہائیاں عروج پر تھی۔ آخری بات پر دونوں کا دل دھڑکا تھا۔ کہتے ہیں کوئی وقت قبولیت کا بھی ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں اب یہ دعا قبولیت کا شرف حاصل کر چکی تھی یا عمر کی دعائیں پہلے ہی عرشِ باری تعالیٰ میں مقبول ہو چکی تھیں۔

”بہت بکواس کرنے لگ گئی تم۔ کرتے ہوں تمہارا کچھ آکے۔ یقیناً ایف بی پہ پوسٹ دیکھی ہو گی۔ پکس سینڈ کرتا ہوں تمہیں گیلری کی اسکرین شارٹ سمیت وہاں پہ ڈیٹ ہو گی تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ اب کی نہیں یہ پکس۔ اس نے یہ پک کیوں ڈالی اتنی لیٹ یا اس نے کیا لکھا پک پہ مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔“ عمر نے اب کے اسکو

غصے سے کہا تھا۔ یقیناً عمر کو ٹیک کیا ہو گا اور یوں یہ پوسٹ مومنہ تک پہنچی۔ جو بغیر تصدیق کے میدان میں آگئی تھی۔

”دماغ الٹی سیدھی باتوں میں لگانے کی بجائے پڑھائی پہ لگاؤ۔ بعد میں تمہیں پڑھائی کا موقع نہیں ملنا۔ آتا ہوں واپس تو تفصیلی ملاقات ہوتی ہے تم سے۔ اب اگر تم نے رمشاء رمشاء کیاناں تو مجھ سے بر انہیں ہو گا کوئی۔ حد ختم ہے۔“ عمر نے اسکا دماغ درست کیا تھا۔

”کیا مطلب اس بات سے۔ کیوں موقع نہیں ملنا۔“ مومنہ اس بات پہ تھے سے اکھڑی تھی۔

”چپ آواز نہ آئے اب تمہاری۔ بہت فضول بول لیا تم نے اور سن لیا میں نے۔ اور ویسے بھی اب ٹھیک وقت آگیا ہے کہ کھل کے بات کر لیجیے۔ تمہارے سہارے پہ رہا تو یہ جنم میں یوں نہیں تمہاری بے وقوفیوں کی نذر کر جانا ہے۔“ عمر کا پارہ آج ہائی ہوا تھا۔
”عمر۔“ مومنہ روہانی ہوئی۔

”کیا عمر۔ عمر عمر۔ جان لے لو عمر کی۔ پا گل کیا ہوا ہے عمر کو۔“ عمر تپا ہوا تھا کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

پچھے مومنہ فون کو دیکھ کر رونے والی ہو گئی تھی۔
تبھی پھر بیل بھی تھی فون کی۔

”ہیلو۔“ وہ روہانی سی بولی تھی۔

”خبردار اب رونے بیٹھی جو تم۔ اور جو رشتے والی دعا کسی اور کوڈ ہن میں رکھ کے کی ہے آئندہ کی تو تمہاری جان میں خود لو نگا۔“ عمر کہتا پھر کھٹاک سے فون رکھ گیا تھا۔

”یہ کیا چاہتا ہے۔ جو مجھے محسوس ہو رہا کیا وہی۔ ”مومنہ حیران رہ گئی تھی عمر کے غصے پہ۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی اسکو لے کے پوز یسو تھا۔

”کیونکہ وہ مجھے دوست سمجھتا ہے۔ مگر میں تو اب اسکو۔ میں کیا کروں۔ ”مومنہ پھر ابھی رہ گئی تھی۔

طلال آفس سے آیا نہا منظر سے غائب تھی۔ اسکا ہر کام مومنہ کر رہی تھی۔ شام سے رات ہونے کو آئی تھی مگر نہا نظر نہ آیا یہ ناراضگی کا اظہار تھا۔

طلال اس وقت سخت جھنچھلا یا ہوا تھا پہلے ہی آفس سے تھکا آیا تھا اور پر سے کچھ جھنچھلا ہٹ دو پھر میں بیگم سے ہونے والی گفتگو کی تھی اب انیہ کو کمرے میں چھوڑ کے پھر نہا میڈم غائب تھیں۔

”بال کٹوانے کو منع کیا ہے تو یوں مجھے ٹریپ کرینگی اب۔ ”طلال چڑا تھا۔

”بہت پر نکل آئے ہیں تمہاری ماما کے انیہ۔ ”طلال نے روٹی ہوئی انیہ کو جھلاتے ہوئے کھا تھا۔ جس پہ اسکارونا کم ہونے کی بجائے زیادہ ہو گیا تھا۔

”منہماںچ جاؤ مجھ سے۔ ”طلال غصے سے پاگل ہوتا انیہ کو بازوں میں جھلاتے سلپر پہنے باہر لا یا تھا۔ اسے پہتہ تھا اس وقت وہ کھاں ملے گی تو سیدھا مام کے کمرے کے سامنے آ کے رکھا اور دروازہ کھول کے اندر جھانکا تھا۔ دونوں ساس بہورا زونیاں میں مصروف تھیں۔

یہ اطمینان دیکھ کے طلال کا اور خون کھول اٹھا تھا۔

”اماں اپنی چیتی بہو کو بھیجنے پسند کریں گے آپ اسکے کمرے میں۔ انیہ نے رورو کے کمرہ سرپہ اٹھایا ہوا ہے۔ ”طلال سخت لبجے میں کہتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ منتہا کی پشت تھی طلال کی طرف۔ لمبے بالوں کی چڑیا اسکی پشت پہ لہرار ہی تھی۔
وہی چڑیا جس پہ اسکی جان جاتی ہے اور آج کی ناراضگی کی وجہ بھی وہی تھی۔
منتہا کے نزدیک فساد کی جڑ۔

”کیا ہو گیا ہے اگر دو منٹ سنبھال لیا ہے تو کوئی نسی قیامت آگئی ہے میاں۔ سارا دن تو وہی خیال رکھتی ہے اپنی بچی کا۔ ”بانو بیگم نے بیٹے کو آڑے ہاتھوں لیا تھا جو بد مزہ سا کھڑا بیوی کا مزاج سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماں کو دیکھ انیہ کا باجا پھر سے شروع ہو گیا تھا۔

”لائیں دیں ادھر مجھے۔ ”منتہا نے انیہ کو لینے کے لیے اٹھ کے ہاتھ بڑھایا تھا۔ طلال انیہ کو فوراً پچھے کر گیا تھا۔

”فوراً کمرے میں آئیں۔ اماں سو جائیں آپ بھی رات کافی ہو گئی ہے۔ آپکی روٹین بھی دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے اور آپکی بہو کے مزاج بھی۔ انکے مزاج تو میں ٹھیک کر لیتا ہوں۔ کمرے میں تشریف لائیں آپ زرا۔ ”طلال نے کن اکھیوں نے بیوی کے حسین سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا اور انیہ کو لئے واپس مڑا جسکے رونے میں کمی آچکی تھی۔

کیونکہ طلال اپنا موبائل اسکو کھلو نے کے طور پہ تھما چکا تھا۔

”اماں دیکھ لیں آپ اب زرا انکو۔ مجھے نہیں سونا بھی۔ ”منتہا نے رونی صورت بناتے ساس کو شکایت لگائی تھی جواب ہنس کے دونوں بہو بیٹے کی نوک جھونک سے لطف انداز ہو رہی تھیں۔

”مُنْتَهَا فُورًّا گمرے میں آجائیں۔ رت جگ ہی منانا ہے نا تو وہاں منا لینا۔ اب اگر انیہ روئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“ طلال کے کانوں میں جیسے ہی مُنْتَهَا کی آواز پڑی فوراً تنبیہہ کرتے نکل گیا تھا کہ کہی بانو بیگم بہو کو پاس نہ روک لیں۔

”ارے جاؤ بھی اب۔ کیوں اسکو غصے دلار ہی ہو۔“ بانو بیگم نے بہو کو چپ چاپ کھڑے دیکھا تو ہستے ہوئے بولی تھیں۔

”انکو اور آتا ہی کیا ہے غصے کے علاوہ۔ اچھا شب بخیر۔“ مُنْتَهَا منہ بناتی باہر نکل آئی تھی۔

کمرے میں آکے مُنْتَهَا طلال کی پشت کو گھورتی آنیہ کی طرف بڑھی تھی۔ جوماں کی آغوش میں آنے کو ہی ترڑپ رہی تھی۔

مُنْتَهَا اسکی گال پہ پیار کرتی اسکو اٹھا کے واش روم لے گئی تھی۔ وہ اسکو سلانے سے پہلے اسکے ہاتھ پاؤں لازمی دھوتی تھی کیونکہ وہ اب چلنashروع کر رہی تھی تو گرتی پڑتی اپنی ہاتھ پاؤں لازمی گندے کرتی تھی۔

اس سارے وقت میں طلال کو بیوں اگنور کیا گیا تھا جیسے وہ کمرے میں موجود تھا ہی نہیں یہ بات طلال کو مزید سلاگائی تھی۔

”دیکھ رہا ہوں تیور آپکے میں مسز طلال۔“ طلال نے کڑھ کے سوچا تھا۔

”یہ چل کیا رہا ہے۔“ مُنْتَهَا کو واپس آتے دیکھ کے طلال نے کہا تھا۔

”سونے کی تیاری۔“ مُنْتَهَا کا جواب حاضر تھا۔

”مُنْتَهَا آنیہ کو سلا کے ادھر آئیں۔ بات کرنی ہے مجھے۔“ طلال نے اپنا ازلی غصہ ضبط کرتے کہا تھا۔

”مگر مجھے بات نہیں کرنی۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔ ”منتہا ناراضگی سے کہتی منہ موڑ گئی تھی۔

”اب آپ مجھے غصہ دلارہی ہیں۔ ”طلال نے اب کے بارز راست سے کہا تھا۔
”وہ آپ کو کب نہیں آتا۔ ”کہتے ساتھ بالوں کو توڑ مژور کے جوڑے کی شکل میں
باندھنے کی کوشش کی تھی۔

”آپ کے پاس صرف دس منٹ ہیں۔ سلامیں آنیہ کو۔ ”طلال نے لاست وار نگ دی تھی۔

”میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ۔ ”منتہا نے کہنے کو منہ کھولا تھا مگر طلال کمرے کی میں
لاست آف کر چکا تھا۔

”چپ چاپ کام کریں اپنا۔ ایک منٹ آپ کا پہلے ہی ویسٹ ہو چکا ہے بحث میں۔ ”طلال
اسکی پشت کو گھورتا واپس صوفے پہ جا بیٹھا تھا۔

دس منٹ خاموشی سے گزر گئے تھے صرف آنیہ کی ہوں ہوں کی آوازیں آرہی تھیں جو
اب بند ہو چکی تھیں جس کا مطلب تھا آنیہ بے بی سوچکی تھی۔ مگر منتہا اسکو ہنوز گود میں
لنے بیٹھی تھیں۔

”منتہا آپ خود اٹھ کے آئیں گی یہاں پایا یہ کام بھی میں خود کروں۔ ”طلال کی آوازنے
خاموشی کو توڑا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا آنیہ سوچکی ہے۔

منتہا تلملا تی غصے سے اٹھ کے دھپ سے صوفے پہ آکے بیٹھی تھی۔ طلال اسکے اس انداز
پہ ہنسا تھا مگر ہنسی چھپانے کو منہ دوسری طرف کر گیا تھا۔

”اس رویے کی وجہ بتا سکتی ہیں زر آپ۔ تو روشنی ڈالیں۔“ طلال نے خود کو کمپوز کرتے پہلے سوال داغا تھا۔

”آپ کو تو جیسے پتہ نہیں ہے نا۔“ منتها نے اسکو منہ پھولا کر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کو بھی پتہ ہے آپ بے تکی ضد کر رہی ہیں۔“ طلال نے اسکے جوڑے میں بندھے بالوں کو کھولا تھا۔ منتها نے اسکو گھور کے دیکھا تھا۔ مگر اثر کسی تھا۔

”کیا ضد کر رہی ہوں بھلا۔ ہمیر کٹ کا ہی کہا تھا نا۔ قیامت آگئی تھی جیسے۔“ منتها نے واپس انکو جوڑے کی شکل دینے کو ہاتھ بڑھایا تھا۔

”مسئلہ کیا ہے آپ کے ساتھ۔ ہوں۔ پسند ہیں مجھے آپ کے بال۔ اتنی سی بات نہیں سمجھ آرہی آپکو۔“ طلال نے اسکے جوڑا کرتے ہاتھ پکڑے تو اور اسکو خود سے قریب کرتا گھمبیر لمحے میں بولتا اسکو سن کر گیا تھا۔

”بیوی کو شوہر کی پسند نہ پسند کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور شوہر کو بیوی کی۔ مجھے ان بالوں کے ساتھ منتها مکمل لگتی ہے تو بس۔“ طلال نے کہتے ہوئے اسکے ریشمی بالوں کی نرمائٹ کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں پہ محسوس کیا تھا اور خوشبو کو اندر راتا راتا تھا۔

منتها کا تو سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ منتها کی گھنیری پلکیں رخسار کو چھورہی تھیں اور گالوں پہ بکھر اگالاں قوس قزح کا منظر پیش کر رہا تھا۔

”وہ۔۔۔ وہ میں۔ دراصل۔“ منتها تھوڑا سا فاصلہ پیدا کرنے کی کوشش میں بولی تھی۔

”وہ میں کیا۔ میں میں بکری کرتی ہیں۔“ طلال نے بات کو مذاق میں بدلتے اسکو ریلیکس کرنا چاہا تھا۔ اور ہولے سے اسکے گالوں کو چھوا تھا۔

”میں تو نہیں ہوں بکری۔“ منتها نے طلال کو گھورا تھا۔

”آپ مسز طلال ہیں۔ جانتا ہوں میں اور اب آپ بھی یہ بات اچھی طرح سے جان لیں۔ زراسی تعریف پہ آپ کا یہ حال ہو جاتا ہے جو مجھے بے حال کر جاتا ہے۔ بعد میں مجھ سے کوئی شکایت مت کئیجیے گا آپ۔“ طلال نے اسکی ناک میں چمکتی لوگ سے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

”مجھے سے بال نہیں سنبھالے جاتے۔“ منتها نے ما حول کافسوں ایک پل میں ختم کیا تھا۔ طلال جتنا ماتم کرتا کم تھا۔

”کیا چیز ہیں آپ۔“ طلال بے بسی سے کہہ گیا تھا۔

”میں کچھ اور کہہ رہی ہوں۔ میری بھی سن لیں۔“ منتها چڑی تھی۔

”میں بھی کب سے کچھ اور کہنے کی کوشش کر رہا ہوں میری کوئی سن رہا ہے یہاں۔“ طلال نے اب کے اپنا دکھڑا رویا تھا۔

”طلال۔“ منتها نے اب کے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا تھا۔

”یاریوں مجھے ٹریپ مت کریں۔ ایک فرماںش کی ہے آپ سے۔ بولا ہے آپکے بال مجھے پسند ہے نہیں چاہیے مجھے کوئی ہمیر کٹ۔ مگر آپ۔ ٹھیک ہے آپ کروا لیں جو کروانا ہے آپ کو۔ روئیں مت۔“ طلال کو پتہ تھا اس نے کس دل سے اجازت دی تھی مگر منتها کے آنسوؤں کے سامنے اسکی خواہش بھی قربان تھی۔

”یعنی آپ کو مرتبا صرف اسکے بالوں کی وجہ سے پسند ہے۔“ مرتبا نے اعتراض کا ایک پہلو نکلا تھا اور میدان میں آئی تھی۔

”میں یہ کب کہا۔“ طلال نے اسکو گھورا۔

”ابھی ابھی کہا ہے۔“ مرتبا نے جرح کی۔ طلال اسکی اداوں پر دل سنبھالتارہ گیا تھا۔

”کیا چاہتی ہیں اب دیوان لکھوں آپ پہ۔“ طلال نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے شراری انداز میں کہا تھا۔

”بات وہ کریں جو کر سکیں۔“ مرتبا نے مذاق اڑایا تھا۔

”عملی ثبوت دوں کیا۔“ طلال نے اسکی آنکھوں میں جہان کا تھا مگر مرتبا آئیں باہمیں شائیں کی عملی تفسیر بنی تھی۔

”نه کیا کریں ایسی حرکتیں مرتبا۔ خیال کریں کچھ اپنے طلال کا۔“ طلال اسکو نظریں چرانے پر کہتا اسکی پیشانی کو چھوٹا اپنے لمس سے روشناس کرواتا کمرے سے نکل گیا تھا۔ مرتبا وہی بیٹھ سانسیں شمار کرتی رہ گئی تھی۔

”اللہ یہ طلال ہی ہیں کیا۔“ مرتبا بڑا تھی۔

عمر اس وقت طلال سے فون پر بات کر رہا تھا جو عمر کی وجہ سے پریشان تھا۔

”چاچو آپ کیوں ٹینشن لے رہے ہیں۔“ عمر نے طلال کو کہا تھا۔

”عمر جتنا کام ہو گیا ہے بہت ہے تم واپس آجاؤ باتی میں خود دیکھ لو نگا۔ سب اداس ہیں تمہارے بغیر۔ تمہاری داد تو مجھے ڈانٹ چکی ہیں کہ میرے بچے کو کہاں بھیج دیا ہے۔“ طلال نے اسکو بتایا تھا۔

”اگر آپ آگئے تو آپکے بغیر میری چھی اداں ہو جائیں گی جو میں بلکل بھی نہیں کر سکتا۔ ”عمر مسخرے پن سے باز آجائے یہ ہو سکتا تھا بھلا۔

”نہیں ہو تیں وہ میرے بغیر اداں۔ کب کی ٹکٹ کرواؤں پھر میں اپنی۔ کل ہی آجاتا ہوں میں۔ ”طلال نے ایک نظر ٹیبل پہ ناشتر رکھتی منتہا پہ ڈالی جس نے آخری بات سن کے کان کھڑے کئے تھے۔

”کدھر جا رہے ہیں آپ۔ ”منتہا نے جھٹ پوچھا تھا۔
”بڑی ترقی کر لی ہے میرے پچھے چاچو۔ ”عمر کے کانوں تک منتہا کا سوال پہنچ چکا تھا تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

”کام سے جانے کا پروگرام ہے۔ کیوں خیریت آپکو کوئی کام تھا کیا؟ ”طلال نے انجحان بنٹے پوچھا تھا وہ بھی طلال تھا۔

”نہیں وہ تو میں۔۔ ہاں ہاں کام ہی تھا۔ بلکہ اتنے کام ہوتے ہیں گھر۔۔ گھر کے۔۔ ”منتہا نے لڑکھڑاہٹ سے کہتے جملہ پورا کیا تھا۔ پوری کوشش کی تھی کہ پریشانی عیاں نہ ہو پائے جو اسکے جانے کا ذکر سن کے لاحق ہوئی تھی۔

”اتنے سارے کاموں کے لئے اور بقول آپکے گھر کے کاموں کے لئے آپکو ایک عدد ہیلپر دے کے جاؤ نگا۔ ”طلال کا تیکھے جواب بھی حاضر تھا۔ اسکو گھورتے وہ واپس پلیٹ پہ جھکا تھا۔ نجانے عمر نے کیا کہا تھا طلال بھر کا موڈبیوی خراب کر چکی تھی۔

”عمر کام کی بات کرو دماغ نہ خراب کرو۔ ”طلال نے عمر کو ڈالنا تھا۔

”عمر ہے میری بات کرو ائیں زرا۔“ منتها نے عمر کا نام سنا تو جھٹ کہا تھا۔ کسی اور کی اگر کال ہوتی تو طلال اسکو ہر گز اتنا بولنے بھی نہ دیتا جتنا وہ فون کے دوران بول رہی تھی مگر یہ بات منتها کو کون سمجھائے۔

”بات کرو منتها سے۔ بکواس کرنے سے پر ہیز کرنا۔“ طلال نے عمر کو سخت لمحے میں وارن کرتے ہوئے کہا اور فون منتها کی طرف بڑھایا تھا۔
سلام دعا اور حال چال کے بعد منتها نے عمر سے کہا تھا۔

”عمر آجاؤ ہمارا گھر اداس ہوا ہے تمہارے بغیر اور مومنہ مر جھائے گھوم رہی ہے۔“ منتها نے عمر کے سامنے جان بوجھ کے مومنہ کا ذکر کیا تھا شاید وہ کچھ جانچنا چاہرہ تھی۔

”بس چھی جیسے ہی تھوڑا سا بھی مار جن ملے گا کام سے فوراً گھر رہی آؤ نگا۔ اور وہ تو ویسے ہی پاگل ہے۔“ عمر نے اسکا سراپا تصور میں لاتے ہوئے کہا تھا۔

”لڑکے تم ہماری مومنہ کو پاگل سمجھتے ہو۔“ منتها نے اسکو ڈپٹا تھا۔ اندر آتی مومنہ اپنے لیے یہ لفظ سن کے اندازہ لگا چکی تھی فون پہ کون ہے۔

”ہاں میں پاگل ہوں اور یہ فون والے صاحب الوؤں کے سردار۔“ مومنہ بھی فون کے سامنے آ کے بولی تھی۔ منتها اس حاضر جوابی پہ البتہ خاصی خوش ہوئی تھی۔ مومنہ منہ بناتی طلال کے پاس سلام کر کے بیٹھ گئی تھی۔

”اف یہ چڑیل کہاں سے آگئی ہے۔ عمر کی آواز گونجی تھی کیونکہ منتها فون اسپیکر پہ ڈال کے ٹیبل پہ رکھ چکی تھی۔

”جان چھوٹ جائے گی آپ سب کی اس چڑیل سے۔ کل ایک رشتے والی آنٹی آئی ہوئی تھیں۔“ مومنہ نے چیختے ہوئے اطلاع دی تھی دوسری طرف بیٹھا عمر تڑپ اٹھا تھا۔ ما تھا تو طلال کا بھی ٹھنکا تھا۔ منتها مومنہ کی فر سٹریشن سمجھ چکی تھی۔

”کون تھی وہ آنٹی نام بتاؤ مجھے زر انکا۔“ عمر غرایا تھا۔

”کیوں تم نے انکو اشتہاری قرار دینا ہے۔“ مومنہ نے بھی اسکے ہی انداز میں جواب دیا تھا۔

”مومنہ تم نج جاؤ مجھ سے۔ چاچو اسکا دماغ درست کریں آپ ورنہ میرے سے کسی بھلائی کی امید مت رکھنا آپ میں سے کوئی۔ جلدی واپس آ رہا ہوں میں۔ خدا حافظ۔“ عمر سرد لہجے میں کہتا فون بند کر گیا تھا۔ طلال اس سے بعد میں بات کرنے کا سوچتا مومنہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”کیا بات ہوئی ہے بچے۔“ طلال نے اسکی روئی صورت دیکھ کے پوچھا تھا۔

”دیکھا آپ نے۔ کتنی بڑی طرح ڈانٹ کے گیا ہے۔ کل بھی ایسا ہی ڈانتا تھا۔“ مومنہ نے شکایتیں لگانی شروع کی تھی۔ طلال اسکو ساتھ لگاتا اسکا سر سہلا تا اسکو بچ کی طرح پچکار رہا تھا۔

”میں اس کو اس سے زیادہ بڑی طرح ڈانٹوں گا۔ میرا بچہ اب پریشان نہیں ہو گا۔“ طلال نے اسکو سامنے کرتے ہوئے کہا تھا۔

”چاچو عمر کب واپس آئے گا۔“ مومنہ نے اب امید بھری آنکھوں سے طلال سے پوچھا تھا مومنہ کی آنکھوں میں موجود جگنو طلال کو بہت کچھ سمجھا گئے تھے جو وہ دونوں نادانی میں ایک دوسرے کو سمجھا نہیں پا رہے تھے۔

”پرسوں انشاء اللہ۔“ طلال نے اسکو کہتے ایک مطمئن سی ہنسا تھا۔

”اب ناشتہ کرو۔ میں اب آفس کے لئے نکلتا ہوں۔“ طلال کہتے اٹھا تھا۔

”تم ناشتہ کرو میں زرا طلال کو دیکھ آؤں۔“ منتہا کہتے طلال کے پیچھے گئی تھی۔

اندر داخل ہوتی منتہا کو بازو سے کھینچ کے طلال نے دروازہ بند کیا تھا۔ منتہا اس افتاد پہ بوکھلا گئی تھی۔

”کیا۔“ منتہا حواس بحال کرتے بولی تھی۔

”یہ میرا سوال ہے۔ کیا کرنا چاہ رہی ہیں آپ۔“ طلال نے اسکے نقوش کو آنکھوں کے راستے دل میں اتارتے کہا تھا۔

”میں تو کچھ بھی نہیں کہہ رہی۔“ منتہا اس الزام پہ تڑپ اٹھی تھی تو شکوہ کناں نظر وہ سے طلال کو دیکھا تھا جس کی دل میں کہرام مج گیا تھا۔

”یہی تو مسئلہ ہے آپ کچھ کہہ نہیں رہی ہیں۔ کبھی میرے جانے کا ذکر سن کے پریشان ہو جاتی تو کبھی انجان بن جاتی ہیں۔ آب سب جان کے انجان بن رہی ہیں یا معصوم، ہی اتنی ہیں۔“ طلال نے اسکے بال کانوں کے پیچھے کرتے اسکا سکون ہوا کر گیا تھا۔

”میں۔۔۔ میں۔“ منتہا با جود کوشش کے بول نہیں سکی تھی۔

”بولیں۔ کیا بولنا چاہتی ہیں۔ کسی قسم کا جبر نہیں آپ پہ۔“ طلال اسکی جھجھک سے واقف تھا۔

”مجھے آنیہ کی شانپنگ کرنے جانا ہے۔“ منتہا نے اتنی تیزی سی جملہ مکمل کیا تھا اور طلال کے حصار سے نکلی تھی۔

اسکی بد حواسیوں پہ طلال کو طیش کیا آتا وہ مسکرا اٹھا تھا۔

”یقین کریں میں اس وقت پتہ ہے کیا جی چاہ رہا ہے۔“ طلال نے اسکو بازو سے پکڑ کے وہی روکا تھا۔ اور اسکی آنکھوں میں جھانکتے بات مکمل کی تھی۔

”ادھر دیکھیں۔“ تھوڑی سے اسکا چہرہ اوپر کرتے ایک فرمائش کی تھی۔

”جی چاہ رہا ہے آپکی نالائقیوں پہ جان لے لوں آپکی۔ مگر مسئلہ یہ ہے ہماری جان بھی ایک ہو گئی ہے اب۔ تو سدھر جائیں آپ۔ بعد میں میری سے کوئی شکایت مت کئیجیے گا۔ ”طلال شکوہ کرتا اس سے دور ہٹا تھا۔ اسکی ناراضگی متھا کی جان پہ بنی۔

”طلال۔ ”متھانے ہمت کر کے اسکو پکارا تھا۔

”ہمم۔۔ جی۔ ” وہ مصروف سے انداز سے بولا تھا۔ بس متھا کی برداشت ختم ہوئی تھی اور اس انورنس پہ آنسو نکل آئے تھے۔ عورت بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔

”آپ ناراض ہو گئے ہیں مجھ سے۔ دیکھیں مجھے صرف تھوڑا سا طامہ دے دیں میں آپکو ما یوں نہیں کروں گی۔ مجھے اب دوبارہ اتنی جلدی یقین کرنے سے ڈر لگ رہا ہے۔ ”متھا اسکی ناراضگی کے ڈر سے اب دل کی بات بول گئی تھی۔

طلال اسکی آواز کی نمی محسوس کرتا سب چھوڑتا اس تک پہنچا تھا۔

”متھا آپ نے یہ سوچا بھی کیسے۔ میں آپ سے زراسی بات پہ ناراض ہو جاؤں گا۔ میری زندگی میں آپ بہت اہم مقام حاصل کر چکی ہیں۔ میں آپکی کیفیت سمجھ سکتا ہوں۔ مگر کیا آپ مجھے ایک سطحی ذہنیت والا مرد سمجھتی ہیں۔ میں کس مزانج کا انسان ہوں اتنا اندازہ تو ہو جانا چاہیے تھا آپکو اب تک۔ ”طلال نے اسکا پریشانی سے پیلا پڑتا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

”جی مجھے اتنا تو یقین ہو گیا ہے آپ بہت اچھے ہیں مگر میں تھوڑا۔ ”متھانے جھٹ اسکے اچھا ہونے کی تصدیق کی تھی۔

”بس بس یہی بہت ہے میرے لیے۔ خود کو ہکان مت کریں۔ آپکے لئے جان بھی حاضر ہے آئندہ آنکھوں میں آنسونہ آئیں۔ ”طلال نے اسکے آنسو صاف کرتے کہا تھا۔

”میں آپکو خود سے محبت کرنے پہ فورس نہیں کر رہا۔ باقی مجھے اس بات پہ یقین ہیں آپ مجھ سے محبت نہیں عشق کرنے لگ جائیں گی۔ مگر میری باتوں پہ اتنی حواس باخثہ مت ہوا کریں۔ عادت ڈالیں۔ ”طلال آخری بات شرارت سے کہتا اسکا مود فریش کر رہا تھا۔

”طلال۔ ”منتہارو تے سے ہنسی تھی۔ طلال اس دھوپ چھاؤں کے منظر میں کھوسا گیا تھا۔

”پہلے خود میرے ہوش اڑاتی ہیں پھر میں کچھ کہا تو آپ نے بے ہوش ہوتے پھرنا ہے۔ ”طلال نے کہتے اسکے ناک پہ ضرب لگائی تھی۔

”چلیں آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے پھر کہیں گے عجیب بیوی ہے آفس سے دیر کروا دیتی ہے۔ ”منتہانے اسکو کہتے ہوئے کھڑا کیا تھا۔

”بیوی تو واقعی ہی میری عجیب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر وہ مجھے دیر سے نہیں بچ سکتی بلکہ ٹائم سے پہلے پہنچا دیتی ہے آفس۔ بیچارہ طلال۔ ”طلال کی دہائیاں عروج پہ تھیں۔

منتہا جو اسکی دہائیاں انجوائے کر رہی تھی۔ طلال اسکے پاس آیا اسکو ”فی امان اللہ۔ ”بولتا باہر نکلتا اسکی جان ہوا کر گیا تھا۔

عمر آج سات دن بعد کسی کو بنابتائے لوٹ آیا تھا۔ وہ سب کو سر پر انز کرنا چاہتا تھا مگر اسکو نہیں پہنچا۔ ایک سر پر انز اسکا بھی منتظر ہے۔

وہ سرشار سا گیٹ پار کرتا اندر داخل ہوا تھا کچھ خوشی مومنہ سے آج اظہار کرنے کی بھی تھی۔

وہ بیگ پکڑے آگے بڑھ رہا تھا کہ تبھی چہکتی عمرہ اسکے گلے لگی تھی۔

”بھائی۔ آپ آگئے۔ میں کتنا مس کر رہی تھی آپ کو۔ ”عمریرہ نے نم آنکھوں سے کہا تھا۔

”میں بھی اپنی گڑیا کو بہت مس کیا تھا۔ پچھی میری جان۔ وہ بہن کے سر پر پیار کرتے بولا تھا۔ اور وہ چلتے آگے بڑھ رہے تھے۔

”بھائی آپ کو پتہ ہے ہمارے گھر شادی بھی آنے والی ہے۔ ”عمریرہ نے کل تازہ تازہ سنایا۔ قصہ سنانا شروع کیا تھا۔

”کس کی۔ ”عمر کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

”اے مومنہ آپی نے نہیں بتایا آپکو۔ مومنہ آپی کی ہی۔ ”عمریرہ اشتیاق سے کہتی عمر کے ساتھ اپنے پورشن کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔

”یہ تم سے کس نے کہا۔ اور شادی ایسے ہی تھوڑی ہوتی ہے۔ پاگل۔ ”عمر اسکی بات کو چلکیوں میں اڑاتا لاؤج میں رکھے صوفے پہ بیٹھا تھا۔

”اے بھائی سچ کہہ رہی ہیں مجھے افشاں چھی بتار، ہی تھی شاید انکی شادی علی بھائی سے ہونی ہے۔ کل رشتہ ہوتا ہے ناں جو وہ والے لوگ آئے تھے انکے ماموں۔ علی بھائی بھی تھے۔ ”عمریرہ کہتے اپنے بھائی کا سکون بے سکونی میں بدل گئی تھی۔

عمر کو لگا تھا فضامیں آکسیجن کی کمی ہو گئی ہو جیسے۔ کچھ دیر پہلے والی سرشاری اب ویرانی میں بدل گئی تھی۔ اسکو آج سہی معنوں میں پتہ چلا تھا پاؤں کے نیچے سے زمین سر کنا کسے کہتے ہیں۔

”اے بھائی سچ کہہ رہی ہیں مجھے افشاں چھی بتار، ہی تھی شاید انکی شادی علی بھائی سے ہونی ہے۔ کل رشتہ ہوتا ہے ناں وہ والے لوگ آئے تھے انکے ماموں۔ علی بھائی بھی تھے۔ ”عمریرہ کہتے اپنے بھائی کا سکون بے سکونی میں بدل گئی تھی۔

عمر کو لگا تھا فضا میں آسیجن کی کمی ہو گئی ہو جیسے۔ کچھ دیر پہلے والی سرشاری اب ویرانی میں بدل گئی تھی۔ اسکو آج سہی معنوں میں پتہ چلا تھا پاؤں کے نیچے سے زمین سر کنا کسے کہتے ہیں۔

”ارے عمر آگئے تم۔“ افشاں چھپ کی آواز نے عمر کو ہوش کی دنیا میں لائی تھی۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا تھا۔

”جی آگئے ہیں بھائی میں بھائی کو مومنہ آپی کے رشتے کا ہی بتارہی تھی۔“ عصیرہ چھکی تھی۔ عمر کے دل پہ جیسے کوئی وار کر رہا تھا۔

”لو بھئی تم نے تو نیوز ہی بریک کر دی۔ عمر مومنہ کے لیے پر پوزل آیا ہے علی کا۔“ افشاں بیگم نے عمر کو پیار کرتے ہوئے بتایا تھا۔

عمر کے تاثرات سرد تھے۔ اسکے الفاظ ہی گم ہو گئے تھے جیسے۔

”میں ماما کو بتا کے آتی ہوں بھائی آگئے ہیں وہ نماز پڑھ رہی ہو گی۔“ عصیرہ کہتی اندر چلی گئی تھی۔

”عمر۔“ افشاں نے اسکو چپ دیکھ کے دوبارہ مخاطب کیا تھا۔

”جی۔۔۔ چھپ۔۔۔“ عمر نے خود کو مکپوز کرتے بمشکل دو الفاظ ادا کئے تھے۔

تم اسکے دوست ہو تو اس سے مجھے لازمی پوچھ کے بتانا کہ وہ اس رشتے پہ خوش ہے یا نہیں۔۔۔ مجھے تو ویسے اسے ہاں میں ہی جواب دیا ہے۔“ افشاں کے چہرے سے بھی خوشی پھوٹ رہی تھی۔ عمر کو اس سے برا وقت آج تک کوئی نہیں لگا تھا۔

”مجھے تو ویسے اسے ہاں میں ہی جواب دیا ہے۔“ ان جملوں کی بازگشت سے کچھ دیر پہلے والی پریشانی اور تشویش اب غصے میں بدل گئی تھی۔

تو کیا مومنہ کو اس کے جذبوں کی زرائی تپش محسوس نہیں ہو پائی۔

وہ کتنی آسانی سے عمر کو انور کر گئی تھی۔

وہ علی سے شادی کو راضی ہو گئی ہے۔ بس یہی بات اسکے تن بدن میں آگ لگانے کو کافی تھی دل تو ویسے ہی جل کے خاک ہو چکا تھا۔

”میں مومنہ سے مل کے آتا ہوں۔“ عمر کے آنکھوں سے آگے کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ لہجہ سرد تھا۔

”ہاں ہاں جاؤ۔“ افشاں پچھی نے کہا تھا۔

عمر کا ایک ایک قدم بھاری ہو رہا تھا۔ اس کو لگا تھا وہ پورے قد سے ڈھ گیا تھا۔ جب سے ہوش سنبھالی تھی صرف مومنہ کو اپنی زندگی میں اس لحاظ سے سوچا تھا اب وہ اگر چار دن کو منظر سے دور ہوا تو یہ کیا کر دیا اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکا۔

وہ اذیت ناک سوچوں کے بھنوں میں پھنسا مومنہ کے کمرے کا دروازہ جارحانہ انداز میں کھولتا اندر داخل ہوا تھا۔

سامنے وہ فریش سے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

عمر کا دل کٹا۔ پہلے جب وہ اسکو فریش دیکھا کرتا تھا تو ساری تھکن بھول جاتا تھا اب تو اسکو ان حالات میں خوشگوار مود میں پا کے اسکے دل پہ منوں بوجھ آچکا تھا۔

”عمر۔ تم آگئے۔“ مومنہ کی نظر مر جھائے سے عمر پہ پڑی تو وہ چھپتی عمر کی طرف بڑھی تھی آنکھوں میں نبی بھی آئی تھی اسکو اتنے دنوں بعد دیکھ کے۔ کچھ کل ہونے والے

واقعہ کو لے کے دل میں کچھ چبھن محسوس ہوئی تھی مگر مقابل آج کسی بھی قسم کی محسوسات سے عاری تھی۔

اس کو بس آج یہ پتہ تھا مومنہ نے اسکی محبت کو ٹھکرایا تھا۔ کل رات فون پر کیسی وہ عمر کے لیے بلکہ رہی تھی اور آج۔ عمر ہوش میں ہوتا تو مومنہ کو جواب دیتا اسکی نظر بیڈ پر پڑے شاپنگ بیگز پر پڑی تھی ایک سرخ رنگ کا کامدار ڈوپٹہ شاپنگ بیگ سے باہر جھانک رہا تھا۔

بس یہی ضبط کی انتہا تھی۔

”مبارک کو مومنہ اکرام۔“ عمر کے لمحے میں کیا کیا نہ تھا۔ مومنہ ٹھکنی تھی۔ ”ہاں تم واپس آگئے۔ اللہ تمہارے آن مبارک کرے میرے لیے۔“ مومنہ تو عمر کو دیکھ کے ہربات بھول چکی تھی۔

”مومنہ اکرام اب بس کرو ڈرامہ۔ عمر کو پاگل بنانے کا۔ پاگل تو تم مجھے کب کا کر چکی ہوں اب تو تھوڑا ترس کھالو۔“ عمر نے ایک نظر اسکے کھلتے چہرے پر ڈالی تھی۔ جواب عمر کی باتوں پر الجھن کا شکار ہوا تھا۔

”عمر کیسی باتیں کر رہے ہو۔“ مومنہ نے عمر کے جبکی انداز پر الجھتے ہوئے اسکو پوچھا تھا۔ ”مر گیا عمر محسن۔ مبارک ہو تمہیں مومنہ اکرام۔ اور پتہ ہے کس نے مارا ہے عمر کو اسکی چڑیل نے۔ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا۔ تم نے ایک پل میں میری دنیا اجائز دی۔“ عمر غرایا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اسکی۔ مومنہ کا دل دہلا تھا۔

”شادی۔۔۔ شادی مبارک ہو علی سے بھی۔“ عمر نے دانت بھینچتے ہوئے الفاظ ادا کئے تھے رگیں واضح ابھر گئی تھیں۔

”عمر۔۔۔ پلیز۔ ”momne ab batسمجھ چکی تھی۔ وہ تو خود کل رات سے رو رو کے ہلاکان تھی۔

” بتایا تو ہے مر گیا عمر۔۔۔ یہاں ۔۔۔ یہاں رکھا ہے تمہیں میں نے یہاں۔۔۔ ” عمر کی آواز رندھی ہوئی تھی اس نے اپنے سینے پر دل کے مقام پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے momne کو کھا تھا۔

momne بے حال ہوئی۔ جیسے پرندہ پنجھرے میں پھر پھڑا کے رہ جاتا تھا۔

اس اظہار کو ہی دونوں محل رہے تھے مگر یہ کس انداز اور وقت ہوا تھا کسی نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا وہ تو ایک دوسرے کے ساتھ کا ہی خواب دیکھا کرتے تھے ہمیشہ۔ مگر اب۔۔۔

” عمر میری بات تو سنو۔ ” momne کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری تھے۔

” کہنے سننے کا وقت تو اب گزر گیا۔۔۔ میں کہا تھا ان واپس آونگا تو تمہیں ایک سر پرائز دو نگا۔ عمر محسن نے تمہیں یہی سر پرائز دینا تھا کہ عمر اکرام عمر محسن کے سینے میں دل کی دو نگا۔ میں میں خوش ہوتا ہے اسکے دل میں دکھی ہوتا ہے۔۔۔ میں momne اکرام کو بتانا تھا وہ یہاں رہتی ہے۔۔۔ یہاں۔ عمر کو اسکے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔ ” عمر اب حلق کے بل چیخا تھا۔

” مگر تم نے تو مجھے انداز کر دیا۔۔۔ تم نے الٹا مجھے سر پرائز دے دیا۔ ویسے اچھا کیا تم نے بھی۔ علی ایک نیشنلٹی ہولڈر ہے اچھا فیوچر ہے اسکا۔ میرے پاس کیا تھا کچھ بھی نہیں۔

قسمت والا ہے بھی علی۔ ”عمر کے لبھ اب اپنے لیے مذاق اور ہٹک تھی۔ مومنہ تو شش درہ کھڑی تھی اس اظہار کے لیے کتنی راتیں اسنے آنکھوں میں کافی تھی اور اب اظہار ہوا بھی تو کب۔

”عمر میری بات تو سن لو۔ عمر کی چڑیل رو رہی ہے تمہیں سمجھ نہیں آ رہا کچھ۔ ”مومنہ نے بھی ہمت کر کے آواز نکالی تھی جو کپکپا رہی تھی۔

”ہو نہہ۔ ”عمر استہزائیہ ہنسا تھا۔

”تم نے سنا نہیں شاید ٹھیک سے مس مومنہ اکرام میں نے کہا تھا تم یہاں رہتی تھی یہاں۔ مگر اب نہیں۔ مبارک ہو تمہیں اپنی نئی زندگی۔ مر گیا تمہارے لیے عمر محسن۔۔۔ خدا حافظ۔ ”عمر نے ایک ایک لفظ چبا کے کہا تھا اور باہر کو بڑھا تھا۔ گال پہ کچھ گلے پن کا احساس ہوا تھا وہ آنکھیں میچ گیا تھا۔ آج سے پہلے کبھی اتنی اذیت سے نہیں گزر اتھا وہ۔۔۔ پچھے مومنہ اپنے حواس کھوتی سائیڈ ٹیبل پہ بری طرح گری تھی۔

مگر اسکا عمر جا چکا تھا۔

ان کی نادانیاں انکو بھاری پڑ گئی تھیں شاید۔

طلال آفس میں بیٹھا ہوا تھا جب اسکا فون بجا تھا۔ کال گاؤں والی کنسٹرکشن سائٹ سے آ رہی تھی۔

”ہیلو۔ ”طلال نے فون اٹھا کے کان سے لگایا تھا۔

”سر یہاں پہ حالات خراب ہو گئے ہیں ورکر سب بھاگ گئے ہیں۔ ”دوسری طرف موجود ماتحت نے آگاہ کیا تھا۔ طلال کے ماتھے پہ بل واضح تھے۔

”کسی قسم کا کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا۔ ”طلال کو حالات کے خراب ہونے کا اندازہ تھا کہ وہ ثاقب کسی حد تک گر سکتا ہے۔

”بچت ہو گئی ہے ایک دوسر کر کو چوٹیں آئی ہیں۔ مگر اب ڈر کے مارے یہاں کوئی کام نہیں کرنا چاہ رہا۔ آپ بتائیں اب کیا کریں۔ ”ماتحت نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

”مجھے اندازہ تھا کہ وہ یہ توازی کرے گا۔ کیونکہ اسکا کچھ چھا جو کھلا تھا۔ ”طلال نے کہا تھا۔ کیونکہ وہ عدالت میں اسکے خلاف قبضہ گروپ ہونے کے ثبوت دے چکا تھا۔ طلال کا یہ وارخالی نہ گیا تھا۔ عدالت میں ان ثبوت کی وجہ سے التواکا شکار دو کیسز میں جیتی ہوئی جائیداد کو اس سے ضبط کر لیا گیا تھا تو یہ ری ایکشن تو اسکی طرف سے آنا تھا۔ مگر طلال ڈرا نہیں تھا۔

”سر وہ واضح الفاظ میں کہہ کے گئے ہیں وہ طلال وجہت کو بر باد کر کے دم لے گا۔ ”ماتحت نے طلال کو آگاہ کیا تھا۔

”کہنے دیں کہنے دیں۔ کہنے سے بھلا کیا ہوتا ہے میں حق پہ ہوں۔ ”طلال نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”اچھا جن ورکرز کو چوٹیں آئیں ہیں انکو کچھ دن ریسٹ پہ بھیج دیں ساتھ انکے اخراجات اٹھائیں۔ باقی کام ابھی آج کے لیے روک دیں کل میں سکیورٹی کا انتظام کرتا ہوں سائبٹ پہ اور ورکرز سے خود بات کرتا ہوں۔ ”طلال نے ہدایات دیں تھیں۔

”بہتر سر۔ ”ماتحت نے جواب دیا۔

”خدا حافظ۔ ”طلال نے کہتے فون بند کیا تھا۔ اور ما تحے پہ بلوں کا جال تھا۔ اسے سوچتے ہوئے سر کر سی کی ٹیک سے لگا دیا تھا۔

جتنا وہ اس معاملے کو اچھے طریقے سے سلجنانا چاہ رہا تھا تا قب مزید اسکو الجھار رہا تھا۔
تبھی اسکے موبائل کی بیل بھی تھی۔

طلال نے نمبر دیکھا تو مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

”اسلام علیکم۔“ فون کان سے لگایا تھا تو دل کو پر سکون کرتی نسوائی آواز سنائی دی تھی۔
”و علیکم اسلام۔ کیسی ہیں۔“ طلال نے اسکا نازک دل نشین سراپا تصور میں لاتے ہوئے
آنکھیں مومندی تھیں۔

”الحمد للہ بلکل ٹھیک ہوں۔“ منتها کی فریش آواز سن کے وہ بھی کچھ دیر پہلے والی ٹیکنیشن کو
بھول گیا تھا۔

”آپ کے لیے لازمی ہیں کہ آپ ٹھیک رہیں تاکہ آپ سے وابستہ لوگ ٹھیک رہ
سکے۔“ طلال نے دل کی بات کہی تھی۔ آواز سے وہ تحکماںگ رہا تھا۔

”آپ ٹھیک ہیں۔“ منتها پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔
”اگر کہوں نہیں ٹھیک تو کیا کریں گی آپ۔“ طلال نے مسکاتے ہوئے سوال کیا تھا۔
”تم میں معلوم کرو گئی کہ وجہ کیا ہے جو آپ کو پریشان کرنے ہوئے ہے۔ پھر مدد کرو گئی گی
آپکی۔“ منتها نے اب دھیمے لبھ میں کہا تھا۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہے آپ ناقص پریشان نہ ہوں۔“ طلال نے اب منتها کو کہا تھا۔
”بیوی سے جھوٹ بولنا بڑی بات ہے۔“ منتها نے صاف کہا تھا۔

”میں جھوٹ تو نہیں بولا۔“ طلال نے اسکو جواب دیا تھا۔

”آپ پریشان ہے آپ کی آواز سے لگ رہا ہے۔ بتانا نہیں چاہ رہے تو الگ بات ہے۔“ منتها نے اب خفگی سے کہا تھا۔

”آواز سے ہی اندازے لگا رہی ہیں۔ منتها بیکم خیریت ہے نا۔“ طلال نے اسکو چھیرا تھا۔

”آپ یہ بتائیں اندازہ ٹھیک ہے یا غلط۔“ منتها نے کہا۔
”جی بلکل ٹھیک تھا آپ بھلا غلط ہو سکتی ہیں۔ مگر پریشان نہ ہوں ایک کارباری الجھن ہے۔“ طلال نے کہا تھا وہ اسکو شاقب والے معاملے میں الجھانا نہیں چاہتا تھا۔

”چلیں آپ فکر نہ کریں میں دعا کروں گی سب مسائل حل ہو جائیں۔“ منتها نے سچے دل سے کہا تھا۔

”آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا ضرورت فکر کرنے کی۔“ طلال نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔
”اڑالیں میرا مذاق۔“ منتها کو بر الگ۔

”میری مجال۔ بس ان کاروباری الجھنوں میں ایک میٹھی الجھن ہاتھ لگ گئی ہے تو اسکا فائدہ اٹھا رہا ہوں۔“ طلال کا لمحہ اب ذو معنی تھا۔
”میں الجھن ہوں کیا آپ کے لیے۔“ منتها کے ماتھے پہ اسکی بات پہ بل آئے تھے۔
”پوری بات میں سے بحث والی بات“ الجھن ”ہی آپکو قابل گرفت لگتی ہے۔“ طلال نے اسکو ڈپٹا تھا۔

”اور کونسی ہونی چاہیے تھی۔“ منتها نے سوال کیا تھا۔
”میٹھی الجھن بھی غالباً آپکو ہی کہا تھا میں۔“ طلال نے اب خفگی سے کہا۔
”یہ الجھن آپ کے حصے میں زندگی بھر کے لیے آگئی ہے میں کچھ نہیں کر سکتی۔“ منتها نے دو بدوجواب دیا۔

”اس کے لیے شکر واجب سمجھتا ہوں میں خود پہ۔ ”طلال کا جواب منہما کا دل دھڑ کا گیا تھا۔

”بس ہو گئی بولتی بند۔ ”طلال نے اسکی خاموشی سن کے کہا تھا۔
”آپ باتیں ہی ایسی کرتے ہیں۔ آگے سے میں کہا کھوں۔ ”منہما نے اعتراض کیا۔

اب طلال کی ہنسی کی آواز پہ منہما کو احساس ہوا وہ کچھ الطابول گئی ہے۔

”طلال۔ ”منہما نے اسکو کہتے ہوئے سامنے یوں گھورا جیسے وہ سامنے کھڑا ہو۔

”سن رہا ہے طلال۔ آپکی ہی۔ باقی تو وہ ویسے ہی آپ نے اسکونا کارہ کر دیا ہے۔ ”طلال نے کہتے ہوئے یہ جرم اسکے کھاتے میں ڈالا تھا۔

”آپ ناں اپنی کارباوری الجھن سلبھائیں۔ میں فون رکھتی ہوں۔ ”منہما نے زیچ ہوتے کہا تھا۔

”آپ نے کہا تھا آپ میری مدد کرینگی الجھن کو حل کرنے میں۔ ”طلال نے اسکو اسکی بات یاد دلائی۔

”ہاں تو مجھے بزنس کے بارے میں کیا پتہ۔ ”منہما نے اسکو سمجھایا۔

”بزنس کو چھوڑیں آپ بزنس میں پہ فوکس کریں بس۔ میٹھی الجھنیں سلبھانے میں میری مدد کریں۔ ”طلال کی آواز گھمبیر تھی اور لہجہ لودیتا تھا۔

”اچھا۔ ”منہما تھوڑے توقف کے بعد بولی تھی۔

”کیا اچھا۔ ”طلال اسکی حالت سمجھتے ہوئے ہنسی روک کے بولا۔

”مطلوب اچھا۔ ”منہما کو اور جواب سمجھنہ آیا۔

”کیا واقعی۔ وہی کرینگی جو میں کہوں گا۔ ”طلال نے تصدیق چاہی۔

”آپ کیا چاہتے ہیں۔ ”منہما کی آواز لرزی تھی۔

”میری چاہت نہیں چاہتیں ہیں جو فی الحال آپ افورد نہیں کر سکتی۔ ”طلال نے کہا تھا۔

”میں فون بند کر رہی ہوں۔ جو کہنے کے لیے فون کیا تھا وہ تو آپ سن نہیں رہے۔“ منتها نے دھمکی دی۔

”اچھا اچھا۔ میں مزید کچھ نہیں اپنی الجھن کے حل کے لیے ایک عدد دہار مسوی آپکے ساتھ دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔“ طلال نے لبھے میں شرارت سموتے ہوئے کہا تھا۔ پچھلی دفعہ مسوی کا قصہ یاد کر کے منتها کو ڈھیروں لاج آئی تھی کہ وہ کیسے طلال سے چپکی بیٹھی تھی۔

”تو کیا پھر آپ میرے ساتھ آج مسوی دیکھنے کو ریڈی ہیں۔“ طلال نے پوچھا تھا۔ ”بلکل بھی نہیں مجھے آن آنسی کی شانگ کے لئے جانا ہے اسکے لیے ہی آپکو فون کیا تھا کہ آپ مجھے لے جائیں گے یا میں خود چلی جاوں بھا بھی ساتھ۔“ منتها نے اب اصل مدعے پر آئی تھی۔

”نہیں میں آپکو اس بار خود لے کے جاؤں گا مگر آج نہیں۔ آج تھوڑا لیٹ ہو جائے گا۔ مگر کل کافی نسل لے جاؤں گا۔“ طلال نے اسکو کہا تھا۔

”ٹھیک ہے جیسے آپکو آسانی ہو۔“ منتها نے بات سمجھتے ہوئے کہا تھا۔ ”آسانی تو میری آپکے ساتھ ہے۔ خیر آپ مسوی کی تیاری رکھیں۔ ملتے ہیں پھر سیم ٹائم سیم پلیس۔ ڈیرواں۔“ طلال کہتے اسکا دل گدگدا گیا تھا۔

”میرے خیال میں اب آپ تھوڑا اپنے کام پر دھیان دے لیں۔ خدا حافظ۔“ منتها زچ ہوتی بولی تھی۔ طلال کا قہقہہ اس پر نکلا تھا۔

”اوکے خدا حافظ۔“ طلال نے اسکو مزید تنگ کرنے کا ارادہ کینسل کرتے اجازت چاہی تھی۔

مومنہ نے کرب سے آنکھیں میچیں تھیں۔ کل والا واقعہ یاد آیا تو آنکھوں سے آنسو روایت تھے۔ مومنہ نے انکو بہنے دیا تھا کیونکہ اب قابو کرنا اسکو مشکل لگ رہا تھا۔

کل ہونے والے واقعہ ذہن میں چل رہے تھے۔ اسکے وہم و گمان میں بھی نہ تھا یہ علی اس حد تک چلا جائے گا۔ اس نے کبھی علی کو اس لحاظ سے نہیں سوچا تھا۔

مگر جب کل ماموں ممانتی سمیت پھلوں فروٹس اور مومنہ کے لئے قیمتی جوڑوں سمیت آچکے تھے تو بڑوں کے پیچ بیٹھی دنگ رہ گئی تھی۔
جب ممانتی کہہ رہی تھی۔

”کہ افشاں اسکو میرے علی کی دلہن بنادو۔“ ممانتی کے ساتھ لگی مومنہ کے دل کی دنیا میں تہملکہ مج گیا تھا کیا با تیں ہوئیں افشاں اور اکرام صاحب نے کیا جواب دیا اسکو کوئی ہوش نہیں تھی بس دل ایک ہی گردان کر رہا تھا۔

”عمر۔ عمر آجاو۔“

کمرے میں جاتے ہی اسنے کا پنچتھا تھوں کے ساتھ عمر کا نمبر ملایا تھا۔
عمر فائلو میں مصروف بیٹھا تھا مومنہ کا نمبر دیکھ کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگی تھی۔
”ہیلو عمر کی چڑیل۔“ عمر نے بشاش لبجے میں کہا تھا۔

”عمر۔“ مومنہ کا رہا سہا ضبط اسکی آواز سن کے ٹوٹ گیا تھا۔

”مومنہ کیا ہوا ہے۔“ عمر کی آواز میں آنسوؤں کی لرزش سن کے تڑپ اٹھا تھا۔
”ع۔ عمر۔“ مومنہ کی اب ہنگی بندھ گئی تھی۔

”مومنہ میری جان۔ بتاؤ کیا ہوا ہے۔۔۔ میں سن رہا ہوں۔“ عمر کی لبجے میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔

”عمر آجاو تم۔ جلدی آجاو۔“ مومنہ کی ایک ہی گردان تھی۔

”اچھا اچھار یلیکس۔ رونا بند کرو پہلے مو منی۔ ”عمر تھوڑا پر سکون ہوا تھا کہ خدا نخواستہ اور کوئی وجہ نہیں بس وہ اسکو مس کر رہی ہے۔

”نہیں عمر پہلے تم آجائو پھر چپ کرنا ہے میں نے۔ ”مومنہ نے روتے ہوئے کہا تھا۔ عمر اسکی بات پہ نہ ساختا اور ٹوٹ کے پیار آیا تھا۔

”میری پیاری مومنہ دیکھورات کتنی ہو گئی ہے اب کیسے آسکتا ہوں بھلا۔ مگر پکا پر امس بہت جلد آجائے۔ ”عمر کہتے ہوئے سیدھا ہوا تھا اور کل واپس جانے کا پکا تھیہ کر چکا تھا کیونکہ اسکو مومنہ کا یوں رونا بے کل کر گیا تھا۔

”عمر۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کچھ برا ہونے والا ہے۔ ”مومنہ خود کو سنبھالتے اب اپنے خدشات کا اظہار کر رہی تھی وہ اسکو فون پہ علی کے پر پوزل کا نہیں بتانا چاہتی تھی اسلئے بات گول کر گئی تھی۔

”مومنہ اللہ پہ بھروسہ رکھتے ہیں۔ لبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے۔ تم زیادہ مت سوچو کچھ برا نہیں ہو گا۔ ”عمر نے اسکو سمجھایا تھا۔

”گھر پہ کوئی بات ہوئی ہے کیا۔ ”عمر نے مومنہ کو خاموش پا کے فکر مندی سے پوچھا تھا۔ ”نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ بس تم آجائو۔ تمہارے بغیر دل ادا س ہو گیا تھا تو بس رونا آگیا۔۔۔۔۔ تم پریشان مت ہونا۔۔۔ ”مومنہ نے اسکی لبھ کی فکر محسوس کرتے بات بدلتی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ وہاں اکیلا پریشان ہوتا رہے۔

”تم روؤں گی تو پریشان کیسے نہ ہوں میں۔ ”عمر نے خفگی سے کہا تھا۔

”اچھا ب نہیں روؤں گی مگر تم جلدی واپس آؤ۔ ”مومنہ نے پھر وہی بات کہی۔

”ٹھیک ہے جلدی آؤں گا۔ اب موڈٹھیک کرو اپنا۔ بتاؤ کیا کر رہی تھی۔“ عمر نے اسکا دھیان بٹانے کو بات بدلتی تھی۔ یوں چھوٹی مولیٰ باتوں کے دوران عمرِ مومنہ کو پر سکون کر چکا تھا۔ اسلئے اگلی صبحِ مومنہ ریلیکس تھی تھوڑی کہ عمر آئے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر وہ کیسے اپنے دل کی بات اس تک پہنچائے گی؟ اور عمر کا کیا ردِ عمل ہو گا؟؟

ایسے سوال ایک پل کو اسکو پریشان کرتے تھے مگر اس نے وقت پر چھوڑتے ہوئے خود کو تھوڑا سا پر سکون کیا تھا۔

سائیڈ ٹیبل کی نوک سر پر لگنے اسکو چوت آئی تھی۔ وہ تو افشاں وقت سے گھر آئی تو اسکے کمرے میں جھانکا تو وہ دل تھام کے رہ گئی تھی۔ زخم کافی گہرا نہیں تھا ڈریسینگ کروا کے وہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھی تھی۔ چوت کی وجہ پر چھپی تو مومنہ نے کہا تھا کہ پتہ نہیں کیسے اسکو توازن برقرار نہ رہا اور وہ چکرا کے سائید ٹیبل پر گر گئی تھی۔

چہرے پر حزن و ملال کے گھرے سائے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ایک جان لیوا واقع نے اسکو کچھ ہی دیر میں نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ صدیوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ ہونٹوں پر قفل لگے ہوئے تھے۔

منتہا اسکو کب سے غور سے دیکھ رہی تھی۔

”کیا بات ہے۔ شئیر کرنا چاہو تو میں امانت میں خیانت نہیں کروں گی۔“ منتہا جو مومنہ کی چوت کا سن کے آئی تھی کب سے بیٹھی اسکے چہرے کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

”کیا بات ہے۔ شئیر کرنا چاہو تو میں امانت میں خیانت نہیں کروں گی۔“ منتہا جو مومنہ کی چوت کا سن کے آئی تھی کب سے بیٹھی اسکے چہرے کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

”کچھ بھی نہیں۔“ مومنہ بدقت بولی تھی حالانکہ دل پھٹ رہا تھا۔ اس وقت کمرے میں صرف منتها اور مومنہ تھی۔ عمر کہاں تھا اسکو کوئی اتنے پتہ نہیں تھا۔

”بات تو تمہارے چہرے پہ واضح الفاظ میں لکھی ہے۔ تم کہنا نہ چاہو تو اگ بات ہے۔“ منتها نے اسکے چہرے کو دیکھ کے کہا تھا۔

”مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا میری زندگی کس طرف جا رہی ہے۔ یا آنے والے کل کیا ہونے والا ہے میری زندگی میں۔ میں پریشان ہوں بہت۔“ مومنہ نے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے نم لبجے میں کہا تھا۔ اسکی آواز بھرا گئی تھی۔ سر جھکا ہوا تھا۔ ماتھے پہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ منتها کو قابلِ رحم لگی تھی۔

”میرا بچہ۔“ منتها نے اسکو اپنے ساتھ لگایا تھا۔ مومنہ تو پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔ منتها نے اسکو رو نے دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نارمل ہوئی تو۔

”سوری چھی۔“ وہ منتها کے کندھے سے پیچھے ہٹی بولی تھی۔

”سوری کس بات پہ۔ مجھے تم بہت عزیز ہو مومنہ۔“ منتها نے اسکو چہرہ سہلاتے ہوئے کہا تھا۔ مومنہ چپ ہوئی۔

”کل والے پر پوزل پہ پریشان ہونا۔“ منتها نے اس سے پوچھا تھا۔

”اگر میں ہاں کہوں تو کیا ہو جائے گا۔ ممابہت خوش ہیں اس پر پوزل پہ۔“ مومنہ کے لبجے میں ملاں تھا۔ اوپر سے عمر کارویہ اسکو دل برداشتہ کر گیا تھا۔

”شادی پہ پریشان ہو یا صرف اس شادی پہ۔“ منتها کی بات پہ مومنہ نے ایک نظر منتها پر ڈالی تھی۔

”چھی مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ اپنی فیلنگز۔ اوپر سے یہ سب۔ سب کچھ مکس اپ ہوا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ ”مومنہ سوچ سوچ کے پاگل ہو رہی تھی۔

مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنی فیلنگز کو کھل کے قبول نہیں تھی کر پار رہی۔ اب کچھ عمر کا رو یہ اسکو پریشان کر گیا تھا۔

اور ایک طرف تھی افشاں بیگم کی خوشی اس پر پوزل پہ۔ اسکو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا نیصلہ کرے۔

افشاں بیگم کے پوچھنے پہ اسنے حامی بھری تھی بس یہی بات عمر کا خون کھولا گئی تھی کہ کیسے وہ کسی اور کے لیے سوچ بھی سکتی ہے۔

”میری جان پر سکون رہو۔ یوں سب اپنے اعصاب پہ سوار کر کے کیا فائدہ ہونا ہے۔ ”منتہانے اسکو سمجھانا چاہا تھا۔

”چھی مجھ سے کچھ چھین رہا ہے یہ احساس مجھے سانس نہیں لینے دے رہا۔ ایسے لگ رہا ہے سب ختم ہو گیا۔ عمر۔ عمر ناراض ہو گیا اسکو لگتا ہے کہ علی سے شادی پہ میں خوش ہوں۔ میں کیسے خوش ہو سکتی ہوں میں نے ہمیشہ عمر کو ہی اپنے ارد گرد پایا ہے جب سے ہوش سن بھالا ہے۔ ”مومنہ پھر سکی تھی۔

”عمر سے ناراضگی رلا رہی ہے یا عمر سے ہونے والی دوری۔ ”منتہانے پوچھا تھا۔

”دونوں۔ لیکن یہ طے نہیں کر پا رہی زیادہ تکلیف کس سے ہو رہی ہے۔“ مومنہ کی نم آواز ابھری تھی۔

منتہا کو جواب مل چکا تھا۔ اسکے ذہن میں اب بہت کچھ چل رہا تھا۔ وہ مومنہ کو بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھی وہ ایک مشرقی ماحول میں پلی بڑھی لڑکی تھی کیسے ماں کو انکار کرتی۔ دوسری طرف عمر کی ناراضگی بھی سمجھ رہی تھی کیونکہ وہ اسکی پسندیدگی مومنہ کو لے کے دیکھ چکی تھی۔

”مومنہ تمہیں پتہ ہے یہ زندگی کا ایک امتحان ہے۔ یہ بھی ایک چھوٹی سی آزمائش ہے۔ اور آزمائشیں اور امتحان ہمیشہ کٹھن ہوتے ہیں۔ جن سے صبر و تحمل سے گزرنا پڑتا ہے۔“ منتہا نے اسکو اپنے ساتھ لگاتے سمجھایا تھا۔

”اللہ سے مدما نگو۔ وہ بہترین کار ساز ہے۔ استخارہ کرو۔ تمہارے لیے بہترین فیصلہ ہو گا۔ خدا کی رضا معلوم کرو۔ پر سکون ہو جاؤ گی۔ باقی خدا کے ہر کاموں میں مصلحت ہوتی ہے۔“ منتہا نے اسکو سمجھایا تھا۔

”باقی تمہارے بڑے ہیں کچھ غلط نہیں ہو گا۔ بس حوصلے سے کام لو۔“ منتہا نے اسکو اپنے سامنے کر کے اسکے آنسو صاف کئے تھے۔

منتہا نے اسکو زرا بھی محسوس نہ ہونے دیا تھا کہ وہ اپنے دل کی بات منتہا کو بتا چکی ہے۔ منتہا کا اندازہ ایسا ڈھکا چھپا تھا کہ اس نے مومنہ کو محسوس نہ ہونے دیا تھا۔

رازوں کے امین ایسے ہی ہونے چاہیے۔ جو رازوں کی حفاظت کرنا جانتے ہوں۔ منتہا کسی سوچ میں گھری اسکے بال سہلار ہی تھی

طلال آفس سے واپس آیا تو منتها اور آنیہ کہی نظر نہیں آئی۔ وہ جھنجھلا اٹھا تھا۔ رقیہ بیگم سے ملتا وہ کمرے میں فریش ہونے گیا تھا۔ رقیہ بیگم کو جب سے مومنہ کے پرپوزل کا پتہ چلا تھا وہ چپ تھیں۔

طلال کہہ کچھ نہیں رہا تھا مگر سب کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ صبح ہی اکرام صاحب نے طلال اور رقیہ بیگم کو یہ ساری بات بتائی تھی اور ساتھ مشورہ مانگا تھا۔

رقیہ بیگم تب سے ہی خاموش تھی۔ طلال کو اکرام صاحب بھی اتنے مطمئن نہ لگے تھے سوائے افشاں بیگم کے کوئی اس رشتے پر خوش نہیں تھا نظر آرہا۔ عمر صبح ہی واپس آگیا تھا طلال کو اسنے انفارم کیا تھا۔

اس کا یوں گھر سے آنا فانا جانے پہ گیٹ کیپر نے پریشان ہو کے طلال کو کال کی تھی۔ کیونکہ گیٹ کیپر کو سخت ہدایات تھی لاست ٹائم کے واقعہ کی بعد کہ کچھ بھی غیر معمولی لگے تو فوراً اسکو کال کی جائے۔

طلال سمجھ گیا تھا کہ اسکو مومنہ کے پرپوزل کا پتہ لگ گیا ہے۔ طلال فریش ہو کے باہر نکلا تو کمرہ ہنوز خالی تھا۔ طلال کو خالی کمرہ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا تا اس سے پہلے کہ منتها اور آنیہ کی تلاش میں نکلتا اسکا فون نجح اٹھا تھا۔ فون پہ بات کرتے وہ کسی فائل کی تلاش میں سٹڈی روم میں چلا گیا تھا۔

فون بند کر کے دکھتے سر کو ہاتھوں میں لیتے فائل پہ نظریں دوڑ رہا تھا کہ عمر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ صبح کا گیا اب واپس آیا تھا۔ طلال کی اسکی سب حرکتوں پہ نظر تھی۔

”اسلام علیکم۔“ عمر نے سلام کیا تھا۔ طلال پورا سکی طرف مڑا تھا۔

وہ مر جھایا ہوا لگ رہا تھا۔ شدید تھکا ہوا تھا۔ چہرے بھی اتر ہوا تھا۔

جو اسکے چہرے کی تازگی تھی اسکا کہی بھی نام و نشان تک نہیں تھا۔

طلال کو ایک پل اس پر ترس آیا تھا۔

”و علیکم اسلام۔ ہو گئی آوارہ گردی۔“ طلال نے طنز کیا تھا۔

”اب یہی کام کرتا نظر آیا کرو نگا آپکو۔“ عمر کا لمحہ ٹوٹا ہوا تھا۔

”ٹانگیں نہ توڑ کے رکھ دو نگا میں تمہاری۔ کسی دھوکے میں مت رہنا مجھے سیدھا کرنا آتا ہے۔“ طلال نے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا جو دل برداشتہ نظر آیا تھا۔ عمر نے اسکو شکوہ کنال نظروں سے دیکھا تھا۔

”کیا تکلیف ہے۔“ طلال بھرا تھا جانتا تھا اسکی نظروں کا مفہوم۔

”آپکو نہیں پتہ۔ یا جان بوجھ کے ان جان بن رہے ہیں۔ آپ کو سب پتہ ہے۔۔۔ یہ کیا کیا ہے آپ نے میرے ساتھ۔ آپ کو توسیب پتہ تھا نا۔ چاچو پھر یہ سب کیوں۔“ عمر کا ضبط اب ٹوٹ چکا تھا۔

”کیا میری آنکھوں میں موجود جذبے آپکو کبھی نظر نہیں آئے۔

میرے عمل، میرا رجحان اور توجہ کبھی آپکو مومنہ کی طرف نظر نہیں آئی۔ کسی کو بھی میں نظر نہیں آرہا یا جان بوجھ کے ان جان بن رہے ہیں سب۔“ عمر پا گل ہوتے چخ رہا تھا طلال نے اسکو بولنے دیا تھا خود وہ سینے پر ہاتھ باندھ کھڑا تھا۔

”چاچو کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا۔ چاچو آپکو توسیب پتہ ہے۔۔۔ میں کیسے یہ سب برداشت کرو نگا۔“ عمر ہارے ہوئے لمحے میں کہتا تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ طلال کو اس پر ڈھیروں پیار آیا تھا۔

”اور کوئی شکوہ چاچو سے۔ چاچو کے جوان۔ ”طلال نے اسکے گرد بازو کرتے ہوئے اسکا کندھا تھپٹھپایا تھا۔

”چاچو میں سیریں ہوں۔ ”عمر کو طلال کا طمینان ایک آنکھ نہ بھایا۔ ”ارے واہ۔ نئی اطلاع ہے آج کہ عمر محسن سیریں ہے۔ ”طلال نے اسکو ہنسنے ہوئے کہا تھا۔ تو عمر کی شکوہ کرتی نظر وہ کو دیکھتے ہوئے مزید اسکو ستانے سے گریز کیا۔ ان دونوں کا شروع سے رشتہ ایسا ہی تھا۔

”تمہیں کس سے پتہ چلایہ سب۔ مومنہ سے بات ہوئی۔ ”طلال اب اصل بات پہ آیا تھا۔

”عمرہ اور افشاں چھی سے۔ مومنہ میڈم تو خوش لگ رہی ہیں مجھے۔ میری اس سے دو ٹوک بات ہوئی ہے۔ ”عمر نے دشمن جان کے ذکر پہ خود کو سنبھالا تھا۔ ”تو اگر خوش ہے تو ٹھیک ہے نا۔ کارڈ بھیج دوں گا تمہیں شادی پہ آجانا۔ ”طلال نے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا جو مومنہ کے دل کی بات تک نہیں جان پایا تھا۔

”شادی تو نہیں ہو گی یہ اتنا تو آپ لکھ لیں اور اپنی مومنہ کو بھی سمجھادیں۔ ”عمر غرایا تھا۔ ”یہ دھمکیاں مجھے نہ دے سمجھے۔ ”طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”میری اتنی مجال۔ ”عمر نے باقاعدہ ہاتھ باندھ کے معافی مانگ ڈالی۔ ”اب زیادہ مظلوم نہ بنو۔ ابھی رشتہ فائیل نہیں ہوا۔ کل رات ہونا ہے اکرام بھائی نے مجھ سے اور اماں سے رائے مانگی ہے میں نے کل رات تک کا وقت مانگا ہے۔ ”طلال نے اسکا اتر اہوا چہرہ دیکھ کے کہا تھا۔

”وقت مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپکی بھتیجی تو ویسے ہی تیار پیٹھی ہے۔ ”عمر نے مومنہ کا تصور میں آیاروپ سوچ کے کہا تھا۔

”زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا دماغ گھوماتو میں علی کے لیے ہاں کرواؤ۔ آونگا۔ ”طلال نے اسکو گھورتے کہا تھا۔

”پھر میں اس دنیا میں نظر نہیں آونگا آپ کو۔ ”عمر نے منہ بسورا۔

”بکواس کم کیا کرو۔ ”طلال نے اسکو گھورا۔

”آپ نے وقت کیوں مانگا ہے۔ مجھے لے کون سے ڈاؤنس ہیں آپ کے جو کلیئر کرنے تھے۔ کل ہی بات کر لینی تھی آپ نے چاچو اکرام سے۔ ”عمر نے طلال کو کہا تھا۔

”بس کچھ دیکھنا چاہ رہا تھا۔ ”طلال نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”ویسے اچھا کیا۔ اس بہانے مجھے بھی پتہ چل گیا آپکی بھتیجی کا۔ میرے سوا وہ کسی اور سے شادی کر سکتی ہے۔ ”عمر کے لبھ میں غصہ تھا۔

دیکھو عمر۔ ”طلال کو غصہ آیا تھا کہ وہ مومنہ کو اس میں قصوار سمجھ رہا تھا وہ اسکو سمجھانا چاہ رہا تھا تبھی ایک سریلی آواز اسکی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کروائی تھی۔

”آنیہ آپکے بابا آگئے ہیں۔ ”منتہا نے آنیہ سے کہا تھا جس نے نیا نیا چلننا شروع کیا تھا۔ منتہا کی توخو شی کا ٹھکانہ ہی تھا۔ سارا دن منتہا کو گھن چکر بنانے کے رکھتی تھی۔ اب بھی کبھی وہ منتہا کے آگے چلتی کبھی ساتھ ساتھ۔

”اسلام علیکم۔ ”منتہا نے اندر داخل ہوتے کہا تھا۔

”بابا۔ ”آنیہ بابا کہتی طلال کی طرف بڑھی تھی۔ طلال بھی اسکو پیارے کرنے کی غرض سے گھنٹوں کے بل بیٹھا تھا۔

”وَعَلَيْكُمُ اسْلَامٌ۔ آگیا خیال گھر آنے کا۔ ”طلال پہلے ہی تپا ہوا تھا۔ آنیہ کو اٹھا کے پیار کرتا بیوی کو خشنگیں نگاہوں سے گھورا تھا۔

”تم کب آئے عمر۔“ منتها نے عمر کو دیکھ کے کہا تھا۔

”آج ہی آیا ہوں۔“ عمر نے منتها کو دیکھ کے کہا تھا۔

”مجھے بھی پوچھ لیں۔ گھر آئے کافی ٹائم ہو چکا ہے۔ اپنے میاں کی کوئی ہوش نہیں ہے۔“ طلال نے جلے انداز میں کہا تھا۔ منتها نے طلال کو دیکھا تھا جو ابھی فریش بھی نہ ہوا تھا ویسے ہی گھن چکر بنانے کا گھوم رہا تھا۔

ٹائی تک ویسے ہی بندھی ہوئی تھی البتہ کوٹ اتارا ہوا تھا۔

”میرے میاں کو کاروباری الجھنوں سے فرصت نہیں ہوتی۔ وقت پر گھر آنے کا انکو خود ہوش نہیں ہوتا شکوے پھر باقیوں سے کرتے ہیں۔“ منتها نے کہتے ہوئے قدم باہر کی جانب بڑھائے تھے۔ صاف اشارہ اسکے لیٹ آنے پر تھا۔

”الجھنوں والی بات میں بھولا ہوا تھا آپ نے یاد کروادی ہے اب بھگتنے کے لیے تیار رہنا آپ۔“ طلال نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔

”طلال چیخ کر کے آئیں کھانا لگاتی ہوں میں۔“ منتها نے اسکی بات جو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا تھا۔

”بس ایسی بی تکی باتیں کرو والوں سے جتنی مرضی۔“ طلال چڑی تھا وہ پھر موضوع بدل گئی تھی۔

”ماشاء اللہ ماشاء اللہ کافی ترقی کر لی ہے میرے پیچھے۔“ عمر نے طلال سے آنیہ کو پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

”بکواس نہ کرو۔ کام کی بات پہ آؤ۔“ طلال نے اسکو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”کام کی بات آپ نے کرنی ہے میں نے نہیں۔ وہ بھی آج رات ہی دادو سے مل کے آتا ہوں میں۔ ابھی نوبجے ہیں دس بجے تک مجھے آپکی کال آجائی چاہیے۔ مطلب گڈنیوز۔“ عمر نے طلال کو کہا تھا۔

”کل رات کو سوچوں گا۔ آج میں کہی نہیں جاؤں گا۔“ طلال نے صاف جھنڈی دکھائی تھی۔

”چاچویہ زیادتی ہے اب۔ افشاں پچی سب فائل کر کے بیٹھی ہوئی ہیں۔“ عمر نے منہ بنایا تھا۔

”ہاں انکی تو مجھے بھی ٹینشن ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ تم تو افشاں بھا بھی کی طرف سے آؤٹ ہو۔“ طلال نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

آنیہ اب غوں غاں کرتی نیچے اترنے کو اتنا ولی ہو رہی تھی۔
وہ اب اپنی اتنی زبانیں بولنی لگ گئی تھی کہ کسی کو سمجھ نہیں آتی تھی۔

”آنیہ تم ہی سمجھاؤ سبکو۔ میں بتارہا ہوں چاچوں میں سیر لیں ہوں۔“ عمر بات کرتے ہوئے بے بس سا ہوا تھا۔ عمر نے آنیہ کو نیچے اتارا تھا۔

”یہ تو اچھی بات ہے ناں سیر لیں ہونا بھی چاہیے۔“ طلال کہتا آنیہ کی طرف گیا تھا جواب بآپ کی فالنڑ کو ایک ایک کر کے گھنگال رہی تھی۔

”طلال۔“ تبھی منتہا کی آواز آئی تھی۔

”جانِ طلال۔“ طلال دل میں کہہ پایا تھا۔ کیونکہ سامنے عمر تھا۔ مگر جن نظروں سے منتہا کو دیکھا تھا منتہا کا دل یکبارگی سے دھڑکا۔

”میں بتانا تھا کہ مومنہ کو چوت آئی تھی۔ میں اسکے پاس ہی گئی تھی۔“ منتها بتانا بھول گئی تھی تو یاد آتے فوراً بتایا تھا۔

اس اطلاع پر دونوں کو دھچکا لگا۔

”ٹھیک ہے وہ؟؟؟“ یہ سوال عمر کی طرف سے آیا تھا۔ اسکی کیفیت پر منتها ہنسی چھپاتی بولی تھی۔

”ہاں زیادہ نہیں آئی بس تھوڑی سی آئی ہے۔ کسی وجہ سے سڑیں لیا ہے میرے خیال میں اس نے۔“ منتها نے کن اکھیوں سے عمر کو دیکھتے کہا تھا۔

”میں اسکو دیکھ کے آتا ہوں۔“ طلال نے عمر کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”میرا کیا قصور ہے۔ میں اسکو اتنی آسانی سے تو معاف نہیں کرنے والا۔ وہ میرے لیے بہت اہم ہے مگر یہ اسکی غلطی تھی جسکی معافی نہیں مل سکتی۔“ عمر نے طلال کی ملامتی نظروں کا سامنا کرتے ہوئے کہا تھا۔

”تم فی الحال اپنی شکل غائب کرو۔ اگر مومنہ کو زیادہ چوت آئی ہوئی تو تمہارا دماغ میں درست کروں گا۔“ طلال اسکو گھورتا عجلت میں باہر کو بڑھا تھا۔

”اور اب اگر میری دوسری بیٹی کو چوت لگی تو تم نے پڑ جانا ہے میرے ہاتھوں۔“ طلال نے عمر کی توجہ صوفے پر چڑھتی آنیہ کی طرف کروائی تھی۔

”یار آنیہ میں آل ریڈی بہت بے عزت ہو چکا ہوں مزید نہ کروانا۔“ عمر اسکو پکڑتے جس انداز میں بولا تھا آنیہ اسکو دیکھ کے ہنسی تھی۔

”اسکو بھی سمجھ آئی ہے بات۔“ عمر نے منتها کو سوالیہ نظروں سے دیکھ کے پوچھا۔

”بے عنقی ہونے والی کی آئی ہے لگتا۔“ منتها نے صاف مذاق اڑایا تھا۔ کہتے طلال کے پیچھے گئی تھی۔ عمر سرد سانس خارج کر کے رہ گیا تھا۔

”فریش ہو لیں پہلے۔“ منتها نے اسکو کہا تھا۔

”اب آگیا میرا خیال۔ جب میں گھر آیا تھا تو آپ غائب تھی۔“ طلال نے شکوہ کیا تھا اور بلکل منتها کے سامنے کھڑا ہوتا بولا تھا۔

”انوہ میں مومنہ کے پاس تھی طلال۔“ منتها نے ما تھا پیٹا تھا۔

”تو آپکی وجہ کے لیے چوٹ لگوایتا ہوں میں بھی۔“ طلال نے اسکے چہرے کو زمی سے چھوٹے ہوئے کہا تھا۔

”کچھ بھی بولتے ہیں۔“ منتها نے اسکو گھورا تھا۔ اور اسکا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹایا۔

”ہاں ناں آپ ایسے تو ہاتھ نہیں آرہی ہیں تو کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گانا۔“ طلال نے اسکا ہاتھ پکڑتے کہا تھا۔

”آپ زیادہ پھیل رہے ہیں آپ۔ جائیں جلدی سے تب تک میں کھانا گرم کرتی ہوں۔“ منتها ہاتھ چھڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئی تھی۔ اور طلال سرد آہ خارج کرتے باہر کی طرف بڑھا تھا۔

طلال مومنہ کے پاس سے واپس آیا اور فریش ہو کے کھانا کھایا اب منتها کچن سمیٹ رہی تھی۔ آنیہ کو طلال کے پاس چھوڑ کے آئی تھی۔

کچن سمیٹنے اور باقی کام کرتے اسکو تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا۔ اس دوران اس نے چوٹے پہ چائے بھی چڑھا رکھی تھی۔ پورے گھر میں اس وقت خاموشی تھی۔

کپ نکال کے سیلیب پر رکھے تو اسکو باہر دا خلی دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آئی تھیں۔ منتہا کا دل دھڑ کا تھا۔ کچھ چند روز پہلے ہونے والے واقعے کی وجہ سے وہ بہت ڈر گئی تھی۔

منتہا ہمت کرتی کچن سے کے دروازے تک آئی تھی وہاں سے تھوڑا دور ہی میں ڈور تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دیکھتی تھی راہدای کی لائٹ بند ہوئی تھی۔ منتہا کا دل حلق میں آیا تھا۔ خوف سے اسکو دل دھڑ کنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کو اندر ہیرے میں بس ہیولا نظر آ رہا تھا ایک جو اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

طلال تو کمرے میں ہے اور رقیہ بیگم بھی کمرے میں تھی۔ یہ سوچتے ہی منتہا کی چیخ نکلنے کو تھی جس کسی نے اسکا ارادہ بھاپنے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھا تھا اور بازوؤں سے پکڑتے ہوئے کچن کے اندر لے گیا تھا۔

”کیوں چیخ رہیں ہیں۔“ طلال نے اسکو گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔ اور منہ سے ہاتھ ہٹایا تھا۔ منتہا دیوار سے لگی ہوئی تھی طلال نے دائیں بائیں بازو رکھ کے اسکو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔

”آ۔ آپ تھے میں سمجھی۔“ منتہا طلال کو سامنے پا کے پر سکون ہوئی۔ ”میرے علاوہ کسی کی اتنی جرات نہیں ہے۔“ طلال نے منتہا کے چہرے کے اڑتی ہوائیاں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ تو اندر تھے۔۔ باہر کیسے آئے۔“ منہانے اب اس کی گرفت سے نکلتے ہوئے پوچھا تھا۔

”یہاں رہ کے بھی بات ہو سکتی ہے۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا اور گرفت برقرار رکھی۔
”آپ باہر کیسے آئے۔“ منہا کا وہی سوال تھا۔

”یار آنیہ سو گئی تھی میں باہر کال اٹینڈ کرنے آیا تھا آپ کو دیکھا تو آپ مصروف تھی میں باہر لان میں چلا گیا۔ اب واپس آیا ہوں تو محترمہ چیخنے کو تیار ملی۔“ طلال اسکے چہرے کو نرمی سے چھوٹے بولا تھا۔

”اف ڈر کے رکھ دیا مجھے۔“ منہانے اسکو گھورا تھا۔

”میری ہار مووی تو گئی پھر۔۔ آپ ابھی اتنی ڈر گئی ہیں میرا تو پلین تھا ہار مووی کا۔“ طلال نے افسوس سے کہا تھا۔

”میں تو اب کبھی آپ کے ساتھ ہار مووی نہیں دیکھوں گی۔“ منہانے صاف انکار کیا تھا مذائقہ ہی بن گیا تھا اسکا۔

”تو کو نسی دیکھنا چاہیے گی یقین کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“ طلال نے ایک آنکھ دباتے ہوئے اسکو کہا تھا۔

”طلال پلیز۔۔“ منہا اسکی باتوں پہ پزل ہوتی سرخ پڑی تھی۔

”چائے تیار ہے۔“ منہانے اسکو توجہ ہٹانی چاہیے تھی۔

”میں بھی تو چاہ کی ہی بات کر رہا ہوں۔“ طلال نے اسکے بال کان کے پیچھے اڑستے اسکے سرخ ہوتے رخساروں کو ہاتھ سے سہلا یا تھا۔

مُنْتَهَا کی جان ہوا ہونے لگی تھی۔

”ہٹیں پچھے۔“ مُنْتَهَا نے اب آنکھوں سے کام چلاتے ہوئے التجاء کی۔ وہ پہلے ہی گھائیں تھا

آرام سے اسکا اشارہ سمجھتے سائیڈ پہ ہوا

سلسلہ عشق میں صاحب

ہم مرید اپنے یار کے ہیں

طلال نے جذبوں سے بھر پور آواز میں کہا تھا مقابل کی ہتھیلیاں نم ہوئی تھیں۔

”آپ کمرے میں جائیں گے یا نہیں۔“ مُنْتَهَا نے پچھے مڑے بغیر بے بسی سے کہا تھا۔

”کیوں وہاں جا کے کنٹیننر کرنا ہے۔“ طلال نے اسکا سر اپا دیکھتے ہوئے ہنسی دباتے کہا

تھا۔

”کیا۔“ مُنْتَهَا کے ہاتھ سے چائے چھلکتی بھی تھی۔ وہ حواس باختہ ہوتی طلال کی مڑی

تھی۔ طلال اسکی حالت پہ ہنسی روک نہ پایا تھا۔

”کیوں ٹینشن لیتی رہتی ہیں۔ آپ کومار جن دے رہا ہوں ابھی میں تو انجوائے کریں۔ مگر

آپ ضرورت سے زیادہ ٹائم لے رہی ہیں۔“ طلال نے اسکی پیشانی کو چھوٹے ہوئے کہا تھا

آخر پہ شکوہ بھی کر دیا تھا۔

”میں کوشش کر رہی ہوں کہ اپنے وسوسوں کو دل سے نکال دوں۔“ مُنْتَهَا کی آواز بھرا تی

تھی۔

”میں سمجھتا ہوں آپ کے وسو سے۔ انشاء اللہ آپ مجھے عام مردوں سے مختلف پائیں گی۔ آپ کا ساتھ دن بدن میرے لیے اہم ہوتا جا رہا ہے۔۔۔“ طلال نے اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔
وہ روئے کو تیار تھی۔

”جلدی سے چائے لے کے آئیں کمرے میں۔ مووی دیکھتے ہیں۔“ طلال نے اسکو چھوڑتے ہوئے کہا تھا۔

”کونسی۔“ منتها نے جھٹ پوچھا تھا۔

”آپ کو نسی دیکھنا چاہ رہی ہیں بتا، ہی دیں۔“ طلال نے اب اس سے پوچھا تھا مگر جن نظروں سے دیکھا تھا منتها گڑ بڑا گئی تھی۔

”مسٹر بین۔“ منتها نے چڑ کے کہا تھا۔

”منتها مجھ غریب کے جذبوں کا زرا جوا حساس ہو آپ کو۔ کیا متا ہے مجھے یوں ستا کے آپکو۔“ طلال اس فرماش پہ بلبلہ اٹھا تھا۔

”طلال۔“ منتها کامنہ بنا۔

”آئی لوٹ۔ جب آپ ساتھ ہو نگی تو میں بے حد انجوائے کروں گا۔“ طلال کہتے باہر نکلا گیا تھا حالانکہ دل تو کہہ رہا تھا کہ پوچھ کے ”منتها بی آپ آخر کیا چیز ہیں۔“

عمر کا دل مومنہ کی چوٹ کی خبر سب کے بے چین کو گیا تھا۔ مگر وہ جو فیصلہ کر چکا تھا اس پہ سختی سے قائم تھا۔

وہ اسکو معاف نہیں کریگا۔ اس بات پہ تو پکا تھا۔
وہ کیسے کسی اور کے لئے رضامند سکتی ہے۔ یہی بات عمر کو گوارہ نہ تھی۔

محسن صاحب اور عاصمہ بیگم سے وہ کلاس لگواچکا تھا بتائے بغیر غائب ہونے پہ۔ ایک
اتنے دنوں بعد واپس آیا اور یوں گھر سے چلا گیا۔

جب سے کمرے میں گیا تھا تو بے چین چکر کاٹ رہا تھا کمرے کے۔ وہ اپنے کپڑے نکالتا
واش روم میں گھس گیا تھا۔

فریش ہو کے نکلاتب بھی بے چینی ہنوز قائم تھی۔ وہ جھنجھلا اٹھا تھا۔

جب تک مومنہ کو ایک نظر نہ دیکھ لیتا سکون کب آنا تھا اسکو۔

وہ دل کی آواز سنتا اٹھا تھا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

عمر کا دل مومنہ کی چوٹ کی خبر سب کے بے چین ہو گیا تھا۔ مگر وہ جو فیصلہ کر چکا تھا اس
پہ سختی سے قائم تھا۔

وہ اسکو معاف نہیں کریگا۔ اس بات پہ تو پکا تھا۔

وہ کسی اور کے لئے رضامند سکتی ہے۔ یہی بات عمر کو گوارہ نہ تھی۔

محسن صاحب اور عاصمہ بیگم سے وہ کلاس لگواچکا تھا بتائے بغیر غائب ہونے پہ۔ ایک
اتنے دنوں بعد واپس آیا اور یوں گھر سے چلا گیا۔

جب سے کمرے میں گیا تھا تو بے چین سا چکر کاٹ رہا تھا کمرے کے۔ وہ اپنے کپڑے نکالتا
واش روم میں گھس گیا تھا۔

فریش ہو کے نکلاتب بھی بے چینی ہنوز قائم تھی۔ وہ جھنجھلا اٹھا تھا۔

جب تک مومنہ کو ایک نظر نہ دیکھ لیتا سکون کب آنا تھا اسکو۔

وہ دل کی آواز سنتا اٹھا تھا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اپنے پورشن سے نکلا اور اب رخ اکرام صاحب کے پورشن کی طرف تھا۔

اکرام چاچو سے مل کے وہ مومنہ کے روم کی طرف آیا تھا افشاں چھی کہہ رہی تھی کہ وہ
سوچکی ہے۔ عمر نے اس پہ بھی شکر ادا کیا تھا۔

وہ اس وقت کسی بات یا بحث کے موڑ میں نہیں تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو اندھیرے نے استقبال کیا تھا۔ سائیڈ لیمپ کی روشنی سے کمرہ روشن تھا۔ وہ آگے بڑھا تھا۔ مومنہ کامر جھایا زرد چہرہ نظر آیا تھا۔ ماتھے پہ پٹی بندھی ہوئی تھی جس پہ خون کا دھبہ واضح نمایاں تھا۔ بولتی حسین آنکھیں جس پہ ہمیشہ عمر کا دل ڈولتا رہتا تھا بند تھیں ہونٹ بھی بیچھے ہوئے تھے۔ وہ خود سے بھی ناراض معلوم ہو رہی تھی۔

عمر کا دل کیا تھا کہ کاش اس وقت ان کے بیچ کوئی محرم رشتہ ہوتا۔

وہ سرد سانس خارج کرتا اسکے پاس بیٹھا تھا۔ نظروں کے رستے اسکا چہرہ دل میں اتار رہا تھا۔ ہاتھ بڑھا کے ماتھے پہ آئے بال پیچھے کئے تھے۔
تبھی اسکو بڑا ہٹ سنائی دی تھی۔

”عمر۔“ مومنہ کی نیند میں ڈوبی آواز آئی تھی آنکھیں الگ نیند کے خمار سے سرخ ہو رہی تھیں۔ مگر عمر کو دیکھ کے بھک سے نینداڑ گئی تھی۔

عمر نے جھٹ ہاتھ پیچھے کیا تھا۔

”کیوں تمہیں کوئی اعتراض ہے۔“ عمر چاہ کے بھی خود کو سخت لفظوں سے روکنہ پایا تھا۔

”نہیں وہ تم اتنے غصے میں گئے تھے۔ میری چوٹ کا سن کے آہی گئے ہو آخر۔“ مومنہ اب بیڈ سے ٹیک لگا کے بیٹھی ہوئی تھی عمر اب بیڈ کے نزدیک رکھی کرسی پہ بیٹھا گیا تھا۔

”کسی خوش فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری تائی اماں نے زبردستی بھیجا ہے۔ اب میں صرف دوستی کا فرض ادا کرنے آیا ہوں۔“ عمر کا ارادہ اسکو کبھی بھی معاف کرنے کا نہ تھا اسلیے سرد لبجے میں کہا تھا۔

”تونہ آتے۔“ مومنہ کا دل بھر آیا تھا۔
”چلا جاتا ہوں اگر انہی برالگ رہا ہوں۔“ عمر غرایا تھا۔
مومنہ کا دل دھلا تھا یہ کو نساعمر تھا۔ اسکا عمر تو اس سے اوپنجی آواز میں بات تک نہیں کرتا تھا۔

”میرا وہ مطلب نہیں تھا۔“ مومنہ کی آواز میں اب نمایاں کیپکاہٹ تھی۔
”چلتا ہوں اب تم آرام کرو۔ کل شاید تمہارے مہمان تمہاری عیادت کو آجائے۔ اسلیے میں پہلے ہی آگیا تھا کہ کل آپکو فرصت ہونہ ہو۔“ عمر کا اشارہ علی لوگوں کی طرف تھا۔

”تم کراچی سے بھی پہلے آجاتے عمر۔ کیوں دیر کی۔“ مومنہ کے لبجے میں شکوہ تھا۔ کرب تھا۔

”واپس آنا ہی تھا۔ دیر ہوئی تھی مر تو نہیں گیا تھا۔“ عمر اس شکوہ پہ آپ سے باہر ہوا تھا۔
”عمر۔“ مومنہ صدمے سے چلائی تھی۔ اسکا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچا تھا۔
”کیا عمر ہاں۔۔۔“ عمر نے اسکو گھورا تھا۔

”وہ علی کا پرپوزل اتنی اچانک۔“ مومنہ نے اپنی صفائی میں بولنا چاہا تھا مگر عمر کی آنکھوں کی تپش اور غصے سے بات پوری نہ کر پائی تھی۔

”مومنہ۔“ عمر لفظ علی پہ غرایا تھا۔

وہ ایسا ہی تھا دیوانہ۔ ایک طرف مومنہ کو واضح الفاظ میں کہا تھا اب وہ اسکا خیال دل سے نکال چکا ہے۔ دوسری طرف اسکو کسی اور کے ہونے کا سوچنے بھی نہ دیتا تھا۔
”اب میں یہ کہتی کتنی محیب لگوں گئی علی بھائی کا پر پوزل۔“ مومنہ نے منہ بنایا تھا۔
”آئی ڈونٹ کبیر۔ وہ تمہارے لیے علی بھائی ہے میں صرف یہ بات جانتا ہوں۔“ عمر نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

”عمر ہم سیر یہی بات کر رہے ہیں یہ بات زیادہ اہم نہیں ہے۔“ مومنہ نے اپنا سر پیٹا تھا۔
”کیا اہم ہے کیا ہے نہیں اسکا فیصلہ کل شام تک ہو جائے گا۔ مگر مومنہ اکرام تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے نال اسکے لیے میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ یہ یاد رکھنا۔ تم نے عمر محسن کو گنوادیا ہے۔“ عمر نے سرد لمحے میں کہا تھا اور باہر کی جانب بڑھا تھا۔

وہ شخص جس نے مجھے اسم یار دیا
سفر میں ساتھ رکھا اپسی پہ مار دیا

مومنہ کی غلطی صرف یہ تھی کہ وہ علی کے پر پوزل پہ ہاں بول چکی تھی۔
عمر اتنی جلدی تو اس بات پہ اسکو معاف کرنے والا نہیں تھا یہ بات سید ہمی اسکی انا اور محبت پہ چوتھی تھی۔ جس پہ وہ بلبلہ اٹھا تھا۔
پچھے مومنہ کل شام فیصلہ ہو جائے گا والی بات پہ اٹکی ہوئی رہ گئی تھی۔

رات کو آنیہ جاگی سوئی کیفیت میں رہی تھی جس کی وجہ سے طلال کا موسوی والا پلین تھس نہس ہو گیا تھا۔

طلال رات گئے تک لیپ ٹاپ پہ آفس کے کام میں مصروف رہا تھا آنیہ پھر صحیح منتها کے ساتھ ہی اٹھ گئی تھی۔ طلال صحیح کی نماز پڑھ کے سویا تھا اور ابھی تک سورہ تھا۔ آج اسکو آفس لیٹ جانا تھا۔ مگر آنیہ بی بی کو سکون کہاں مل رہا تھا بابا پ کو سویا دیکھ کے۔

وہ بابا بابا کرتی منتها کے گرد گھوم رہی تھی۔ کبھی اسکا ڈوپٹہ پکڑ کے بابا بابا کرتی اور اسکو کمرے کی طرف اشارہ کرتی ہوئی کچھ سمجھا رہی تھی۔
منتها خوب سمجھا رہی تھی مگر آنیہ کو ٹال رہی تھی۔
جب آنیہ کی بس ہوئی تو وہ رونا شروع کر چکی تھی۔ رقیہ بیگم پوتی کے رونے پر پریشان ہوئی تھی۔

”کیا ہوا ہے اسکو۔ میری جان کیوں رو رہی ہے۔“ رقیہ بیگم نے دونوں ماں بیٹی کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”پتہ نہیں آنٹی کل سے ایسا ہی موڑ ہے اسکا۔ رات بھی ایسے ہی یہ کر رہی تھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد اٹھ کے روتی رہی ہے۔ ڈاکٹر پاس لے جاوں کیا اسکو۔“ منتها نے پریشانی سے بتایا تھا۔

”آج رات نہیں کرے گی تنگ۔ کبھی کبھار بچے ایسے کرتے ہیں۔ پریشان نہ ہوا کرو تم طلال کدھر تھا وہ نہیں سن بھاتا رات کو۔“ رقیہ بیگم نے بہو کو پریشان دیکھا تو پوچھا تھا۔
”وہ پاس ہی تھے۔ آفس کا کام کرتے رہے ہیں ساتھ اسکو سن بھالنے میں مدد بھی۔ صحیح کی نماز پڑھ کے سوئے ہیں اب یہ ضد کر رہی ہے کہ بابا کو اٹھایا جائے۔ دیکھیں زر اسکے کام

کیسے ڈوپٹہ کھچ کے مجھے کمرے کی طرف لے جا رہی ہے۔ ”منتہانے تفصیل بتائی تھی اور آخر میں ہنسنے ہوئے بیٹی کا کارنامہ۔

”میرا چاند بابا پاس جانا ہے۔ لے جاؤ منتہا۔ دیکھو گیا رہ نج رہے ہیں۔ بس اٹھنے والا ہو گا وہ خود بھی اتنا نہیں سوتا۔ ”رقیہ بیگم نے بھی ہنسنے ہوئے کہا تھا۔
”جی اچھا۔ ”منتہا کہتے اٹھی تھی اب رخ کمرے کی طرف تھا آئیہ ضد پوری ہونے پر خوش ہوتی تالیاں بجا تی آگے آگے تھی۔

”آرام سے آئیہ جانو۔ ”منتہانے اسکو پکڑا تھا۔ اور کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ سامنے ہی طلال بیڈ پر سورہا تھا۔

منتہانے اندر داخل ہو کے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔ آئیہ بابا بابا کرتی بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔

طلال ہنوز سورہا تھا۔ کشادہ پیشانی پہ بال بکھرے پڑے تھے۔ ٹروازر شرٹ میں ملبوس وہ دراز قد اپنی تمام ترو جاہت سمیت سورہا تھا۔ چہرے پہ وہی رعب تھا جو اسکی شخصیت کا خاصہ تھا۔ منتہا کا دل یکبارگی سے دھڑکا تھا۔ وہ شاندار شخص اسکا تھا یہ خیال ہی اسکے رخسار پہ گلاں بکھیر گیا تھا۔

آنیہ کی آواز پہ وہ ہوش میں آئی تھی جواب رودینے کو تھی۔
منتہانے اسکو اٹھا کے اسے پیار کیا تھا۔

”بابا کو مس کر رہا ہے میرا بچہ۔ ”منتہانے اسکے گال چومے تھے۔

”طلال اٹھیں۔“ منہا نے اسکو آواز دی تھی اور ساتھ ہی آنیہ کو اسکے پاس بیڈ پہ بیٹھا دیا تھا ب آنیہ اپنے ہاتھوں سے اسکے چہرہ پہ ہاتھ لگانی بابا بابا کرتی کبھی اسکو بازو کو ہلار، ہی تھی۔

”طلال اٹھ بھی جائیں ورنہ اپنی بیٹی کے ہاتھوں آپ نے آج گنجے ہو جانا ہے۔ طلال۔“ منہا اب قدرے اوپری آواز میں بولی تھی۔

طلال ایک دم ہوش میں آیا تھا کچھ منہا کی آواز سے کچھ بیٹی صاحبہ نے اب بالوں پہ حملہ کیا تھا۔

طلال اٹھ تو چکا تھا اس حملے سے کوئی تین چار سینٹ پہلے ہی مگر آنکھیں بند کئے وہ اس ماحول کی خوبصورتی کو محسوس کر رہا تھا اسلئے آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔

اسنے آنکھیں کھولی تھی آنیہ بلکل اسکے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور منہا دائیں جانب کھڑی ہوئی تھی۔

”دشتریوں نے حملہ کر دیا مجھ پہ صحیح ہی۔“ طلال نے نیند سے چور آنکھیں کھولتے ہوئے کہا تھا۔ آنیہ کو چومنتا ہوا وہ بیوی کی طرف متوجہ ہوا تھا جواب واپس جانے کو مری تھی۔

”ہم آپکو دشتری دلگ رہے ہیں۔“ منہا صدمے سے بولی۔

”ہاں نا۔ خوبصورت دشتری۔“ طلال نے ہستے ہوئے کہا تھا وہ نظریں چرائی تھیں۔

”گڈمارنگ والف۔ شکریہ اتنی اچھی مارنگ کے لیے۔“ طلال نے کہتے اسکو ساتھ ہی بٹھا لیا تھا۔

”بابا کو مس کر رہا تھا میرا بیٹا۔“ آنیہ کو اب طلال نے گود میں اٹھا لیا تھا۔ اور پیار کیا تھا جو اب مسرور سے تھی اور ہستے ہوئے اپنے سامنے والے دودانٹ دیکھا رہی تھی۔

”آپ فریش ہو لیں تب تک میں آپ کا ناشتہ بنائی ہوں۔“ منہماں نے کہتے اٹھنا چاہا تھا۔
”ہونہے۔ بیٹھیں ابھی ادھر ہی مجھے یہ فیملی مومنٹ انجوائے کرنے دیں۔“ طلال نے
اسکو کہا تھا وہ اسکونر مگر م نظر وں سے دیکھتا کنفیوز کر رہا تھا۔

”بابا۔“ آنیہ اب ایک بار طلال کے گال چوم رہی تھی پھر طلال اسکے۔ اور وہ پھر تالیاں
بجا کے خوش ہوتی اچھل رہی تھی پھر وہی عمل دھراتی اور طلال بھی ویسے ہی اسکے گال پر
پیار کرتا اور وہ خوش ہوتی اچھلتی تھی۔

منہماں دونوں کی نظر اتارتے انکو دعا نہیں پڑھ کے پھونکی تھی۔
”کیا دم کر رہی ہیں ہم تو بغیر کسی وظیفے کے آپکے ہیں۔“ طلال نے اسکے کان میں سرگوشی
کی تھی۔

”میں آنیہ کی نظر اتاری ہے۔“ منہماں جھٹ کہا تھا۔
”اچھا چلیں مان لیتے ہیں۔“ طلال نے مسکاتے ہوئے کہا تھا۔
”یہ ہی سچ ہے۔“ منہماں زور دیا تھا۔

اس دوران آنیہ کی آواز گونجی تھی جو طلال کو کچھ کہہ رہی تھی۔ سمجھ لگنے پر منہماں
ایک سینڈ میں اٹھنا چاہا تھا مگر طلال آنیہ کی بات پر عمل کر کے منہماں کو ہکابکا چھوڑ گیا
تھا۔ آنیہ اب منہماں کو اس گیم میں لارہی تھی۔ وہ بابا بابا کرتی منہماں کے گال پر اپنے ننھے ننھے
ہاتھ مار رہی تھی۔

طلال نے بیٹی کے اشارے پر لیبک کہتے ہوئے ایک میٹھی سی جسارت کی تھی۔ منہماں تو
حوالہ کھونے کو تھی وہ جھٹ کمرے سے باہر نکلی تھی طلال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”بیٹا بآپکی مامانے مجھ بچارے کو شکل دیکھانے سے بھی کترانا ہے۔ حالانکہ میں کیا کیا ہے ایک اتنی۔۔۔ اتنی سی پاری۔“ طلال اب آنیہ کو اپنا دکھڑا سنارہاتھا جیسے اسکو سمجھ آتا ہو۔

وہ باپ بیٹی اب اپنی مستیوں میں لگ گئے تھے۔

منتہانے اب دوبارہ کمرے میں نہ جھانکا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد آمنہ کمرے میں آئی تھی پیغام لے کے۔

”طلال بھائی منتہا باجی کہہ رہی ہیں چپ چاپ دس منٹ میں اٹھ کے ناشستہ کر لیں۔ آپکا ناشستہ ریڈی ہے ٹیبل پہ پڑا ہے۔ اور آنیہ کو مجھے دے دیں۔“ آمنہ نے اسکو پیغام دیا تھا۔

”خود کدھر ہیں تمہاری باجی۔“ طلال نے ہنسی روکتے ہوئے پوچھا تھا اسکی توقع کے عین مطابق وہ اسکے سامنے نہیں آئی تھی۔

”وہ مومنہ باجی کے پاس چلی گئی ہیں کہہ رہی تھیں کہ اگر آنیہ تنگ کرے تو میرے پاس چھوڑ جانا۔“ آمنہ نے پیغام دیا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ آنیہ کو لے کے جاؤ آپ لاونچ میں۔ میں بس آرہا ہوں۔“ طلال نے کہتے ہوئے آنیہ کو آمنہ کی طرف بڑھایا تھا جس پہ آنیہ کامنہ بناؤہ جانے سے انکاری ہوئی۔

”بس تھوڑی دیر میں آرہا ہوں میں بھی بیٹا۔“ طلال نے اسکو پچکارتے باہر بھیجا تھا۔ اسکو باہر بھیجتے ہوں پہ مسکراہٹ لئے اسے اپنا موبائل ڈھونڈا تھا۔ اوہ منتہا کا نمبر نکالا تھا۔

”آنیہ اگر تنگ کرے تو آپکے پاس اسکو بھیج دیں اگر میں تنگ کروں تو پھر میں کہاں جاؤں۔ کیا کہتی ہیں آپ اس بارے میں۔“ طلال مسیح کرتا واش روم میں گھس گیا تھا۔

فریش ہو کے پندرہ منٹ بعد واپس آیا تو موبائل کی طرف بڑھا تھا۔

مسج آیا ہوا تھا اسکے لب مسکرا اٹھے تھے۔ مسج کھولا تھا۔

”آپ کا آسان حل ہے آپ آفس جائیں وہاں آپ آپ کی طبیعت کو افاقہ ہو جائے گا۔“ نتھا کی تجویز سامنے جگہ گارہی تھی۔

طلال نے ہستے ہوئے اسکو کال ملائی تھی۔

بیل جارہی تھے تبھی فون انٹھالیا گیا تھا۔

”کیا کر رہے ہیں آپ۔ میں کو نسادر ہوں جو فون کر رہے ہیں آپ۔“ نتھا کی جھنجھلانی آواز اسکے کانوں میں پڑی تھی۔

”اسکو دوری ہی کہتے ہیں۔ میدم میں گھر ہوں زرا جو آپ کو احساس کہ شوہر کی آج چھٹی ہے اسکے پاس رہیں۔“ طلال نے شکوہ کیا تھا۔

”میں مومنہ کے پاس آئی ہوئی ہوں۔ طلال آنٹی، مومنہ، عمر اور محسن بھائی اس بات کو لے کے کافی پریشان ہیں۔“ نتھا کی آواز میں پریشانی تھی۔

طلال اسکی بات سمجھ گیا تھا۔

”میرے ہوتے ہوئے آپ پریشان ہوں تو توف ہے مجھ پہ۔ میری نازک سے بیگم صاحبہ

آپکے میاں کے پاس سب مسائل کے حل موجود ہیں۔ آپ فکر کیوں کر رہی ہیں

۔“ محبت سے چور لمحہ میں طلال نے کہتے ہوئے آئینہ سے خود پہ ایک نظر ڈالتے ہوئے پر فیوم سپرے کی تھی۔

”نمم۔“ نتھا منمنائی تھی۔

”آپ بس میرے مسائل کا حال تلاش کریں مسن طلال۔“ طلال کی گھمبیر آواز منتها کی دھڑکنوں میں انتشار برپا کر گئی تھی۔

”میں مومنہ کے پاس آئی ہوئی ہوں۔ طلال پہلے دوسروں کے مسئلے سمجھالیں پھر آپکے شکوئے بھی دیکھ لینگے۔“ منتها نے کہا تھا۔

”مطلوب آپ ان مسائل کے بعد میرے لئے وقت نکالنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔“ طلال نے شوخی سے کہا تھا۔

”بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں آپ۔ فون رکھ رہی ہوں میں۔“ منتها نے کہا تھا۔ ”آپ اگلے دس منٹ میں گھر ہوں۔ یہ بات دوبارہ نہ کہنی پڑے مجھے۔ گھر آئے تو بتاتا ہوں آپکو۔ آج آفس نہیں جانا میں نے آج محسن بھائی اور اکرام بھائی کو بھی جلدی گھر بلوایا ہے میں نے۔“ طلال نے منتها کو بتایا تھا۔

”خیریت ہے ناں سب۔“ منتها کے لمحے میں پریشانی تھی۔

”آپ گھر آئیں پھر بات کرتے ہیں۔“ طلال نے کہتے کان بند کی تھی۔

”شوہر کے پاس رہیں تو پتہ ہو آپکو کہ بات خیریت سے بہت آگے نکل چکی ہے۔“ طلال بڑھتا باہر کی طرف گیا تھا۔

منتها اپنے پورشن میں واپس آئی تو آنیہ نے اودھم مچایا ہوا تھا بابا پ بیٹی اس چھٹی کا خوب فائدہ اٹھارہے تھے۔ آنیہ نے پچھے طلال کی دوڑیں لگوائی ہوئیں تھیں۔

گھر میں عرصے بعد گونجتے ان خوشی کے لمحوں کی نظر اتاری تھی رقیہ بیگم نے جو اس منظر سے محفوظ ہو رہی تھیں۔ منتها بھی خوش ہوتی اندر داخل ہوئی تھی۔

طلال جو بیٹی کے پچھے بھاگ رہا تھا اندر آتی منتها نے ٹکڑہوئی تھی۔

اگر اسکو بروقت سہارا نہ ملتا تو وہ ضرور گر جاتی۔

مُنْتَهَا کا سر طلال کے تو ان بازو سے زور سے لگا تھا اسکو دن میں تارے نظر آئے تھے کہاں وہ
نسوانی وجود اور کہاں طاقت و راست کا ڈائیٹ کا نشیش شوہر۔

”اسلئے گھر بلار ہے تھے۔“ مُنْتَهَا نے سر کو سہلاتے ہوئے شکوہ کیا۔ اسے بچوں کی طرح
شکوہ کیا۔ طلال اپنی ہنسی روکتا آگے بڑھا تھا۔

”دیکھائیں۔ مجھے زیادہ لگی ہے کیا۔“ طلال اسکے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”نهیں شکر یہ۔۔۔ آپ نے جو کرنا تھا آپ نے کر دیا ہے۔“ مُنْتَهَا منہ پھلاتے آگے بڑھی
تھی۔

”میں کو نساجان بوجھ کے کیا ہے میڈم۔ یہ آپکو اللہ میاں نے چھوٹی سی سزادی ہے اپنے
میاں کو تنگ کرنے کی۔“ طلال نے کہا۔

مُنْتَهَا اسکو پیچھے مرڑ کے گھورا تھا۔

”اچھا اچھا سوری کیا ہو گیا ہے۔ مرنے مارنے پہ ہی تل جاتی ہیں۔ لائیں میں ایک منٹ
میں آپکی چوت ٹھیک کر دیتا ہوں۔“ طلال نے آنکھ دبائے کہا تھا۔ مُنْتَهَا سپٹا گئی
تھی۔ طلال اسکے پاس آیا تھا۔

”طلال آنٹی بیٹھی ہوئی ہیں۔ کیا کر رہے ہیں آپ۔“ مُنْتَهَا نے فاصلہ بڑھایا اور احتجاج کیا۔

”تو کمرے میں چلے جاتے ہیں۔“ طلال نے کہا اسکی آنکھیں بھی بول رہی تھیں۔ مُنْتَهَا
البتہ صدمے سے منہ کھل گیا تھا۔

”اماں آپکی بہو کے ہوش بندہ منٹوں میں اڑا سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ بڑی جلدی ڈر
جاتی ہیں۔“ طلال نے کن اکھیوں سے مُنْتَهَا کا شکوہ کرتا من موہنا مکھڑا آنکھوں میں
سموتے ہوئے رقیہ بیگم کو کہا تھا۔

”میری بہو معصوم ہے اسلئے۔ لیکن مُنْتَهَا تم ڈرانہ کرو ڈرایا کرو۔ شوہر کو قابو کرو۔“ رقیہ
بیگم نے ہنسنے ہوئے ایک مشورہ بھی دیا تھا۔

مantha نے خود کو توجہ کا مرکز پایا اور اوپر سے ایسی نصیحت پہ اسکے چہرے پہ جیا کی سرخی بکھر گئی تھی۔

”کرہی نہ لیں قابو۔ یہ انکے بس کا کام نہیں۔ وہ تو اللہ کو ترس آیا اور یہ کام ہو گیا انکے سہارے رہتے تو اللہ ہی حافظ تھا۔ ” طلال منٹھا کی کان میں سرگوشی کرتے صوفے کی طرف بڑھا تھا البتہ منٹھا وہی سن کھڑی تھی۔ آنیہ کبھی ماں کے پاس جا رہی تھی کبھی واپس طلال کے پاس آ رہی تھی۔

طلال نے بیٹھ کے نظریں منٹھا کی طرف بڑھائی جو ہنوز وہی دونوں ہاتھوں کو جکڑے سر نیچا کئے کھڑی تھی۔ چہرے پہ بکھر اگلال طلال کی توجہ اپنی طرف کھینچا رہا تھا۔ اس چہرے کی معصومیت پہ تodel کی دنیا میں تہملکہ مچا ہوا تھا۔

”منٹھا یار۔ ” طلال نے بیچارگی سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
رقیہ بیگم ہنس پڑی تھیں۔

”آنیہ ماں کو ہوش دلا وجا کے۔ ” طلال نے اب قدرے اوپنجی آواز میں کہا تھا۔ رقیہ بیگم کی موجودگی میں وہ جی بھر کے شر مند ہوئی۔ اور آنیہ کو پکڑے طلال کے پاس گئی تھی۔
”آپ کو تو میں کمرے میں جا کے پوچھ لوں گی۔ ” منٹھا نے ہمت کر کے اتنی آواز میں کہا کہ طلال بمشکل سن سکا تھا۔

”یاد سے۔ پلیز پوچھ لینا آپ۔ میں انتظار کروں گا۔ ” طلال نے بہستے ہوئے اسکارہا سہا قرار بھی لوٹ لیا تھا۔ وہ اسکو آنکھیں دیکھتی رقیہ بیگم کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ اب وہ آنیہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے رہی تھی۔

ننھی ننھی ہاتھوں پہ اس نے اپنا لمس چھوڑا تھا۔

بیٹی کا خوشی سے براحال تھا اور باپ کا دل بھی اس لمس کے لئے دھڑکا تھا۔

”مسن طلال نے مجھے کہی کا نہیں چھوڑا۔ ” طلال اپنے دل کو ڈپٹا بڑھا یا تھا۔

”آج مجھے آنیہ کی شاپنگ کے لیے لازمی جانا ہے۔ آپ اگر گھر ہیں تو خود چلے جائیں آنیہ کو بھی لے جائیں۔“ مرتباً نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے گفتگو کو اپنی جان سے عزیز بیٹی کی طرف موڑا تھا۔

”آپ کیوں فکر کرتی ہیں مسز۔ میں بھولتا نہیں ہوں۔ آج آف کچھ اہم کاموں کے لیے ہی لیا ہے اس میں ایک آپکی شاپنگ والا کام سرفہrst ہے۔ آپ ساتھ جائیں گی کیونکہ مجھے کوئی آئندیا نہیں شاپنگ کا۔ اور آپکے ہوتے ہوئے مجھے یہ کام کرنا بھی نہیں چاہیے۔“ طلال نے واضح کیا تھا کہ آف کیوں لیا تھا آج اسے اور ساتھ وہ بھی جائے گی۔

”کب تک اکرام اور محسن آجائیں گے۔ اور تم لوگ کب نکلو گے پھر شاپنگ کے لیے۔“ رقیہ بیگم نے پوچھا تھا۔

”اماں آپ فکر نہ کریں سب ہو جائے گا۔ بھائی لوگ آجائیں گے تین بجے تک۔ امید ہے کہ بات جلدی مکمل ہو جائے گی اسکے بعد ہم شاپنگ کے لیے چلے جائیں گے۔“ طلال نے بتایا تھا۔

”یہ کیا سن رہا ہوں میں طلال چاچو جار ہے ہیں شاپنگ کے لیے۔“ عمر کی آواز آئی تھی۔ ”لیں آگیا آپکا نالا لُق۔ کہہ رہا تھا ان میں آپکو ٹھیک ہے وہ۔“ طلال نے رقیہ بیگم کو کہا تھا۔ کل رات عمر دیر گئے تک عمر اپنی دادی کے ساتھ رازو نیاز کے بعد گیا تھا۔ تب سے ہی رقیہ بیگم کی فکر مزید بڑھ گئی تھی اس مسئلے کو لے کے وہ کوئی بد مزگی نہیں چاہتی تھیں کچھ انکی اپنی بھی شروع سے یہی خوشی تھی کہ مومنہ انکے عمر کی دلہن بن جائے۔ مگر حالات کسی اور نجح پہ آگئے تھے۔

”یہ پچ تو ہماری رونق ہے۔ میری مومنہ تو ویسے ہی چوٹ سے مر جھاگئی ہے۔“ رقیہ بیگم کے لمحے میں پیار ہی پیار تھا۔

”ہاں تو اسکو کس نے مشورہ دیا تھا بندروں کی جانشین بن کے گھومے۔ آرام سے بھی چل سکتا ہے انسان۔ ” عمر نے رقیہ بیگم کے سرپر بوسہ لیتے ہوئے ماحول کی رنجیدگی کو کم کرنا چاہا تھا ورنہ اسکا دل بھی بہت تھا کہ چوت پہ مومنہ کی خوب کلاس لے لے۔

”خبردار اگر مومنہ کے لیے کوئی الطاسیدھا لفظ استعمال کیا بتارہا ہوں میں۔ ” طلال نے ناگواری سے اسکو گھورا تھا۔

”معاف کریں۔ ” عمر نے کہتے ہوئے آنیہ کو پیار کیا تھا جس پہ وہ بر امناتی خود کو چھڑواتی نیچے اتری تھی۔

”کب بات کر رہے ہیں پھر آپ۔ ” عمر نے اب سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
”ابھی تو وقت نہیں مل رہا ہے۔ مصروف ہوں میں۔ ” طلال نے موباکل پہ انگلیاں چلاتے ہوئے کہا تھا۔

”چاچویار۔ ” عمر کو پہتہ تھا وہ تنگ کر رہا ہے۔
”طلال اگر افشاں بھا بھی نہ مانی تو۔ ” یہ خدشہ متھا کی طرف آیا تھا جو اس ساری صور تھاں پہ بہت پریشان تھی۔

”اسی بات کا تو مجھے ڈر ہے۔ اب وہ ماں ہے اسکی خواہش کا احترام بھی ہم سب پہ واجب ہے۔ ” رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

ماحول ایک دم افسر دہ ہوا تھا۔ طلال کا دل کٹا تھا۔ وہ اپنی فیملی کو جتنا خوش رکھنے کے جتن کرتا تھا پھر کچھ الطاسیدھا ہو جاتا تھا۔

”پھر مجھے آپ سب سے کوئی گلہ نہیں ہو گا۔ جو میرا قسمت میں ہو گا وہ ہو جائے گا۔ ” عمر نے افسردگی سے کہا تھا۔

”میرا بچہ۔ اچھا اچھا سوچو۔“ رقیہ بیگم نے اسکو ساتھ لگایا تھا۔

”عمراب تم مجھ سے مار کھاؤ گے شکل کا کیا حال بنایا ہوا ہے تم نے۔ اوپر سے میری ماں اور بیوی کو الگ پریشان کیا ہوا ہے۔“ طلال کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

”میں زندہ ہوں ابھی فکر کیوں کر رہے ہو۔ خبردار اگر منہ پھول کے گھومنے نظر آئے۔ اور ماں آپ کیوں فکر کر رہی ہیں۔ آپ ہیں ناں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ نے جیسے شروع سے ہمیں جوڑ کے رکھا ہے ویسے ہی ہم ایک فیملی کی طرح جڑے رہیں گے۔“ طلال نے رسانیت سے جواب دیا تھا۔

”انشاء اللہ۔“ رقیہ بیگم نے نم آنکھوں سے کہا تھا۔

”اور آپ۔ میرے ساتھ آئیں زرا۔“ اب طلال کا رخ منتها کی طرف تھا۔ جو افسر دہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔

”کوئی کام ہے کیا۔“ منتها نے طلال سے کہا تھا۔

”یا اللہ مدد۔“ طلال نے بے بسی سے کہا تھا۔

”ان سے میرے حساب زرا طویل ہیں آپ سے بعد میں ملاقات ہوتی ہے۔ اور عمر تم تین بجے مجھے بلکل فریش ملنا۔“ طلال منتها کا ہاتھ پکڑتا کمرے میں لے گیا تھا۔ وہ پچھے ہنسنے رہ گئے تھے۔ سب کے سامنے یوں کے جانے پہ منتها کا شرمندگی سے براحال تھا۔ کمرے میں آ کے طلال نے اسکا ہاتھ چھوڑا تھا۔

”طلال۔ یہ کیا تھا۔“ منتها نے پوچھا تھا۔

”کیا کیا تھا۔“ طلال ان جان بنتا اپنی وارڈروب کی طرف بڑھا تھا۔

”جیسے آپ کو پتہ نہیں میں کیا کہہ رہی ہوں۔“ منتها نے منہ بنایا تھا۔

”مسز بہت نخرے دیکھانے لگ گئی ہیں آپ۔ کپڑے نکالیں آپ۔ اس حلیے میں اگر سمجھنے کا رشتہ مانگنے گیا تو پکانہ میں جواب ملے گا۔“ طلال نے منتها کا ہاتھ کپڑتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس وقت ٹراوزر شرٹ میں تھا۔

”تو یہ بات آرام سے بھی کہی جاسکتی تھی سب کے سامنے آپ ایم بریس کر دیتے ہیں۔“ منتها کہتے وارڈروب کی طرف بڑھی تھی۔ مگر طلال نے ایک جھٹکے سے اسکو پاس کیا تھا۔

”کیوں ہوتی ہیں ایم بریس جناب۔ عادت ڈالیں۔ محرم ہیں آپ میری۔“ طلال نے لو دیتے لبھے میں کہا تھا۔ اور اسکے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ ڈالتے ہوئے لبوں سے لگایا تھا۔ منتها کے چہرے پہ بکھر اگال اسکو مزید جسار توں پہ اکسار ہاتھا۔

”طلال آپ بلکل بھی شریف نہیں رہے اب۔“ منتها نے کہتے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا۔ طلال جو اسکے نقوش میں کھویا ہوا تھا اس دھکے کے لئے تیار نہ تھا اسلیے منتها بآسانی ہاتھ چھڑا چکی تھی۔

”آپ کو ابھی بھی میری شرافت پہ شک ہے۔“ پیچھے سے طلال کی صدمے سے بھر پور آواز گونجی تھی۔

”طلال ایک منٹ سے پہلے آپ کمرے سے باہر جائیں گے۔“ منتها اسکو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کے روہانی ہوئی تھی۔ وہ اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی۔ دھڑکنوں نے اودھم مچار کھا

تھا۔ طلال کو دیکھ کے تو آج کل دل ویسے ہی سپیڈ سے دھڑکنا شروع کر دیتا تھا۔ وہ اسکی موجودگی میں ایک بھی کام نہ کر پاتی تھی کیونکہ اسکی آنکھوں کی تیش اسکو سن کر دیتی تھی۔

”اچھا اچھا۔ جارہا ہوں جارہا ہوں۔“ طلال نے اسکو پریشان دیکھ کے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

منتہا فارغ ہو کے لاونچ میں آئی تو طلال نظر نہیں آیا۔ عمر بھی جا چکا تھا۔ رقیہ بیگم آنیہ کو گود میں لے کے سلا رہی تھی۔

”کدھر چلے گئے ہیں طلال۔ انکے کپڑے ریڈی کر دیئے ہیں میں۔“ منتہا نے پوچھا تھا۔
”ہاں وہ کام سے گیا ہے کہہ کر گیا ہے تین بجے تک گھر آجائے گا۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”یہ آدمی۔ مجال ہے جو انکی جان کو سکون ہو۔“ منتہا بڑا بڑا تھی۔
”اور کہنے کو آف لیا ہے آفس سے۔“ منتہا نے ساس کو دیکھ کے کہا تھا۔
”یہ کام کا شیدائی ہے۔ کبھی آف نہ لے۔ یہ تو آج کوئی کرشمہ ہی سمجھ لو جو گھر نظر آرہا ہے۔“ رقیہ بیگم نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”ناشته کیا تھا انہوں نے میں بنائے رکھ گئی تھی۔ مومنہ کی پریشانی تھی اسیلے اسکو دیکھنے چلی گئی تھی۔“ منتہا نے فکر مندی سے کہا تھا۔

”ہاں تم پریشان مت ہو کیا ہے مگر تھوڑا بہت ہی کیا ہے۔“ رقیہ بیگم نے بہو سے کہا تھا۔

”اچھا آپ کے لیے کھانا لاوں یا طلال کے ساتھ کھائیں گی آپ۔ اس کو دیں ادھر روم میں لیٹا آؤ سو گئی ہے میری جان۔ ”آنیہ کور قیہ بیگم سے لیتے ہوئے کہا تھا جو نیند میں چل گئی تھی۔

”طلال آجائے پھر ساتھ ہی کھاؤ نگی۔ ”رقبہ بیگم نے کہا تھا۔
”چلیں ٹھیک ہے میں اسکول ٹھاکے کچن میں جاتی ہوں۔ ”نتھا آنیہ کو اٹھائے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

چار بجے تک طلال واپس آیا تھا۔ محسن اور اکرام بھائی بھی گھر آچکے تھے۔ اس وقت سب اکرام بھائی کے پورشن میں بیٹھے تھے۔ مومنہ ان سب کو دیکھ کے گھبرا گئی تھی وہ تو سمجھی تھی کہ چلو علی والا معاملہ دب گیا ہے مگر اب معلوم ہوا تھا افشاں بیگم سے کہ اس پر پوزل کے فیصلے کے لیے یہ لوگ آئیں ہیں۔
وہ دھڑکتا دل لئے دشمن جان کو مخاطب کرتی افسر دہ دل کے ساتھ کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

”عمر تمہیں کیوں میری بے چینیاں محسوس نہیں ہوتی ہیں۔ ”
کمرے میں اس وقت خاموشی تھی جس کو افشاں بیگم کی آواز نے توڑا تھا۔
”عرفان بھائی کا آج پھر فون آیا تھا۔ وہ رسم کے لیے آنا چاہتے ہیں میں ان سے وقت مانگا ہے کہ اکرام نے ابھی فائل نہیں کی بات۔ آپ سب ہمارے اپنے ہیں تو بتائیں۔ ”افشاں بیگم نے بات کا آغاز کیا تھا۔

”دیکھو افشاں تم سب کو پتہ ہے وجہت کا لگاؤ اور چاہت اکرام اور محسن کو لے کے۔ وہ مرتے دم تک انکو اپنے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔ میں شروع سے اس گھر کو جوڑ کے رکھا ہے۔ آگے بھی میں ایسا ہی چاہتی ہوں۔ ”رقبہ بیگم نے جواب دیا تھا۔

طلال خاموش بیٹھا تھا۔ منتہا کو آنیہ نے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا تو وہ اسکو لے کے باہر آ گئی تھی۔

”جی اس میں کوئی شک نہیں۔ ہمارے لئے آپ کا مقام بہت بلند ہے۔“ اکرام صاحب نے محبت سے کہا تھا۔

”میں چاہتی ہوں کہ یہ محبت ہمیشہ قائم رہے۔ اس کے لیے تم سب کی کوششوں کی ضرورت ہے اور ساتھ کی ضرورت ہے مجھے۔ اسلئے آج ایک گزارش لے کے تم دونوں کے پاس آئی ہوں۔“ رقیہ بیگم نے تمہید باندھی تھی۔

”جی آپ بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں اکرام۔“ اب کے محسن صاحب بولے تھے۔

”آپ یوں شرمندہ مت کریں۔ کھل کے بات کریں۔“ اب کے اکرام صاحب نے کہا تھا۔

”میں مومنہ کو اپنے عمر کی دلہن بنانا چاہتی ہوں۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”مگر۔“ افشاں بیگم نے حیرت سے کہا تھا۔

”افشاں بات پوری کرنے دو آپا جی کو۔“ اکرام صاحب نے ٹوکا تھا۔

”نہیں اکرام بولنے دو افشاں کو اسکو پورا حق ہے۔ یہ ماں ہے مومنہ کی اسکے اچھے برائی فیصلہ کرنے کا پورا حق رکھتی ہے۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”دیکھیں بھا بھی میں جانتا ہوں علی کا پر پوزل پہلے آیا ہے۔ وہ ایک اچھا سیٹل لڑکا ہے۔ مگر مومنہ اور عمر کا ساتھ میں شروع سے ہی چاہتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی ذکر نہیں کیا کیونکہ میں وقت سے پہلے کوئی بات کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ اگر علی کا پر پوزل نہ بھی آتا تو میں آپ سے بات کرنے ہی والا تھا۔ میں صرف اس انتظار میں تھا کہ عمر کسی قابل ہو جائے۔ اب ماشاء اللہ سے وہ ایک پراجیکٹ میں نمایاں کامیابی حاصل کر چکا ہے۔ سب سے بڑھ کے ہمارے گھر کا لڑکا ہے۔ ہمارے ہاتھوں میں اسکی تربیت ہوئی ہے۔

- سب سے بڑھ کے وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ ہمارے دونوں بچے ہی میرے دل کے بہت قریب ہیں۔ تو ہم ان کے لئے کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔ میری آپ سے گزارش ہی ہے باقی حتمی فیصلہ آپکا ہی ہو گا۔ ”طلال نے ٹھہر ٹھہر کے اپنی بات سمجھائی تھی۔“ بلکل مجھے بھی مومنہ بلکل اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہے۔ میں اسکو ہمیشہ اپنی بیٹی مانا ہے اور سب سے بڑھ کے وہ تمہاری نظر وں کے سامنے رہے گی۔ پلیز انکار مت کرنا۔ یہ میری اولین خواہش ہے۔ ”اب کے عاصمہ بیگم نے انتباہی انداز میں کہا تھا کیونکہ وہ اپنے بیٹی کی چاہت سے آگاہ تھی۔

مومنہ کے نام پہ اس کی آنکھوں میں آتی روشنی ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ اکرام صاحب تو گویا کھل اٹھے تھے۔ چاہتے تو وہ بھی یہی تھے مگر بیٹی کے باپ تھے اپنے منہ سے کیا کہتے۔

”میری بیٹی خوش قسمت ہے جو اسکو ایسی سسرال مل رہی ہے۔“ اکرام صاحب نے کہہ کے وہاں موجود ہر فرد کے اندر گویا روح پھونک دی تھی۔

”اکرام عرفان بھائی سے کیا کہیں گے۔“ افشاں بیگم نے کہا تھا۔ انکو بھی کوئی اعتراض نہ تھا اب جبکہ رقیہ بیگم نے گزارش کی تھی توجور ہاسہا اعتراض تھا وہ بھی اڑنچھو ہو گیا تھا۔ سب سے بڑھ کے بیٹی نے آنکھوں کے سامنے رہنا تھا انکی توکل کائنات ہی وہ تھی۔

اکرام عرفان بھائی سے کیا کہیں گے۔ ”افشاں بیگم نے کہا تھا۔ انکو بھی کوئی اعتراض نہ تھا اب جبکہ رقیہ بیگم نے گزارش کی تھی توجور ہاسہا اعتراض تھا وہ بھی اڑنچھو ہو گیا تھا۔ سب سے بڑھ کے بیٹی نے آنکھوں کے سامنے رہنا تھا انکی توکل کائنات ہی وہ تھی۔

”ان سے میں خود بات کر لوں گا۔ امید ہے وہ بات سمجھ جائیں گے۔ رقیہ آپا ہماری بڑی ہیں میں انکو خالی نہیں لٹا سکتا۔“ اکرام صاحب نے حتمی فیصلہ کیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہاں خوشیوں سے چہرہ دمک اٹھے تھے۔ ہر طرف مبارکباد کی صدائیں گونج اٹھیں تھیں۔

مگر عمر محسن کا کہی دور دور تک پتہ نہ تھا۔

”کدھر ہیں آپ۔“ طلال اس وقت ڈرائیونگ کر رہا تھا جب عمر کافون آیا تھا۔

”میں اس وقت اپنی مسزا اور بیٹی کو شاپنگ کے لیے لے کے جا رہا ہوں۔“ طلال نے ایک نظر ساتھ بیٹھی شریک حیات پہ ڈالی تھی جو آنسیہ کے گود میں بیٹھائی ہوئے تھی۔

”دوسری بیٹی کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے۔“ عمر نے بے تابی سے پوچھا تھا خود تو آج نئے پراجیکٹ کی ڈیلیز ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

”الحمد للہ۔ تمام معاملات دیکھ چکا ہوں میں۔ تم سن لو اب مومنہ کے سامنے اپنی شکل لے کے مت جانا۔ تم پہ حدیں نافذ ہو چکی ہیں برخوردار۔ نتائج کے ذمہ دار خود ہو گے تم۔ زندگی کا نیا سفر مبارک ہو باقی باقی باقی گھر آکے کرتا ہوں۔ میری بیوی بورہ ہو، ہی ہے۔“ طلال نے ایک نظر بیوی کے من موہ لینے والے نقوش پہ ڈالتے ہوئے بات کو سمجھا تھا۔

”الحمد للہ۔ ابھی میرے پاس بھی الفاظ نہیں ہیں آپ کو کہنے کو اور نہ ہی کیفیت ایسی ہے کہ مزید بات کر سکوں۔“ عمر کی آواز میں جذبوں کا واضح شور محسوس ہو سکتا تھا جو کپکپاہٹ کے ذریعے ہوا کے دوش پہ طلال کی سماعت تک رسائی حاصل کر چکی تھا۔

”میں سمجھ سکتا ہوں۔ اپنا خیال رکھو۔ گھر آکے بات کرتے ہیں۔“ طلال کے اندر ڈھیروں سکون اتر اتھا۔ اور فون بند کر دیا تھا۔ اور نظر ساتھ بیٹھی بیوی پہ ڈالی تھی جو چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔

”کچھ پوچھنا چاہ رہی ہیں تو چپ کیوں ہیں۔“ طلال نے ایک نظر اس پہ ڈال کے کہا تھا اور پھر سامنے متوجہ ہو گیا تھا۔

”منتہا یار آپ کے منہ پہ واضح لکھا ہے کچھ پوچھنا ہے آپ نے۔ تو پوچھ لیں۔“ طلال نے اسکے تاثرات دیکھ کے کہا تھا۔

”آپ دوپھر میں کدھر گئے تھے۔“ منتہا نے طلال کو دیکھ کے کہا تھا۔
”تب سے اس بات پہ الجھر ہی ہیں آپ۔“ طلال کا دل کیا اپنا مانہا پیٹ لے۔

”نہیں ابھی تو نہیں ہوں۔ بس ویسے ہی پوچھنا چاہر ہی تھی۔“ منتہا نے لب بھینچ کے کہا تھا۔ دوپھر کو جب وہ واپس آیا تھا تو رقیہ بیگم کو کچھ بتا رہا ہے کس سے مل کے آیا ہے۔ باتوں سے واضح لگ رہا تھا کہ کوئی لڑکی تھی۔ جب منتہا اندر داخل ہوئی تو وہ بات بدل گئے تھے مнтہا بس اس بات پہ ابھی ہوئی تھی۔

”ڈیٹ پہ گیا تھا۔“ طلال نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”ویری فنی۔“ منتہا نے منہ بنایا تھا۔ جس پہ طلال ہنسا تھا۔

”کیا یقین نہیں آرہا۔“ طلال نے پوچھا تھا۔

”تو شاپنگ پہ بھی اس کے ساتھ ہی آنا تھا نا مجھے کوئی لے کے آئے ہیں ساتھ۔“ منتہا چڑی تھی۔

”آپ تو بیوی ہیں۔ وہ کونسا بھی بیوی بنی ہے۔“ طلال نے اسکے تاثرات انجوائے کرتے ہوئے کہا تھا۔

”مطلوب کہ مان رہے ہیں کسی لڑکی سے ملنے گئے تھے۔“ منتہا نے مطلب کی بات کی۔
”مجھے اندازہ نہیں تھا میری بیوی مجھے پہ شک بھی کر سکتی ہے۔ انظر سنٹگ۔“ طلال نے اسکے تاثرات سے لطف اندوڑ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

”طلال شک نہیں کر رہی جسٹ پوچھا ہے۔“ منتہا نے ایک نظر اسکو دیکھ کے کہا تھا۔

”میڈم آپ مجھ پہ فوکس کیا کریں باقی کیوں ٹینشن لیتی ہیں آپ۔“ طلال نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس وقت کسی چیز میں الجھانا نہیں چاہتا تھا۔

اس سے پہلے کہ مزید بات ہوتی ان دونوں میں گاڑی ایک مال کے سامنے رکھی تھی۔ پانچ منٹ کے بعد دونوں مال میں تھے۔

طلال نے مرتباً کی گھوریوں کی پرواہ کرنے بغیر اسکو شاپنگ کروادی تھی۔

عمر گھر میں داخل ہوا تو نظر لان میں بیٹھی رگ جان پہ پڑی تھی۔ رشتہ فائیل ہونے کی خبر نے زندگی کی لہر دوڑادی تھی۔

اسکے قدم خود بخود مومنہ کی جانب بڑھے تھے جو تاریک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی چاند کی روشنی میں اسکا سو گوار روپ عمر کا دل دھڑکا گیا تھا۔
مخصوص خوشبو مومنہ کے ارد گرد پھیلی تھی وہ دیکھے بغیر جان گئی تھی کہ آنے والا کون ہے۔

بے ساختہ دل نے شکوہ کیا تھا۔

”آگیا میرا خیال۔“ مگر لبوں پہ قفل تھے۔

عمر اسکے پاس بیٹھا تھا اسکی چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا۔ آج کتنی دیر بعد اسکو فرصت سے دیکھ رہا تھا اب یہ احساس بھی خوش کن تھا کہ وہ اسکی بن چکی ہے۔
اور یہ احساس ہر احساس پہ بھاری تھا وہ اس سے اپنی ناراضگی بھی بھول گیا تھا۔

”الحمد لله۔“ عمر بے اختیار بولا تھا۔ وہ جتنا شکر کرتا اتنا ہی کم تھا۔

”کیسی ہو۔“ عمر نے پوچھا تھا۔

”تم سے مطلب۔“ مومنہ نے چڑھ کے جواب دیا تھا۔

”اب تمہارے سب مطلب مجھ سے ہی ہیں۔“ عمر کے لمحے میں سرشاری تھی جسکو مومنہ کسی اور طرف لی گئی تھی۔

”مل گیا ان کو سکون۔ جیت گئے ہو آج تو تم عمر محسن۔“ مومنہ پھنکاری تھی۔

”دماغ چل گیا ہے کیا خوشی میں۔“ عمر نے اسکو گھورا تھا۔

”کوئی خوشی۔ ہاں کہاں کی خوشی۔ میری خوشی اس دن ہی مرگی تھی جس دن میرا عمر مجھ پہ چلا یا تھا اور مجھے بے اعتباری کی مارمار تا مجھے چھوڑ کے چلا گیا تھا۔“ مومنہ کیسی بھول جاتی اسکی بے رخی۔

عمر خود پہ ضبط کئے بیٹھا رہا تھا۔

”اس دن اسی عمر نے اپنی فیلنگز بھی تم سے شیر کی تھیں نا۔“ عمر نے اسکو غصے سے دیکھا تھا۔

”ساتھ میں اپنی نفرت کا اعلان بھی کیا تھا۔ بھول گئے ہو تم۔ مگر میں نہیں بھولی۔“ مومنہ چیخنی تھی۔

عمر کا دماغ بھی گھوما تھا۔ اتنی مشکل سے سب ٹھیک ہوا تھا اتنی ذہنی ٹینشن کے بعد اب مومنہ کی ایسی باتیں۔

”وہ سب بکواس کی تھی میں غصے میں۔ تم جانتی ہو مجھے وہ علی ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اور اب تو گھروالوں نے بھی اسکو چھوڑ کے مجھے تمہارے لیے چنا ہے۔“ عمر نے مومنہ کو کہا تھا۔

”کیا کہا؟ گھروالوں نے تمہیں میرے لیے چنا ہے۔ علی کو چھوڑ کے۔ مطلب کیا تھا اس بات سے۔“ مومنہ نے اسکو سرخ ہوتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ علی کہنے پہ عمر کا دماغ ایک سینکڑ میں گھوما تھا وہ یہ تک فراموش کر گیا تھا کہ وہ کیا ڈسکشن کر رہے ہیں۔

”ہاں بھی کہا ہے کہ گھروالوں کی مرضی سے ہم دونوں کارشٹے طے ہوا ہے۔“ عمر نے لفظ چباتے ہوئے کہا تھا۔

”اور اچھا۔۔ ٹھیک ہے پھر میں بھی اپنا انکار رکھتی ہوں گھروالوں کے سامنے۔ مجھے علی کا پر پوزل قبول ہے۔“ مومنہ نے کہا تھا مگر مقابل بھر گیا تھا۔ وہ چیختا اسکے بازوؤں کو جکڑ چکا تھا۔

”مومنہ۔۔ میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان لو نگا اگر کوئی الٹی سیدھی بکواس کی تو۔ میں اب تم سے تب ہی بات کرو نگا جب تمہارا دماغ ٹھکانے لگا دو نگا۔“ عمر نے چیختے ہوئے کہا تھا۔ مومنہ اتنے شدید رد عمل پہ سن رہ ہو گئی تھی۔
وہ اسکو چھوڑتا اندر کی طرف بڑھا تھا۔

اگلے دن طلال آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ منہا بھی کاموں میں مصروف ہو گئی تھی جب اسکو گھر سے کال آئی تھی یا سر کو اللہ نے بیٹے سے نوازا تھا۔ وہ تو خوشی سے جھوماٹھی تھی۔

طلال کو کال کر کے جانا کا بتایا تھا اور آنسیہ کو لے کے ڈرائیور کے ساتھ صیغیرہ اوس چلی گئی تھی۔

طلال آٹھ بجے واپس آیا تو گھر میں خاموشی نے استقبال کیا تھا۔ صبح سے اتنا مصروف رہا تھا کہ منہا کو کال بھی نہ کر پایا تھا نیچ میں صرف ایک دو میسج کر کے پوچھا تھا کہ وہ پہنچ گئی ہے خیریت سے۔

اب گھر آیا تو اسکوناپا کے اعصاب نے کام کرنا شروع کیا تھا۔
”کیا اب تک واپس نہیں آئی۔“

”اسلام علیکم کیسی ہیں۔“ طلال نے رقیہ بیگم کے کمرے کا رخ کیا تھا اور حسب عادت انکے سر پہ بوسہ دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

”وعلیکم اسلام۔ جیتنے رہو میری جان۔ میں ٹھیک ہوں۔“ رقیہ بیگم نے اسکو پیار کرتے کہا تھا۔

”بہو واپس نہیں آئی ابھی آپکی۔“ طلال نے شرط کے بازو فولڈ کرتے پوچھا تھا۔ ”وہ تو رہنے کے لیے گئی ہے بتا کے نہیں گئی تمہیں۔“ رقیہ بیگم کی اطلاع پہ طلال کے طوطے اڑتے تھے۔

”واٹ۔ ایسا کوئی ذکر نہیں کیا آپکی بہونے مجھ سے۔“ طلال نے دبے دبے غصے سے کہا تھا۔

”چلو میں بتارہی ہوں ناں اب تمہیں۔ اس نے بھی بتایا ہو گا تمہیں یاد نہیں رہا ہو گا۔“ رقیہ بیگم نے بات سننچالی تھی۔

”وہ کوئی بات بتائیں اور مجھے یاد نہ رہے اماں ایسے دن نہیں آئے ابھی۔ اور یہ ادھر رہنے کا کیا نیا شوشه ہے۔“ طلال اب اصل بات پہ آیا تھا غصہ اور جھنجھلاہٹ حد سے زیادہ تھی۔

”طلال حد کرتے ہو تم۔ پچی شنادی کے بعد پہلی بار گئی ہے رہنے تو اسکو سکون سے رہنے دو۔“ رقیہ نے بہو کی سائیڈ لی تھی۔

”اور جو وہ کسی کے بچہ کا سکھ چین ساتھ لے کے چلی گئی ہیں اسکا کیا۔“ طلال نے سوچا تھا۔

”تو میں بھی کسی کا بچہ ہوں میرا خیال کون رکھے گا۔ اس پچی کا آپکو بہت احساس ہوا اور ایک عدد میری پچی بھی ان محترمہ کے پاس ہے اسکے بغیر مجھے نیند نہیں آتی اماں۔“ اب کے طلال نے پینٹر ابلدا تھا۔

”سب سمجھ رہی ہوں نپے۔ اس بچے کے لیے میں ہوں نا۔ خوب خیال رکھنا آتا ہے مجھے۔ جاؤ جا کے فریش ہو جاؤ۔“ رقیہ بیگم نے اسکو آڑے ہاتھوں کیا تھا وہ ضبط کرتا کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

اگر طلال کے کیفیت کی بات کی جاتی تو اس وقت خالی کرہ اسکو کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ کمرے میں آتے ہی فائل بیڈ پہ پھینکی تھی کوٹ اتار کے صوفے کی طرف اچھا لگھڑی اتار کے ڈریسنگ ٹیبل پہ پٹھنی تھی۔ اب ٹائی کی باری تھی۔ ٹائی نکال کے دور اچھائی تھی جو پیروں میں ہی گر پڑی تھی۔ پھر خود ہی جھنجھلا کے اٹھائی۔

”کیا مصیبت ہے یار۔“ نفاست پسند طلال جھنجھلا اٹھا تھا۔ جیب سے موبائل تلاش کر رہا تھا اور نمبر ڈیل کیا تھا۔ وہ لب سینچ کمرے میں گھوم رہا تھا۔

دوسری طرف بیل جانے کے بعد فون اٹھایا گیا تھا۔ منتها پچھے کائنات کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی وہ ہنسی تھی۔ ہنسی طلال کو صاف سنائی تھی۔

بے تحاشا ہنسی گویا جلترنگ سی نج اٹھی تھی۔ آدھا غصے تو یہاں پہ ہی اڑنچھو ہو چکا تھا۔

”اسلام علیکم۔“ سلام منتها کی طرف سے آیا تھا وہ تو اسکی ہنسی کی آواز سن کے ہی گھائل ہوا کھڑا تھا۔

”وعلیکم اسلام۔ آگیا خیال میاں بھی ہے آپکا۔“ طلال کی طرف سے بمباری شروع ہوئی تھی۔

”الحمد لله خیال ہی خیال ہے۔ میں کو نسا بھولی ہوئی ہوں۔“ منتها جانتی تھی وہ ناراض ہو گا اسکے وہاں رکنے سے۔ اسیلے اسکو پر سکون کرنا لازمی تھا اس وقت۔

”ملنا تھا ان وہاں سب سے۔ مل لیا ہو گا۔ میں آرہا ہوں لینے تیاری کپڑیں۔“ طلال نے اپنی بات کہی تھی۔

”طلال ایسے کیسے میں رہنے آئی ہوں۔ اب ایک ہفتہ رہ کے آؤں گی۔“ منتها نے جلدی سے کہا تھا کہی واقعی ہی لینے نہ آجائے۔

”واٹ ایک ہفتہ۔ آپ اپنے حواسوں میں تو ہے نا۔ میں آپکو وہاں ایک رات نہ گزارنے دوں آپ ایک ہفتے کی بات کر رہی ہیں۔ ایک تو بتائے بغیر گئی ہیں۔“ طلال اب غصے سے بولا تھا۔

”کہتے ہیں تو زیادہ ٹائم رہ آتی ہوں۔ ویسے بھی میں سنائے ہے بیویاں جب میکے جاتی ہیں شوہر حضرات کی عید ہوتی۔“ منتها نے اسکی توجہ بٹانے کو بات بنائی۔

”ہوتے ہو نگے وہ مرد بھی مگر میں ہر گزان مردوں میں سے نہیں ہو۔ مجھے آپ گھر موجود چاہیے۔“ طلال نے پختہ لمحے میں کہا تھا۔ منتها کا دل دھڑکا تھا۔

”اب آئی ہوں تو رہ کے آونگی نا۔“ منتها نے کہا تھا۔

”منتها میں کیا بکواس کر رہا ہوں آپکو سمجھ نہیں آرہی ہے کیا۔“ طلال اسکے اطمینان سے تپا تھا۔

”طلال کیا ہو گیا ہے آپکو۔“ منتها نے نرمی سے کہا تھا۔

”کیا آپ کو نہیں پتہ۔ مجھے کیا ہو گیا ہے۔“ طلال نے اسکے لمحے میں بات کی۔

”اللہ خیر کرے طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔“ منتها کو پریشانی لاحق ہوئی۔
طلال کا اب جھنجھلاہٹ سے براحال ہوا تھا۔

”منتها مجال ہے جو آپکی سمجھ میں کوئی بات آجائے۔“ طلال کا غصے سے براحال تھا۔

بقول عمر کے طلال کی نیت خراب ہو رہی تھی مگر منتها کو کون سمجھائے وہ طبیعت کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔

”آپ فوراً واپسی کی تیاری پکڑیں۔ مجھے آنیہ کے بغیر نیند نہیں آتی۔“ اب کے طلال نے حقیقت بتائی تھی۔

”وہ آپ کو لوری سناتی ہے کیا۔ عجیب بات کرتے ہیں آپ۔“ منتها نے اب کے ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ نے بس میری بات نہیں مانتی تو فضول بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔“ خدا حافظ۔ ”طلال کہتا کھٹاک سے فون بند کر گیا تھا۔ منتها ارے ارے کہتی رہ گئی تھی۔

کھانا بھی غصے میں گول کر گیا تھا۔ فل موڈ خراب تھا طلال وجاہست کا۔ وہ خود کے نارمل کرنے کی کوششوں میں سونے کے ارادے پہ بیڈ پہ گیا تھا۔ مگر وہاں پڑا منتها کا وائٹ ڈوپٹہ اسکا دل پھردھڑ کا گیا تھا۔ وہ یقیناً جلدی میں اسکو بہاں بھول گئی تھی۔ طلال نے وہ ڈوپٹہ مٹھیوں میں بھینچا تھا۔ ایک دلفریب خوشبو نے اپنا حصار اسکے گرد قائم کیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید اس تصور میں کھوتا عمر اندر داخل ہوا تھا اور دلفریب ماحول کا فسوس چکنا چور ہوا تھا۔

”چاچو۔“ عمر نے اندر آتے کہا تھا۔

”بولو خیریت ہے۔“ طلال نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ میرے ساتھ چلیں سب آپ کا ویٹ کر رہے ہیں مجھے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ عمر نے اسکو ساتھ لے جاتے ہوئے کہا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے اتنے اتاوے کیوں ہو رہے ہو سب خیریت ہے نا۔“ طلال نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

”آپ میرے ساتھ آئیں تو۔“ عمر اسکو کہتے اپنے ساتھ باہر لے گیا تھا۔

رقیہ بیگم کے کمرے میں اس وقت موجود پانچوں نفوس خاموش بیٹھے تھے۔ عاصمہ بیگم تو جھنجھلانی ہوئی تھی۔

”مجھے تو اس لڑکے کی سمجھ نہیں آتی یہ چاہتا کیا ہے آخر۔“ عاصمہ بیگم نے اپنے خوب رو بیٹھ کو گھورا تھا جو پھل جڑی چھوڑ کے اب معصوم سا بنا طلال کے ساتھ صوف پہ بیٹھا ہوا تھا۔ ” بتایا تو ہے کیا چاہتا ہوں۔“ عمر نے معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے بچوں کی طرح معصوم منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

طلال اسکی مکاری پہ مہسنے روکنے کو منہ نیچے کر گیا تھا۔

”عمر کیا جلدی آن پڑی ہے تمہیں۔“ اب کے رقیہ بیگم نے اسکو ڈانٹا۔

اب عمر نے طلال کی طرف مدد طلب نظر وں سے دیکھا تھا جو کندھا اچکا گیا تھا۔ ”ابھی کل ہم رشتہ طے کر کے آئیں ہیں منگنی کی تاریخ لے کے۔ مگر تمہیں نکاح کی پڑ گئی ہے۔ کوئی عقل کو ہاتھ مارو۔ انکی بھی اکلوتی بیٹی ہے سوارمان ہونگے انکے بھی۔“ رقیہ بیگم نے اسکو سمجھایا تھا۔

”اسکے ارمان میں خود پورے کر لو نگا۔ چڑیل جان کو آئی ہوئی ہے۔“ عمر اسکو تصور میں لاتا مخاطب ہوا تھا۔

”ہاں بھلا بتاو اب منہ اٹھا کے نکاح کے لیے چلیں جائیں۔“ عاصمہ بیگم نے اب خونخوار نظر وں سے گھورا تھا عمر کو۔

”تو بھلامنہ ساتھ لے کے ہی جانا ہے منہ کے بغیر کوئی کام ہوتا ہے بھلا۔“ عمر طلال کے پاس ہو کے بڑھا گیا تھا۔

اب کے طلال کا قہقہہ بے ساختہ تھا سب اسکے یوں ہنسنے پر تعجب سے اسکو دیکھ رہے تھے جس پر طلال خجل سا ہوا اور عمر کو گھورا۔

”وجاہت ہاؤس میں آجھل محبت کے سائے گھرے ہوئے ہیں ہر کوئی باولا ہوا پھر رہا ہے۔“ رقیہ بیگم کے وارپہ طلال ماں کو دیکھ کر رہا گیا تھا۔

”بہو گھر نہیں ہے رونق نہیں ہے۔ کچھ آنیہ بھی ساتھ گئی ہوئی ہے۔“ اب کے محسن صاحب بولے تھے۔

”آپکی بہو کو سیدھا کرتا ہوں میں۔ آجائیں اک باروہ۔ بات تک نہیں کرنی میں۔“ طلال بڑھا کے رہ گیا تھا۔ ناراض ہوا بیٹھا تھا وہ مگر پرواہ کسی تھی۔

”وہ تو بابا آہی جائینگی انشاء اللہ۔ آپ اپنی دوسری بہو کو لانے کا انتظام کریں۔“ اب کے عمر نے باپ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”بیٹا یوں جلدی بازی کرنے کے حق میں نہیں ہوں میں۔ باقی جو سب کی رائے ہو گی اور تمہاری خوشی۔ میں راضی ہی راضی ہوں۔“ محسن صاحب نے بات ہی ختم کی تھی۔

”جلدی کیا ہے مومنہ ادھر ہی۔ کیسی بے اعتباری ہے اب تو منگنی کی ڈیٹ بھی فکس ہو چکی ہے۔“ اب طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”یار طلال۔“ عمر چڑھا۔ وہ لاڈ پیار میں طلال کو ایسے ہی پکارتا تھا جب بھی کوئی بات منوانی ہوتی یا فرمائش کرنی ہوتی۔

”عمر۔“ طلال نے گھورا تھا۔

”ٹھیک ہے جو مرضی کریں۔ خود بھی اداں گھو میں۔ نکاح اگر کل رکھ لیتے آپ لوگ تو اس وقت سب نے گھر ہونا تھا تیاریاں کرنے کے لیے۔ ”عمر نے رازداری سے کہا تھا۔ طلال نے اسکی بات پہ گھورا تھا۔

”سب سے مطلب سب نے۔ ”عمر نے اپنی بات پہ زور دیا تو طلال ایک سینئنڈ میں بات سمجھ گیا تھا۔

”میری بیٹی اور بیوی بارہ بجے تک گھر ہوئی تو کل نکاح کے لیے مولوی صاحب کو سات بجے کا وقت میں دے دوں گا۔ ورنہ اپنی مرمت میرے ہاتھوں کروانے کے لیے تیار رہنا۔ ” طلال نے عمر کی بات سمجھتے ہوئے اپنی ڈیمانڈ رکھی۔ عمر بے یقینی کی کیفیت میں بیٹھا تھا۔

”چلیں میرے خیال میں نیک کام میں دیری کیسی۔ آپ لوگ تیاری کریں میں افشاں بھا بھی اور اکرام بھائی کو یہ خوشخبری سنائے آتا ہوں وہ میری بات کبھی رد نہیں کریں گے۔ ” طلال کہتے اٹھا تھا۔ گھروالوں کو اور چاہیے کیا تھا بچوں کی خوشی انکو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

”بارہ بجنے میں وقت کم ہے۔ بیٹا اگر میری بیٹی اور بیوی نہ آئیں تو تمہارا نکاح انشاء اللہ دو سال بعد ہی کرو اونگاب سوچ لو۔ ” طلال باہر جاتے جاتے اسکو یاد کروانا نہیں بھولا تھا۔ عمر سکتے سے باہر آیا تھا۔ اور تیزی سے اٹھا تھا۔

”بچوں دھیان سے۔ ” رقیہ بیگم انکی افراتفری پہ کہا تھا۔

”اتنی جلدی سب کیسے ہو گا۔ ” عاصمہ بیگم فکر مندی سے بولی تھیں۔

”فکر نہ کرو انشاء اللہ ہو جائے گا سب۔ میری متھا آجائے ماشائے اللہ آدھا کام اسے سنبھال لیں ہے۔ آدھا کام تمہارا طلال نے کر دینا ہے بس متھا طلال کو سنبھال لے گی تمہارا آدھا کام ویسے ہی آسان ہو جانا ہے۔ سمجھ رہی ہونا۔ ” رقیہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”ماشاءالله الہ همارے گھروں میں خوشیاں یوں نہیں رکھے۔“ اکرام صاحب نے کہا تھا۔
باقی سب نے صدق دل سے آمین کہا تھا۔

منتہا اس وقت عمر کو صغیر ہاؤس میں دیکھ کے حیران رہ گئی تھی۔ گھری نے گیارہ بننے کا اعلان کر دیا تھا۔ عمر نے آنسیہ کو اٹھا کے پیار کیا تھا جو عمر کو سامنے پا کے کھلائی تھی۔

”عمر تم۔۔ اس وقت سب خیریت ہے نا۔؟“ منتہا نے اچھنے سے پوچھا تھا۔

”جی پچھی سب خیریت ہے۔ آپکو اور آنسیہ کو لینے آیا ہوں۔“ عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا اور آنسیہ کو دیکھا جو عمر سے لگی ہوئی تھی۔ طلال کو بھی وہ شام سے یاد کر رہی تھی بابا بابا کرتے ہوئے ساتھ میں اپنی ماں کو بھی باپ کی یاد دلارہی تھی۔ جس پہ منتہا ہنس دیتی تھی۔

”ہاں مگر میں تو رہنے آئی ہوں عمر۔ آنٹی اور طلال نے بتایا نہیں تمہیں۔“ منتہا نے کہا تھا۔

”طلال کی تو آپ بات نہ کریں اس وقت خیر۔ وہ آپ سے بہت ناراض ہیں۔“ عمر نے منتہا کو راز درانہ انداز سے بتایا تھا جس پہ منتہا ہنس پڑی تھی۔

”انکو میں دیکھ لوں گی۔“ منتہا نے کہا تھا۔

”چلیں پھر سامان پیک کریں آپ کے پاس وقت کم ہے صرف دس منٹ ہیں۔“ عمر اصل بات کی طرف آیا تھا۔

”عمر وہ کیوں بھلا۔۔ میں بتا تو رہی ہوں میں رہنے کے لیے آئی ہوں۔“ منتہا نے اب اسکو گھورا تھا۔

”پچھی میرا نکاح ہے صح۔ آپ کیوں چاہتی ہیں کہ وہ لیٹ ہو۔“ عمر نے اب اپنا رونارویا تھا۔

”کیا۔۔ نکاح۔؟ عمر وہ بھی کل؟؟ تم دونوں کی تو منگنی طے ہوئی تھی وہ بھی میری واپسی پہ۔ میں آتے ہوئے بھا بھیوں سے مل کے آئی ہوں۔ ”منتها شاک ہو گئی تھی۔

”ہاں ناں پہلے منگنی طے تھی مگر اب نکاح ہونا ہے کل۔ چاہے تو آپ دادو کو فون کر لیں یا چاچو کو۔ ”عمر نے منتها کو کہا تھا۔

”فون کرتی ہوں میں طلال کو۔ ”منتها نے عمر کو شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ بھی زمانہ آنا تھا مجھ پہ کسی کو اعتبار نہیں ہے۔ ”عمر روہانسا ہوا۔

بیلز جارہی تھی مگر طلال فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

”کیا ہوا؟؟ ”عمر نے اسکو فون کان سے لگائے دیکھا تو پوچھا۔

”ہونا کیا ہے۔ فون نہیں اٹھا رہے۔ غصہ تو ناک پہ پڑا ہوتا ہے۔ ”منتها نے غصے سے کہا تھا۔

”آپ بابا کو کر لیں۔ یہ کس کا فون آگیا۔۔ یہ دیکھیں بابا کا ہی ہے۔ انہوں نے مجھ سے بات کرنے کے لئے کیا ہو گا۔ یہ لیں کریں بات۔ اور بتا دیں میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ بھئی کل نکاح ہے تیاریاں بھی تو کرنی ہیں ہم نے۔ ”عمر کا توبس نہیں چل رہا تھا کہ چڑیل کو لے کے کہی دور چلا جائے۔

”سانس لو لڑ کے۔ دوادھر مجھے۔ جیسا چاچو ویسا بھیجتا۔ ”منتها نے غصے سے کہا تھا۔

”الحمد للہ۔ ”عمر نے فخر یہ کا لے اٹھایا تھا اور خاموشی سے سائیڈ پہ ہو کے بیٹھ گیا تھا۔ آنیہ اب عمر کی گود میں آن بیٹھی تھی جو منہ میں فیڈر لئے کب سے دونوں کو با تین کرتی دیکھ رہی تھی۔

منتها نے پانچ منٹ بعد فون رکھا تو نکاح کی خبر سن کے خوشی بھی تھی۔

محسن صاحب اور رقیہ بیگم سے بات ہوئی تھی انہوں نے اچانک بننے والے پروگرام کا بتایا تھا ساتھ فوراً گھر آنے کا کہا تھا۔

”چلو جلدی ٹائم دیکھو کیا ہو گیا ہے۔ اوپر سے میری بیٹی کی نیند خراب ہو رہی ہے۔ تم دونوں چاچوں سمجھنے ہر کام میں ایسے جنسی کیوں نافذ کی ہوتی ہے۔“ منتها نے اسکو موبائل واپس دیا اور اب جھنچھلاہٹ میں جلدی جلدی سامان پیک کر رہی تھی۔

منتها بیگ پیک کر کے سید ہمی ہوئی تو عمر بھی اٹھا تھا آئیہ کو لے کے۔

”چلیں پچھی۔“ عمر نے عزت و احترام سے پوچھا تھا۔

”مہھر جاؤ زرا تم چار سو چالیس کی سپید سے کیوں چل رہے ہو میں گھروالوں کو توبادوں اس ہنگامی نکاح کا اور دعوت بھی تو دینی ہی کل نکاح میں شرکت کی۔ آئی نے بولا ہے۔“ منتها نے اسکی جلد بازی پہ اسکو ٹوکا تھا۔

”چلیں میں بھی ان سے مل کے گاڑی میں سامان رکھتا ہوں۔“ عمر نے ہستے ہوئے کہا تھا۔
تقریباً بیس منٹ کے بعد وہ صیغہ ہاؤس سے روانہ ہو چکے تھے۔

عمر منتها اور آئیہ کو لے کے بارہ نج کے تیرہ منٹ پہ گھر پہنچا تھا۔ منتها نیند میں جھولتی آئیہ کو لے کے سیدھا کمرے میں گئی تھی۔ رقیہ بیگم کے کمرے سے باتوں کی آوازیں آر رہی تھیں جس کا مطلب تھا سب جاگ رہے ہیں وہ خوش ہوتی پہلے کمرے میں گئی تھی۔ ناراض میاں کا سوچ کے دل انوکھے لے میں دھڑکا تھا۔ شکر کیا طلال کمرے میں نہیں تھا۔

”ٹار گٹ اچیوڈ۔“ عمر نے کمرے میں آ کے چابی طلال کی طرف اچھائی تھی۔ جس کو اس نے بروقت کچ کر لیا تھا۔

”چودہ منٹ لیٹ ہو میری گھڑی کے مطابق۔ تو مولوی کل سات کی بجائے آٹھ بجے آئے گا۔“ طلال نے ایک ناقدانہ نظر سے عمر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اس وقت رقیہ بیگم

سمیت محسن صاحب، افشاں بیگم، اکرام صاحب اور عاصمہ بیگم بھی موجود تھیں۔ سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”چاچو آپ ناجائزہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اب۔“ عمر نے دہائی دی تھی۔

”یہ موقع کو نساروز روز آنا ہے۔“ طلال بھی اب ہلاکا پھل کا محسوس کر رہا تھا۔ بیوی اور بیٹی جو گھر آگئی تھیں۔

”اسلام علیکم۔“ منتہا کی آواز گونجی تھی۔ طلال نے ایک نظر منتہا پہ ڈالی تھی اور فوراً نظریں موڑ لی تھیں ناراضگی بھی دیکھانی تھی اب۔ حالانکہ نظریں دھو کہ دینے پہ تلی ہوئی تھیں۔ طلال کی سرسری سی نظر بھی منتہا کو اندر تک گڑبرڑا گئی تھی۔
اسکے رخسار سرخ ہوئے تھے۔

”و علیکم اسلام۔ میری رونق آگئی ہے۔“ سب نے سلام کا جواب دیا تھا۔ رقبہ بیگم نے کہتے اسکو پاس بلا�ا تھا۔

”کیسے ہیں آپ سب۔ اماں آپ سب کو بہت بہت مبارکباد دے رہی تھیں۔“ منتہا نے کہا تھی۔ ایک نظر اپنے مغرور شہزادے پہ ڈالی جو موبائل پہ مصروف تھا۔

”فون پہ تو ایسے کہہ رہے تھے گھر آؤ گھر آؤ۔ جیسے پتہ نہیں کتنا مس کر رہے تھے اب موبائل سے فرصت نہیں ہے۔“ منتہا کڑھ کے رہ گئی تھی۔

”خیر مبارک۔ انکو شرکت کی دعوت دے کے آئی ہونا۔“ عاصمہ بیگم نے پوچھا تھا۔
”جی دے کے آؤں ہو وہ لازمی آئیں گے کل۔ اتنی اچانک پروگرام بن گیا۔ جب میں گئی تھی تب تو ایسا کوئی پلان نہیں تھا۔“ منتہا نے پوچھا تھا۔

”آپ کے جانے کے بعد ہی پلان بناتھا۔ میرے نکاح کے بعد بھی آپ لازمی رہنے جانے۔ بلکہ تب ایک دورات رکنا وہاں تاکہ میں اپنی رخصتی بھی کرو اسکو۔“ عمر نے اپنی ہائی تھی۔ طلال نے عمر کو خونخوار نظروں سے گھورا تھا۔

”مطلوب۔“ منتهانے نامجھی سے پوچھا تھا۔

”اگر آپکو مطلب بتا دیا تو میر انکاح پھر خطرے میں پڑ جانا ہے۔“ عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا اور باہر نکلا تھا کیونکہ طلال کے تیور خطرناک تھے۔

”زیادہ لوگوں کو تو ہم نکاح میں نہیں بلا سمجھیں گے۔ کیا کہتے ہیں آپ بھائی۔“ طلال نے اب موبائل سائیڈ پر رکھتے ہوئے کام کی بات کی تھی۔

اب بیوی تو گھر آگئی تھی تو دماغ بھی ٹھکانے پہ تھا۔

”ہاں زیادہ لوگ ہماری طرف سے تو ویسے پہ ہونگے۔ باقی کل کس کس کو بلا نا ہے بتا دیں۔ ایک تو اس اڑکے کی وجہ سے ایمر جنسی میں سب کرنا پڑ رہا ہے۔“ محسن صاحب نے کہا تھا۔

”ٹھیک ہے سب سادگی سے ہو رہا ہے محسن۔ اللہ برکت ڈالے بس۔“ اب کے رفیعہ بیگم نے کہا تھا۔

”ہماری طرف سے مومنہ کے چند تھیاں ای رشتہ دار ہو گئے باقی چند ایک عزیز دوست جو ہم

سب کو جانتے ہیں۔ گھر کا فنکشن ہے تو اسلئے میں بھی اتنا ہجوم نہیں چاہتا۔ باقی جو بھی

ارمان ہیں وہ انشاء اللہ رخصتی پہ پورے کر لینگے۔“ اب کے اکرام صاحب نے کہا تھا۔

”جی انشاء اللہ۔ خدا خیر کا ٹائم لے کے آئے۔ میرے بچے یو نہی خوش رہے۔ آمین

۔“ افشاں بیگم نے کہا تھا۔

”چلیں پھر کافی ٹائم ہو گیا ہے میں بھی سونے جا رہا ہوں۔ کل انشاء اللہ وقت پہ اٹھنا ہے سب انتظامات دیکھنے ہیں۔ سب ہو جائے گا آپ لوگ فکر مت کریں۔“ طلال نے اٹھتے ہوئے ایک نظر بیوی کو دیکھا تھا جو سب کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔ براؤں کلر کے

پر نیڑ سوٹ میں ملبوس وہ سلیقے سے ڈوپٹہ سر پہ اوڑھے بیٹھی تھی۔ ناک کی لوگ چمک رہی تھی۔

”ہاں انشاء اللہ۔ ہم نے فکر کیوں کرنی ہے اب تو ہماری بہو بھی آگئی ہے۔“ عاصمہ بیگم نے کہا تھا سب ہنسنے لگ گئے تھے۔ طلال سنجیدہ چہرہ لئے باہر نکل گیا تھا۔
”سر ڈرامی۔“ منتها نے اسکو جاتے ہوئے لقب سے نوازا تھا۔

سب کو بھیج کے وہ ڈور لاک کرتی دھڑ کتے دل کے ساتھ کمرے میں آئی تھی۔ کمرے تک آتے وہ تین بار اپنے چہرے کو ہاتھ سے تھپٹھپا کے نارمل کرنے کی کوشش کر چکی تھی۔

کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا طلال منتها کی جگہ پہ بیٹی کے پاس بیٹھا اسکے ہاتھ چوم رہا تھا۔ کبھی بال سلچار ہاتھا۔

منتها دونوں کی نظر اتارتی آگے بڑھی تھی۔ منتها کے بیڈ کے پاس جانے پہ وہ اٹھا تھا۔
”narاض ہیں۔“ منتها کی روہانی آواز پہ اسکے اٹھتے قدم مرکے تھے۔

”کیا نہیں ہونا چاہیے۔“ طلال نے ایک سنجیدہ نظر اسکے چہرے پہ ڈالی تھی۔ اور دل کو سنبھالا جو اسکے ناک کے لوگ پہ فدا ہو رہا تھا۔
”نہیں۔“ منتها نے جھٹ کھا تھا۔

”تو کیا اب مجھے ناراض ہونے کا حق بھی نہیں ہے۔“ اب کے طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”نہیں کیونکہ مجھے منانا نہیں آتا نا۔“ منتها نے منه پھولا کے وجہ بتائی تھی۔

”اور یہ کب تک آئے گا۔“ طلال اسکی شان بے نیازی پہ عش عش کراٹھا تھا۔

”سیکھ لو گی۔ جب تک مجھے منا نے نہیں آتا تب تک آپ ناراض نہ ہوا کریں۔“ منتها نے اسکے تھوڑا سا پاس ہو کے کھا تھا۔

وہ بھی اچانک مڑا تھا نیتیجنے دونوں کے درمیان رہا سہا فاصلہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ منہما کے گال طلال کے گال سے مس ہوئے تھے۔

منہما تو شذر رہ گئی تھی۔ طلال بھی اچانک اسکی طرف مڑا تھا اسکو خبر نہ تھی منہما اسکے مزید ساتھ ہوئی ہے۔

طلال ان لمحوں کے خوش کن احساس میں گھر اکھڑا تھا۔
بوکھلاہٹ سے اب براحال تھا۔

”اب منانے آئی ہیں تو ٹھیک سے منا لے نا۔“ طلال نے اسکو بوکھلاہٹ کو انجوائے کرتے ہوئے کہا تھا۔

”لیکن--- میں --- میرا مطلب ہی کہ وہ تو اچانک سے--- ہوا۔“ منہما نے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

”میں ناراض ہوں پھر آپ سے اب تک۔ منا لیں مجھے۔“ طلال نے خفگی سے کہا تھا۔
”ابھی تو آپ ٹھیک بات کر رہے تھے۔“ منہما کا صدمے سے منهہ کھولا تھا کہ ابھی تو ہنس رہا تھا۔

”منہما۔ منہما۔“ طلال نے اسکو بازو سے کپڑ کے سامنے کیا تھا اور اسکی پیشانی سے اپنی پیشانی کو ٹکڑا یا تھا۔ اور آنکھیں موندے ایک پل کو کھڑا رہا تھا۔
منہما کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ وہ طلال کو پا کے خدا کی شکر گزار تھی۔
مگر دل میں ایک انجانا ساڈر تھا جو اسکو آگے نہیں بڑھنے دیتا تھا۔

”مجھے میری بیوی گھر چاہیے۔ پھر یہاں سکون رہتا ہے۔“ طلال نے اپنے دل پر منہما کا ہاتھ رکھا تھا۔

”اب آتے گئی ہوں نا گھر۔“ منہما نے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

”کہنے کا مقصد تھا کہ جب میں آفس جاؤ تو آپ کہی میں چلی جائیں مگر میری واپسی پہ مجھے گھر نظر آیا کریں۔ مجھے اپنی زندگی ویران سی لگتی ہے گھرویران سادیکھ کے۔ میں نے اس گھر کی وحشتؤں اور ویرانوں کو سہا ہے۔ اب مزید سکت نہیں ہے۔ یہ آپ سے گزارش ہے ورنہ میں خود ہی اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ ”طلال نے آخری بات کی تھی تو اسکا ہجہ عجیب ہوا تھا۔

”اچھا بس بس۔ خدا خیر کرے اس گھر میں رونقیں یو نہیں بنی رہیں گی۔

آپ ہیں ناں سب ٹھیک ہے۔ ویسے بھی کل گھر میں شادی ہے سو کام کرنے ہیں۔ سو جائیں دونج رہے ہیں۔ ”منتہاب طلال سے دور ہوتی بیگ سے چیزیں نکال رہی تھی۔

”یاریہ باتیں میرے پاس رہ کے بھی ہو سکتی تھیں۔ ”طلال نے منہ بنائے کہا تھا۔

”طلال سو جائیں۔ ”منتہانے اسکو گھورا تھا۔

”ہاں بس طلال پہ حکم چلا یا کریں آپ۔ طلال یہ کرو طلال وہ کرو۔ ”طلال غصے سے کہتا بستر میں گھس گیا تھا۔ اور آنیہ کو پاس کر کے پیار کیا تھا جو برائے منہ بناتے نیند میں کسمسائی تھی۔

”طلال اگر آنیہ اٹھیں تو مجھے سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ ”اب کی منتہانے تھوڑا سا سیر لیں ہو کے دھمکی دی۔

”وہ ویسے بھی کوئی نہیں ہے مسز طلال۔ شب بخیر۔ ”طلال اپنے اندر کی کھولن اتارتا سائیڈ لیمپ آف کر گیا تھا۔ منتہاہنس کے رہ گئی تھی۔

عمر اپنے بیڈ پہ آڑھا تر چھالیٹا ہوا تھا۔ ایک سکون تھا جو اندر تک پھیلا ہوا تھا۔

دشمن جان کی تصاویر سے دل بہلارہا تھا۔ مومنہ کے پاس جانے کو اسکو تنگ کرنے کا دل بہت کر رہا تھا مگر لاست ٹائم جو ہوا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ پھر کوئی منہ ماری ہو۔ کچھ بھلا ہو

عمر صاحب کی زبان کا جو آتے ہوئے کہہ آیا تھا اب تبھی بات ہو گی جب اسکا دماغ
ٹھکانے لگا دے گا۔

مگر بات سکون کی تھی ایسے تھوڑا نا آنا تھا
”میں بر ملا اس چیز کا اظہار کرتا ہوں مومنہ اکرام میر اسکون ہوتم۔“ عمر نے دل سے کہا
تھا۔ اور پاس پڑا موبائل اٹھایا تھا۔

ہوم سکرین پہ ان دونوں کی ساتھی لگئی پک جگگار ہی تھی۔ جس میں مومنہ عمر کو گھور
رہی تھی اور وہ ہنس رہا تھا۔

”عمر کی چڑیل۔“ عمر نے مسیح ٹائپ کر کے ”مسنٹوبی“ کو سینڈ کیا تھا۔
نمبر اس نے مومنہ سے لڑائی کے بعد اپڈیٹ کر دیا تھا۔ عمر محسن کو کوئی سمجھ تھوڑی سکا
تھا۔ موبائل کی بپ بھی تھی۔ عمر کے ہونٹ مسکرا اٹھے تھے۔

”کیا تکلیف ہے۔“ مومنہ کا مسیح آیا تھا ساتھ ایک اینگری ایجو جی تھا۔

”میری چیتی۔“ عمر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”کوئی ایک ہو تو بتاؤ۔“ عمر نے سید ایجو جی کے ساتھ مسیح سینڈ کیا تھا۔ دل تو کر رہا تھا کہ مسیح
کے اینڈ پہ جانِ عمر بھی لکھ دے مگر اسکو ابھی اپنی جان پیاری تھی اسلئے شرافت کا مظاہرہ
کیا۔

”تو جا کے علاج کرو۔ یہ میرا نمبر ہے میں مینٹل ہا سپیٹل کا نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں مینٹل
ہا سپیٹل میں کام کرتی ہوں۔“ مومنہ نے بھی حساب بے باک کئے تھے۔

”واٹ۔ مینٹل ہا سپیٹل۔ کیا کروں میں اس لڑکی کا۔ کوئی نہیں جانِ عمر دیکھ لو نگا تمہیں
بھی۔ لگتا ہے ابھی موصوفہ تک نکاح کی خبر نہیں پہنچی۔“ عمر نے سوچا تھا۔

”وہ مجھے کہنا تھا کہ۔“ عمر نے اب سیر لیں ایجو جی کے ساتھ مسیح کیا تھا۔

دوسری طرف مومنہ بھی نرم پڑی تھی کہ شاید سوری کرنا ہو گا۔ مگر اکٹ تو میں بھی دیکھاؤں گی۔ آسانی سے نہیں مانوں گی۔

”کیا۔“ مومنہ نے تھوڑا سا سوچا تھا اور رپلانے کیا۔

”پنلی سی گلی، الجھا ہوا راستہ
چائے پلوادو اللہ کا واسطہ۔“

عمر نے ہستے ہوئے مسیح ٹائپ کر کے سینڈ کیا تھا۔

مومنہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عمر کا گلہ دبادے۔

”زہر پی لو۔ تم جیسے بندے سے تودل کرتا ہے کہ بندہ چائے میں چینی کی جگہ پوچھے آپکی چائے میں زہر کے کتنے چمچے۔“ مومنہ نے اب واں نوٹ سینڈ کیا تھا پی ہوئی سی آوازن کے عمر کے رگ و پا میں سکون اتراتھا۔

”زہر کی کیا ضرورت ہے تم اپنی ایک انگلی ڈال کے اس سے زیادہ زہر میلی کر سکتی ہو۔“ عمر کو نسامکم تھا۔

”تم خود ایک زہر میلی جانور ہو۔ گوریلا ہو تم خود۔ کرتے رہا ب مسیح میں بلاک کر رہی ہوں تھہیں۔“ مومنہ نے مسیح کرنے کے ساتھ ہی اسکو بلاک کیا تھا۔ عمر ہنستا ہوا سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔ اب اسکو نیند آجانی تھی۔

مُنتہا کی جب آنکھ کھلی تو طلال کمرے میں موجود نہیں تھا وہ بھی جلدی سے اٹھی تھی کیونکہ کام کافی نمٹانے تھے۔ خود فریش ہو کے آئی اور آنسیہ کو اٹھایا تھا۔ اسکو فریش کیا اور باہر نکلی تھی۔ رقیہ بیگم سے پتہ لگا کہ وہ جاچکا ہے۔

خود پہ غصہ آیا کہ لیٹ کیوں اٹھی۔ آنسیہ کو رقیہ بیگم کے پاس چھوڑ کے ناشتہ بنانے کی تھی تھی مومنہ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی تھی۔

”میں پوچھ سکتی ہوں آپ لوگ میرے ساتھ کیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ مومنہ نے اندر آتے دادی سے سوال کیا تھا۔

”ہم کیا کر رہے ہیں بھلا۔“ رقیہ بیگم انجان بنی تھی۔

” بتائیں اسکو زر۔ دیکھ لیں آپا کتنی زبان چلنے لگ گئی ہے اسکی۔ جب سے اسکو بتایا ہے کہ نکاح ہو رہا ہے تمہارا آج ایسے ہی غصے سے گھوم رہی ہے۔“ افشاں بھی اندر آتے بول رہی تھی۔

” تو یہ میرا حق ہے۔ میں بتا رہی ہوں مجھے یہ نکاح نہیں کرنا۔“ مومنہ نے کہا تھا۔

” اللہ معاف کرے کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹا۔ ایسی بے شکونی کی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔“

رقیہ بیگم نے اسکو ڈپٹا تھا۔

” اسکو بس مار کی کمی ہے۔“ افشاں بیگم بولی تھیں۔

” ایسے کیسے ہو سکتا ہے میرا نکاح ہے اور مجھے پتہ ہی نہیں ہے۔“ مومنہ نے پھر دہائی دی تھی۔

”اب پتہ چل گیا ہے نا۔“ مُنتہا نے ناشتہ لا کے رقیہ بیگم کے سامنے رکھا تھا اور آنسیہ کو گود میں لے کر ایگ کھلانے لگ گئی تھی۔

”اچھا میں بتانے آئی تھی میں زر امار کیٹ تک جا رہی ہوں اس سے پہلے میں عرفان بھائی کی طرف جاؤ گی۔ آپ تب تک اسکا دماغ ٹھیک کر دیں۔ ”افشاں نے رقیہ بیگم سے کہا تھا۔

”اچھا اچھا خیر سے جاؤ۔ میری بچی کو مت ڈانٹو۔ ”رقیہ بیگم نے مومنہ کو پیار سے ساتھ لگایا تھا۔ افشاں بیگم باہر نکل گئی تھی۔

”جلدی کرو تمہیں سیلوں بھی لے کے جانا ہے۔ ”منتہانے کہا تھا۔

”میں کہی نہیں جاؤ گی۔ میں بتارہی ہوں۔ ”مومنہ نے اوپھی آواز میں کہا تھا اندر آتے عمر نے بھی سنا تھا۔ مومنہ کی آواز سن کے سرشاری سی اسکے اندر دوڑی تھی۔ آج کتنے دنوں بعد اسکو دیکھے گا وہ سرشار اندر کی طرف بڑھ رہا تھا جب پیچھے سے عمیر اور عمیرہ بھاگتے اندر کی طرف گئے تھے۔

”آرام سے کیا ہو گیا ہے۔ ”عمر نے ان دونوں آفتوں کو کہا تھا۔

عمیرہ اب اپنا ڈوپٹہ کھول کے مومنہ کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

”کیا کر رہی ہو عمیرہ۔ ”مومنہ نے پوچھا تھا۔ باقی سب سمجھ کے ہنسنے لگ گئے تھے۔

”پردہ کروار ہے ہیں ہم دلہن صاحبہ آپکا۔ ”منتہا کی طرف سے جواب آیا تھا۔

”آپ کدھر آر ہے ہیں دلہن میاں۔ ”منتہانے اب عمر کو دیکھ کے پوچھا تھا۔

”کام سے آیا تھا پچھی۔ تم کیوں میرے آس پاس گھوم رہے ہو۔ ”عمر نے منتہا کو کہتے عمیر کو گھورا تھا جو اسکے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

”تاکہ آپ چالا کی دیکھا کے میری ہونے والی بھا بھی کارخ روشن نہ دیکھ لیں۔ آپ دونوں کا پردہ ہے اب سے۔ ”عمیر نے موقع کا فائدہ اٹھایا تھا۔

عمیر جھنجھلا اٹھا تھا مشکل سے آج دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ اب انکی ڈرامے بازی۔

”مجھے شوق بھی نہیں ہزار بار بار دیکھا ہوا بآسی رخ روشن دیکھنے کا۔“ عمر نے ناک سے کمھی اڑائی تھی۔ مومنہ کاغصے سے براحال ہوا تو اسنے رقیہ بیگم کو دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو دیکھا اسکی زبان کے جوہر۔

”میاں اپنی زبان پہ اب قائم رہنا۔ نکاح کے بعد بھی ملاقات کی ڈیماںڈ مت رکھنا۔“ منتها نے اسکو گھور تھا۔

عمر اب بلکل اسکے صوفے کے سامنے آکے بیٹھ گیا تھا جہاں دشمن جان رقیہ بیگم کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ رقیہ بیگم توصاف نظر آرہی تھیں مگر مومنہ کے سامنے عمریہ ڈوپٹہ کئے کھڑی تھی۔

”فی الحال تو میرا کسی ایسی فضول ڈیماںڈ کا موڈ نہیں اور اگر کی بھی تو مجبوری میں کروں گا۔ بھتی اب دیکھوں گا بھی تو کس دیوار کے ساتھ ساری عمر سر ٹکڑا انداز پڑے گا۔“ عمر نے ڈوپٹے کے پچھے موجود وجود پہ فوکس کرتے ہوئے کہا تھا مومنہ تو بلبلہ اٹھی تھی۔

”عمر محسن اگر تم چاہتے ہو ناں کہ تمہارا یہ خالی بھوسہ بھرا ہوا سر سلامت رہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں پھٹے سروالے دو لہے کے ساتھ ہر گز نکاح نہیں پڑھواوں گی۔“ مومنہ کہاں چپ رہنے والی تھی۔ وہ ڈوپٹہ پچھے کرنے کو اتنا ولی ہوئی مگر منتها اسکے سامنے آگئی تھی۔

سب کھکھلا کے ہنسے تھے اس سر عام عزت افزائی پہ عمر بلبلہ اٹھا تھا۔
مطلوب دو لہے کی کوئی عزت ہی نہیں تھی۔

”عمر تنگ نہ کرو میری بچی کو۔“ رقیہ بیگم نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”میں تنگ کر رہا ہوں آپکی زبان دراز بچی کو۔ اسکی زبان نہیں دیکھ رہی ہیں آپ۔“ عمر تنگ کے بولا تھا۔

”یہ گاڑی کی چابی دینے آیا تھا۔ کسی اچھے سیلوں لے جائیے گا تاکہ سیلوں والے مرمت کر کے اسکی شکل گزارے لائق بنادیں۔ زبان تو ہے، ہی لمبی شکل تو گزارے لائق ہو۔ ”عمر ٹیبل پہ چابی رکھتا جلدی سے نکلا تھا کہ کہی چڑیل واقعی، ہی سرنہ پھوڑ دے۔ اب تازہ تازہ رات کو بلاک ہوا تھا بوجھ و غصہ بھی تو زکالنا تھا نا۔

”عمر تم اب بچ کے رہنا مجھ سے۔ ”momne چیخنی تھی عمر مسرور ہوتا باہر نکل گیا تھا۔ ”momne وہ جان بوجھ کے تمہیں تنگ کرتا ہے میری جان۔ ”منتها اسکی لال بھبھو کا ہوتی صورت کو دیکھ کے بولی تھی۔

”وہ مجھے بیو توف اور پتہ نہیں کیا کیا سمجھتا ہے آپ نے دیکھاناں ابھی۔ ”momne روہانی ہوئی۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہے اٹھو جلدی سے ہمیں سیلوں جانا ہے۔ اچھا اچھا تیار ہونا دیکھنا پھر نکاح کے بعد کیسے تمہارے آگے پچھے گھومے گا۔ ”منتها نے رازداری سے اسکے کان میں کہا تھا۔

”کیا واقعی، ہی۔ ”momne نے تصدیق چاہی منتها نے ہنسنے ہوئے سر ہلایا۔

”جیسے طلال چاچو آپکے پچھے گھومتے ہیں۔ ”momne نے اب ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”momne۔ ”منتها نے بلش ہوتے momne کو ٹوٹ کا تھا۔

گھر میں افراتفری کا ماحول تھا۔ momne سیلوں سے واپس آگئی تھی۔ عمیر اور عمیرہ منتها کی ہدایات پہ اکرام صاحب کا پورشن ڈیکوریٹ کر رہے تھے۔ کیونکہ نکاح کی رسم وہی ہونی تھی۔ ڈیکوریشن فیری لائسنس، پھولوں اور پنک اور واتٹ گلر کے کپڑے سے ہو رہی تھی۔ منتها اس کام کے ساتھ ساتھ کچن میں افشاں بیگم کے مدد کروارہی تھی۔ زیادہ کھانا

تو باہر سے ہی آرڈر کیا تھا کچھ ڈشزگھر بنی تھی جس میں سب نے منتہا سے کھیر کی فرماش کی تھی۔ جو وہ بnar، ہی تھی۔

آنیے ماں کی گود میں چڑھی ہوئی تھی۔

طلال اندر دا خل ہوا تھا منتہا کی گود میں کھیلتی بیٹی کو دیکھ کے اندر تک سکون اتراتھا۔ منتہا گھر بیلو حلیے میں بھی اسکے دل کے تار چھیڑ گئی تھی۔

بالوں کی چُلیا کمرپہ جھول رہی تھی۔ طلال دل سنبھالتا آگے بڑھ تھا۔

”اسلام علیکم۔“ بلند آواز میں سلام کہتے منتہا کو اپنی خوشبو کے حصار میں کیا تھا۔ ”و علیکم اسلام۔“ منتہا کا دل دھڑکا تھا۔

”بابا۔۔۔ بابا۔“ آنیے نے بات کو دیکھ کے شور ڈال دیا تھا۔ طلال نے ہنسنے ہوئے اسکو پکڑا تھا۔

”بابا کی جان۔“ اسکے گال پہ پیارا کیا تھا۔

منتہا تھوڑا آگے بڑھی دیوار پہ فیری لائیس لٹکاتے عمر اور عمرہ کا پاس گئی تھی۔

”اس لائٹ کو دائیں طرف کرو زر اعمیر۔ عمرہ تم دھیان سے۔ بھائی کر لے گا چوٹ نہ لگو الینا تم۔“ منتہا ان دونوں کو ہدایت کر رہی تھی۔ جب طلال بلکل ساتھ آکے کھڑا ہوا تھا۔

”آپ چلیں گھر فریش ہوں جا کے میں آکے کھانا دیتی ہوں۔“ منتہا نے ایک نظر طلال پہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کے ساتھ ہی جاؤں گا۔ آپ اپنا ختم کر لے پہلے۔“ طلال نے اس پہ نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

”میں بس تھوڑی دیر میں فارغ ہو جاؤں گی۔ آپ صبح بھی ناشستہ کئے بغیر آفس چلے گئے تھے۔“ منتہا نے یاد آنے پہ اسکی طرف مڑ کے کہا تھا۔

آنیہ اب نچے اتر کے چیزوں کا معاشرہ کم تباہ کرنے کا زیادہ ارادہ رکھتی تھی۔

”آپ نے مس کیا تھا کیا۔“ طلال نے الٹا جواب دیا تھا۔

”جو پوچھا جائے وہی بتایا کریں۔“ منتها نے اسکو گھورا تھا۔

”کام تھا زیادہ آج تو اسلئے بیوی کے ہاتھ کا ناشستہ کتنے بغیر جانا پڑا۔ کچھ آفیشل ورک تھا اور کچھ آکے انتظامات بھی دیکھنے تھے۔ عمر تو ابھی بھی بزی ہے اسے مجھے گھر بھیج دیا ہے زبردستی۔“ طلال نے اسکو تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔

”عمر کے لیے اچھا ہے کہ وہ ٹائم پہ ہی گھر آئے ورنہ جو وہ صحیح کر کے گیا ہے ناں مومنہ نے اسکو سر پھوڑ دینا ہے۔“ منتها نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”اب کیا کر دیا میرے معصوم بچے نے۔“ طلال نے اسکی سائیڈلی۔

”ایک آپ معصوم ایک آپ کا بھتیجا معصوم۔ بہت تنگ کرتا ہے عمر ویسے مومنہ کو۔“ منتها نے کہتے ہوئے آخر میں عمر کی شکایت کی تھی۔

”وہ بہت سمجھدار ہے بس مومنہ کے ساتھ مسٹی کرتا ہے۔ نکاح ہو جائے سب ٹھیک ہو

جائے گا ان شا اللہ۔ اور ویسے بھی اگر میں آپکو تنگ نہیں کرتا تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ کوئی

بھی کسی کو تنگ نہیں کرتا۔ میں واقعی ہی معصوم ہوں۔“ طلال نے اب اپنا تذکرہ کیا تھا۔

”جی جی میں کچھ کہا ہے بھلا۔“ منتها نے کہتے ہوئے نظر وں کا زاویہ بدلا تھا۔ طلال کھل کے ہنسا تھا۔

”چلیں جائیں ریسٹ کریں جا کے تھوڑا۔ پھر تھوڑی دیر میں گیسٹ آنے لگ جائیں گے۔“ منتها نے طلال کی گھری جائزہ لیتی نظر وں سے عاجز آتے کہا تھا۔

”جارہا ہوں۔ جلدی آنا آپ بھی۔ وہ کیا ہے ناں کہ میرا دل نہیں لگتا آپکے بغیر۔“ طلال کی طرف سے پہلی مرتبہ واضح اظہار آیا تھا الفاظ کی صورت میں۔

منتها کا دل یکبارگی سے دھڑکا تھا۔ طلال نرمی سے ہاتھ کے انگوٹھے سے اسکا گال سہلا تا باہر نکل گیا تھا۔ مقابل کا چہرہ یوں سرخ پڑا گویا جسم کا سارا خون چہرے پہ سمٹ آیا ہو۔

گھڑی نے سات بجاء یئے تھے گھر میں مہمان کی چہل پہل تھی۔ فنکشن چھوٹے پیانے پہ مگر پھر بھی خاصی گہما گہی تھی۔ عمر تھوڑی دیر پہلے گھر آیا تھا۔ منتها اسکوڈا نٹی ہوئی تیار ہونے کا کہہ کے مومنہ کو دیکھنے کی تھی۔ وہ بھی ویسے ہی بیٹھی تھی۔ اب اسکوڈا نٹ کے کپڑے تبدیل کرنے بھیجا تھا جو جوڑا عاصمہ بیگم نے اسکو دیا تھا۔ لائٹ سانکاچ کی تقریب کے حساب سے تیار کرنے کے وہ اب آنیہ کی تلاش میں نکلی تھی۔

”ماشاء اللہ ماشاء اللہ میرا جانور یڈی ہو گیا ہے۔“ منتها نچے آئی تو آنیہ کو دیکھا تھا جسکو عمرہ نے تیار کیا تھا۔ افشاں بیگم آنیہ کو کپڑے پیار کر رہی تھیں۔

”چلیں یہ بھی تیار ہو گئی تھیں کو سوچ عمرہ چند۔ آپ بھی بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ منتها نے اسکو ساتھ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

”اب تم بھی جا کے تیار ہو جاؤ۔ جلدی کرو۔“ رقیہ بیگم نے اب منتها کو کہا تھا۔ ”جی میں جارہی ہوں بس۔“ منتها کہتی عجلت میں باہر نکلی تھی۔

جو مہمان آئے تھے وہ ڈرامینگ روم میں تھے۔

”میرے میاں پتہ نہیں تیار ہوئے ہو نگے یا نہیں۔ حالانکہ سب ریڈی کر کے رکھا ہوا تھا۔“ منتها بڑھاتی میں ڈور کھول کے اپنے پورش میں داخل ہوئی تھی جہاں خاموشی کا راج تھا۔

کمرے میں گئی تو کمرہ خالی تھا۔ البتہ طلال کے لیے نکالا گیا سوت نہیں تھا وہاں تو مطلب وہ تیار ہو گئے ہیں مگر بیڈ پہ ایک ڈریس پہ نظر پڑی تھی۔

گولڈن کلر کافل ایم برائٹ شارٹ فر اک ساتھ ٹر او زر تھا جس کے ساتھ سرخ کلر کا ڈوپٹہ
تھا۔

اس کا صاف مطلب تھا کہ یہ ڈریں پہنا جائے۔ مرتباً مزید وقت ضائع کئے بغیر وہ ڈریں لے
کے واش روم میں گئی تھی۔ بیس منٹ میں وہ بلکل تیار تھی پلے پھلکے میک اپ کے ساتھ۔
مرتباً جب تیار ہو کے واپس گئی تو مہماں آپکے تھے سب سے ملی اور مہماں نوازی کے
فرائض نبھا رہی تھی۔

”لڑکے والے کب تک آئنگے۔“ کسی خاتون نے پوچھا تھا۔

”بس آتے ہونگے۔“ رقیہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”طلال نے آج پارٹی بدل لئی ہے۔“ افشاں بیگم نے کہا تھا۔

تبھی شوراٹھا تھا عمير آگے آگے تھا جو شور کرتا ہوا اندر آ رہا تھا۔

خوشیوں کا سیلا بامڈ آیا تھا۔ چھوٹا سا قافلہ جب اکرام صاحب کے پورشن میں داخل ہوا
تھا۔

پھولوں سے استقبال کیا گیا تھا۔ طلال کی ساتھ عمر نے اکرام صاحب کی دہلیز پہ قدم رکھا
تھا دل تو آج خدا کے حضور سجدہ ریز ہوا جا رہا تھا۔

محبت کو پالینا کوئی چھوٹی بات تھوڑی ہے۔ وہ بھی جس محبت کو پاک رکھا ہو۔ محبت تو وہی
ہوتی ہے جو پاک ہو۔ پھر جب وہ محبت نکاح کے رشتے میں بندھ کے معتبر اور محروم ہو
جائے تو کیا ہی بات ہے۔

عمر نے وائٹ سوٹ پہ واسکٹ پہنی ہوئی تھی چہرہ پہ ہلکی ہلکی شیوا سکو سب سے منفرد بنا
رہی تھی کچھ چہرے پہ خوشی کے رنگ۔

طلال نے بھی وائٹ کرتا پہنا ہوا تھا۔ بازو پہ حسب عادت گھڑی پہنے۔ گھڑی مغرورنک چہرے پہ مخصوص رعب و سنجیدگی جو مقابل کو دیوانہ بنادیتی تھی ماتھے پہ پڑے بال۔ منتہانے دور سے مکمل جائزہ لے ڈالا تھا۔

سب آگے بڑھ گئے تھے طلال نے منتہا کے پاس سے گزرتے اسکو دیکھتے ہوئے ایک آنکھ دبائی تھی۔ اور چہرے پہ آئی مسکراہٹ دباتا آگے بڑھ گیا تھا۔ منتہا ہوش میں آئی تھی اور شرمندگی سے ارد گرد دیکھا تھا کہ کوئی متوجہ تو نہیں۔

نکاح کا وقت ہوا تو طلال نے مومنہ کا بھائی، دوست اور چاچو ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے اسکو سائنس کرتے ہوئے رونے سے چپ کر دیا تھا۔

طلال ساری تقریب میں منتہا سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ اب بھی وہ منتہا کے پاس کھڑا تھا۔

”یہ جو حرکتیں آپ کر رہے ہیں ناں اچھی نہیں ہیں۔“ منتہا نے رقیہ بیگم کی بات کا جواب دینے کے بعد ساتھ کھڑے طلال کو لٹھاڑا تھا۔

”میں صرف دیکھنے پہ اکتفا کر رہا ہوں۔ کوئی فضول حرکت نہیں کی میں نے۔“ طلال کو خاک اثر ہونا تھا۔

”ٹوٹا مینا کی جوڑی ادھر آئے زرا۔“ عمر کو یوں بیٹھنے سے کوفت ہوئی تو ان دونوں کو آواز دی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے اب تمہیں۔ دو منٹ بات بھی نہیں کرنے دے رہے مجھے میری بیوی سے۔“ طلال چڑا تھا اور منتہا کی پیچھے گیا تھا جواب عمر کے پاس جا کے بیٹھ گئی تھی۔

”مسلسل دو گھنٹوں سے آپ میری پچھی کوتاڑ رہیں ہیں۔“ عمر نے اسکی شرافت کو بھانڈا پھوڑا تھا۔

”تم سے مطلب بیوی ہے میری۔“ طلال نے ناگواری سے عمر کو دیکھا تھا۔

”اچھا سب چھوڑیں مجھے ایک بات تو بتائیں۔ یہ ایمر جنسی نکاح کیوں رکھوا یا گیا۔“ منہما نے کل کا ذہن میں کھلبی مچاتا سوال پھر پوچھا تھا۔ طلال نہیں چھپانے کو منہ دوسری طرف کر گیا تھا۔

”یہ سب آپ کی بدولت ہوا ہے۔ آپ مھاں ہستی ہیں پچھی۔“ عمر پوری فارم میں تھا۔
”اف بتابھی دو۔“ منہما چڑی تھی۔

”میں زرا اپنے سالے صاحب سے مل کے آیا۔“ عمر نے کھسک جانے میں عافیت سمجھی تھی۔

”تمہارا کونسا سالا ہے۔ گھوم گئے ہو کیا مومنہ کا کوئی بھائی نہیں ہے۔“ منہما نے اسکی عقل پہ ماتم کیا تھا۔

”ارے ارے۔ آپ کو نہیں معلوم۔ علی بھائی مومنہ کا اصلی بھائی ہے۔ تو میر اسالا ہوا۔ یو گائز کینٹینو میں آیا۔“ عمر انکو کہتا آگے بڑھا تھا۔

” بتائے آپ ہی طلال۔“ منہما نے طلال کا نام لیا تو منہما کا دل دھڑک گیا تھا۔ طلال نے ایک گھری نظر سے اسکو دیکھا تھا۔

تیری قسم دے کر مجھے
لوگ اپنی بات منوالیتے ہیں

طلال نے جاذب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
منہما ایک منٹ ضائع کئے بغیر اسکی نظروں کی گستاخیوں سے بچتے وہاں سے اٹھی تھی۔
”بس اتنی سی ہمت ہوتی ہے آپ میں مسز طلال۔ میری آنکھوں میں بھی نہیں دیکھ سکتی آپ۔“ طلال بڑھا کے رہ گیا تھا۔

نوبے تک مہمان کھانا کھا کے جا چکے تھے عمر منتہا کی ایک گھنٹے سے متین کر رہا ہے کہ اسکو مومنہ سے ملوایا جائے۔ مگر منتہا کا ایک ہی جواب تھا کہ نہیں۔
پھر اسے چاچو کی سفارش کروائی تھی۔ جو اسکے کام آئی تھی۔

”صرف پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس مجھے پتہ ہے میں اسکو کیسے راضی کیا ہے۔ اگر الٹی سیدھی بات کی تو تمہارے منہ کی پلاسٹک سرجری کروانی پڑے کی میں پہلے ہی بتا رہی ہوں۔ اب اگر اسکو ملنے کا رسک لینے ہے تو لے لو۔ ”منتہا نے اسکو مومنہ کے غصے کا گراف بتایا تھا۔

”منظور ہے اسکو شانت کرنا جانتا ہوں میں۔ ”عمر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔
”بھاگواب وہ لان میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ”منتہا نے عمر کو بتایا تھا۔ عمر سرشار سے باہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ باہر نکلا تو سامنے ہی دشمن جان نکاح کے آف وائٹ نفیس جوڑے میں ملبوس بیٹھی نظر آئی تھی۔

”مسن عمر۔ آپ کا میری زندگی میں آنامبارک ہو۔ ”عمر نے اسکے پاس جا کے سر گوشی کی تھی۔

مسن عمر سن کے مومنہ کا دل دھڑکا تھا۔ حیا سے پلکیں بو جھل ہوئی تھیں تو دل خدا کا شکر بجالا یا تھا۔ مگر تھوڑی دیر بعد سب جذبات پہ غصہ حاوی ہوا تھا۔

”خوشی سے دماغ تو نہیں چل گیا۔ اتنی خاموشی زوجہ محترمہ۔ ”عمر اسکا منہ پہ آیا ہوا دُوپٹہ پیچھے کرتے بولا تھا۔

”ہٹو۔ ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔ زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ”مومنہ پھٹی تھی۔ اور اسکا ہاتھ پیچھے کرنا چاہا تھا۔ مومنہ کا احتجاج کرتا ہاتھ نرمی سے پکڑتا وہ لبوں سے لگا گیا تھا۔

آج پہلی بار وہ اسکو چھورا تھا۔ محرم بن کے۔

مومنہ تو سن ہو گئی تھی۔ اسکے رخسار سرخ پڑے تھے عمر صدقے داری جاتا تھوڑا سا دور ہو کے بیٹھا تھا۔

”تم ایک نہایت فضول انسان ہو۔“ مومنہ سے جو بن پایا وہ بولی تھی۔

”اس فضول انسان کے ساتھ پوری زندگی گزارنی ہے آپ نے اب زوجہ محترمہ۔“ عمر نے اسکو پر شوق نظر وں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”دیکھو غور سے دیکھو میں شکل۔“ مومنہ اب شرم و حیا بلائے طاق رکھتی میدان میں کوڈی تھی۔

”دیکھو ہی تو رہا ہوں۔ اف یہ کم بخت دل۔۔۔ گھائل کر رہی ہو تم اس دل کو۔“ عمر دل پہ ہاتھ رکھتے اسکے تپے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”خبردار جو میرے ساتھ فلرٹ کرنے کی کوشش بھی کی توجان لے لو گی میں۔“ صبح تک یہ شکل تمہیں گزارے لا کچ نہیں لگ رہی تھی اب آگئے ہو تعریفیں کرنے۔ تم ہو، ہی جھوٹ۔ ”مومنہ کو صبح والی بات کہاں بھولنی تھی اتنی جلدی۔

”ایک گھنٹہ پہلے نکاح ہوا ہے ہمارا اور تم کہہ رہی ہو کہ میں تم سے فلرٹ کر رہا ہوں۔ مومنہ کیا بنے گا میرا تمہارے پاس تو دماغ بھی نہیں ہے۔“ عمر مصنوعی انداز میں افسوس کرتا اسکو اور تپاگیا تھا۔

”عمر محسن تم ایک نہایت فضول انسان ہو۔ میری قسمت بری جو تمہارے ساتھ پھوٹ گئی ہے۔ کوشش کرنا میرے سامنے کم کم آیا کرو اگر اپنا منہ سلامت چاہتے ہو۔“ مومنہ غصے سے کہتی اٹھی تھی۔

”اے ارے جانِ عمر غصہ کیوں کرتی ہو۔ بیٹھوادھرا بھی تو میں نے تمہیں دیکھا بھی نہیں۔ ”عمر اسکو ساتھ بیٹھتا اسکے ہاتھ سے موبائل پکڑ چکا تھا۔ کیونکہ اب اپنا نمبر ان بلاک بھی کرنا تھا اب بیوی سے بات کئے بغیر اسکو چین تھوڑی آیا کرنا تھا۔

”میں صرف یہاں ماما اور بھا بھی کے کہنے پہ آئی ہوں جو کہنا ہے جلدی کہو۔ ”momne احسان کرتے بیٹھ گئی تھی اس امید سے کہ شاید اب اپنے رویے پہ معدرت کر کے اظہار کر دے۔ مگر عمر اپنا کام کر رہا تھا momne اندھیرے میں گھورتی اسکے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دیر اسکے بولنے کا انتظار کرتی رہی وہ بولانہ تھا تو کوفت سے اٹھی تھی۔

”اگر کچھ نہیں کہنا تو مجھے کیوں بلا یا تھا۔ ”momne چھپنی تھی۔ عمر ہنستا اسکے مقابل کھڑا ہوا تھا اور نامحسوس انداز میں اپنے ہاتھ میں پکڑا موبائل اسکو تھما یا تھا کہ اسکو محسوس نہ ہوا تھا۔

”سنو پھر۔ ”عمر فاصلہ مٹاتا اسکے پاس گیا تھا۔ momne نے ایک نظر اسکی آنکھوں میں دیکھا مگر اگلے ہی سینکڑوہ نظر میں جھکا گئی تھی۔ عمر دل و جان سے اس اداپہ فدا ہوا تھا۔

”سنو

تم میری چائے کا وہ آخری گھونٹ ہو جو
کسی کو لا کھا مانگنے پہ بھی نہ دوں۔ ”

عمر نے کہا تھا۔ momne تو سلگ کے رہ گئی تھی۔

”بھاڑ میں جھونک دینی ہے میں نے تمہاری چائے سن لو تم عمر محسن۔ ”momne اسکو پیچھے کرتے ہوئے تڑخ کے بولی تھی۔

”تم کسی ڈھا بے والی سے شادی کرتے تاکہ وہ تمہیں صحیح شام چائے سے غرارے کرواتی چائے چائے۔ ”momne اسکو گھورتی وہاں سے ہٹی تھی۔

عمر اسکا غصیلی روپ آنکھوں کے راستے دل میں اتارتام سرور ہو رہا تھا۔

جب منتها گھر آئی تو آنیہ سو گئی تھی۔ یقیناً طلال نے سلا یا تھا اسکو۔ کیونکہ منتها کاموں میں لگی ہوئی تھی۔ طلال اتنی فیور تو منتها کے ساتھ کرتا رہتا تھا۔

”سو گئی آنیہ۔ چلیں میں چنج کر کے آتی ہوں۔“ منتها نے کہتے ہوئے واش روم کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

”ارے کدھر کدھر۔ ابھی تو میں نے ٹھیک سے آپ کو دیکھا بھی نہیں۔“ طلال نے جلدی سے اسکار استہ روا کا تھا۔

”خدا کو مانے طلال۔ مجھے تو جیسے پتہ نہیں تھا مجھے کون کون دیکھ رہا تھا۔ اب ہمیں سامنے سے۔“ منتها بے جھجھکتے ہوئے کہا تھا۔

”کون کون دیکھ رہا تھا۔ میرے سوا کوئی دیکھ کے تو دیکھائے آپکو۔“ طلال نے بات کرتے منتها کو ایک گھوری سے نوازا تھا۔

”افوہ بات کہاں لے جاتے ہیں آپ۔ چلیں اب ہمیں پچھے۔“ منتها نے اسکے حصار سے نکل کے جانا چاہا تھا۔

”بہت پیاری لگ رہی تھیں آپ آج۔ کبھی کبھار عامرو ٹین میں بھی ہلاکا پھلکا تیار ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے ویسے۔ آفس سے تھکے ہارے انسان کو ایسی خوشیاں دیتے رہنا چاہیے اچھی بیوی کو۔“ طلال نے اسکی تعریف کرنے کے ساتھ فرمائش بھی کر ڈالی تھی۔ منتها کے دل اس فرمائش پہ جھوم اٹھا تھا۔

”ابھی توجانے دیں نا۔ میں بہت ان ایزی فیل کر رہی ہوں ان کپڑوں میں۔“ منتها نے منت کی۔

”اوے۔“ طلال ہستا ہوا بولا اور اپنی جگہ پہ لیٹ گیا تھا۔ تھکاوت سے براحال تھا منتها کا انتظار کرتے کرتے نیند اس پہ حاوی ہو گئی تھی۔

رات کا پچھلا پھر تھا جب اسکو نیند میں کسی کے چیخنے کا احساس ہوا تھا۔ ذہن تھوڑا سا بیدار ہوا اور نیند کم ہوئی تو چیخ کی آواز قریب سے آتی محسوس ہوئی تھی طلال اب ہٹ بڑا اٹھا تھا۔ آنکھیں کھولی تو متہا سائیڈ لیمپ جلانے بیڈ پر بیٹھی نظر آئی تھی۔

”متہا۔“ طلال نے اسکو پکارا تھا۔ یقیناً وہ چیخنی تھی۔ ابھی بھی وہ ڈری سہی ہوئی بیٹھی تھی۔ متہا نے ڈرتے ہوئے طلال کو ایک نظر دیکھا تھا اور جھٹ سے رخ بدل گئی تھی۔ طلال کو شدت سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وہ اپنی سائیڈ سے اٹھتا متہا کے پاس آیا تھا۔

”متہا کیا ہوا ہے۔“ اسکے پاس جگہ بنائے کے بیٹھتے ہوئے طلال نے اسکا ہاتھ پکڑا تھا مگر متہا نے جلدی سے اپنے ہاتھ پیچھے کئے تھے۔

طلال نے اسکو حرکت پر متہا کو گھورا تھا مگر وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ طلال اس حرکت پر باز پرس کرتا حالانکہ متہا کی یہ حرکت طلال کو سخت ناگوار گزرا تھی۔

”متہا۔ بتائیں مجھے کیا ہوا ہے۔ شتابش۔ کوئی خواب دیکھا ہے کیا۔“ طلال اب نرمی اور فکر سے پوچھتا ہوا دونوں ہاتھوں سے اسکا چہرہ تھام چکا تھا۔ متہا نے بے بسی سے اسکی طرف دیکھا تھا آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔ طلال کو یقین ہوا وہ کسی خواب کے زیر اثر چیخ کے اٹھی ہے اسکو سب سے پہلے نارمل کرنا اہم تھا۔

”طل۔ طلال۔“ متہا منمنائی تھے ایک آنسو ٹوٹ کے بہا تھا اور طلال کے ہاتھ کی پشت پر گرتا ہوا غائب ہو گیا تھا۔ طلال کا دل کٹا تھا۔

”دیکھیں سب ٹھیک ہے۔ آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے۔“ طلال نے اسکو کمرٹ کرنے کی کوشش کی۔

”وہ خواب۔۔ برخواب تھا بہت۔“ متہا کھوئی سی کیفیت میں بولی تھی جیسے خود کو یقین دلار ہی ہو۔

”برے خواب کو یاد نہیں رکھنا چاہیے۔“ طلال نے اسکے آنسو صاف کرنے تھے۔

”طلال۔۔۔ وہ میں نے خواب دیکھا۔۔۔ آپ مجھ پر چیخ رہے تھے۔۔۔“ منتها نے کہتے ہوئے سسکی لی تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے دیکھیں میں آپ کے پاس بیٹھا ہوں۔ بلکل بھی چیخ نہیں رہا۔“ طلال نے اچھنے سے اسکا خواب سن کے کہا تھا۔

”کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا۔۔۔ کچھ بھی۔۔۔ میں جتنی کوشش کرتی ہوں کہ سب بھول جاؤں آگے بڑھ جاؤں میں پھر بھی نہیں آگے بڑھ پاتی۔۔۔

مم۔۔۔ مجھے لگتا ہے آپ بھی بدل جائیں گے جیسے وہ بدالے گے تھے سب بدل گئے تھے۔۔۔ ”منتها نے سسکی بھری تھی اور کچھ ٹائم کو چپ ہوئی تھی۔۔۔ منتها نے آب طلال کی شرط کو مٹھیوں میں بھینچا تھا۔ طلال اسکو بغور سن رہا تھا۔ وہ چاہ رہا تھا کہ وہ جو بھی محسوس کر رہی ہے اسکو کھل کر بتا دے۔

”میں آپ کے آنکھوں میں نظر آتے رنگ دیکھ سکتی ہوں۔۔۔ سمجھتی ہوں سب مگر میں کیا کروں۔ مجھے ایک عجیب سادھڑ کا لگارہتا ہے کہ آپ بھی مجھ پر چیخنے گے۔۔۔ اور گھر سے نکال دینے گے۔

میں ٹھیک بیچ نہیں ہوں آپ کے لیے۔۔۔ سب بدل جاتے ہیں آپ بھی مجھے اپنی توجہ اور چاہت کا عادی بننا کے کچھ عرصے بعد بدل جائیں گے۔ آپ ابھی چلے جائیں۔۔۔ ”منتها روتے ہوئی نڈھال ہوتی سرا سکے کندھے پر ٹکائی تھی۔ طلال اسکی ادا پہ مسکرا لٹھا تھا۔ جو اسکو جانے کا کہتی ہوئی پناہ بھی اس میں ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ اسکا ڈر سمجھ رہا تھا۔ وہ شروع دن سے ہی اسکا اعتماد بحال کر رہا تھا۔ وہ رشتے کے ٹوٹنا کا دکھ سہہ چکی تھی۔ رشتہ تو وہ بھی محروم کا ہی تھا۔ مگر کیا حاصل ہوا آخر میں وہ بے مول ہوئی اسکو دولت کے ترازو میں تولا گیا۔

وہ غلط نہیں تھی نہ اسکا ڈر غلط تھا وہ پہلے آزمائش سے گزری تھی اب مزید آزمائشوں کی سکت نہیں رکھتی تھی اب تو طلال کا ساتھ دل بھی بند ہنے لگ گیا تھا۔

جب وہ واش روم سے واپس آئی تو طلال سو گیا تھا اسکو دیکھتے دیکھتے روتے ہوئی سوئی تھی تو وہی سوچیں اسکو خواب کی صورت میں لرزائی تھیں۔ وہ آگے بڑھنا چاہتی تھی مگر اسکے ڈر مرد کی ذات پہ اعتماد کرنا ڈر ادیتا تھا۔ کیونکہ دھوکہ تو پہلے بھی محروم کی طرف سے مل چکا تھا۔

”بس بس۔۔۔ خبردار جو مزید ایک آنسو بھی بہاتو۔ ادھر دیکھیں میری طرف۔“ طلال نے اسکو سیدھا کرتے ہوئے اپنے سامنے کیا تھا۔

آنکھیں کچھ نیند اور رونے کی وجہ سے سو جھ چکی تھیں۔ بکھرے بال، کچھ نیند کے خمار سے سرخ ہوتی آنکھیں، سرخ ہونٹ اور چہرے پہ بکھریں معصومیت اسکا ایمان ڈگنگا نے کو کافی تھی مگر طلال کو ابھی خود پہ قابو پانا تھا اسکا اعتماد بحال کرنا تھا۔ تاکہ آگے کے مراحل آسان ہو سکیں۔

”میں چہرے پہ آپکو سکون اور اطمینان نظر آرہا ہے؟؟ بتائیں۔“ طلال نے منہما کو اپنی جانب متوجہ کرتے پوچھا تھا۔ منہما نے تھوڑی دیر اسکے چہرے کا جائزہ لینے کے بعد ہاں میں سر ہلا کیا تھا۔ طلال کے چہرے پہ اب ہمہ وقت ایک نرم ساتا ثرہتا تھا جو شادی کے اوائل دنوں میں منہما نے نہیں دیکھا تھا۔

طلال ہلکے سے ہنسا تھا۔

”یہ سکون، اطمینان اور خوشی آپکی بدولت ہے۔ تو کیا کوئی شخص اپنے سکون، اطمینان اور خوشی سے منہ موڑ سکتا ہے کیا؟“ طلال نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسکو اپنے سحر میں جکڑتے ہوئے پوچھا تھا۔ منہما نے نفی میں سر ہلا کیا تھا۔ طلال نے ہستے ہوئے اسکا ہاتھ اپنے لبوں سے لگایا تھا منہما اسکے پر حدت لمس پہ کپکپا اٹھی تھی۔

”مجھے بھی اپنی خوشی اور سکون بہت عزیز ہے۔ آخری دم تک اپنی خوشی اور سکون کو بہت عزت اور چاہت سے اپنے دل اور آنکھوں کے قریب محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ مگر میری اولین خواہش ہے کہ میرا ساتھی بھی میرے ساتھ میں وہی فخر اور سکون محسوس کرے جو میں اسکی موجودگی میں کرتا ہوں۔ ”طلال اسکو محبت کے منتر سمجھا رہا تھا۔ جس میں عزت سب سے اوپر تھی۔

”اور جس دن مجھے آپ میں ہمارے رشتے کو لے کے وہ اعتماد نظر آگیا تو۔۔۔ ”طلال کہتے ہوئے رکا تھا۔

”تو۔۔۔ ”منتها م بخود ہو کے اسکو سن رہی تھی اسکے ’تو‘ پہ ایک لحظے کو منتها کا سانس رکا تھا۔ ”تو میں ایک منٹ بھی آپکو نہیں دونگا آپکی من مانی کا۔ جتنی من مانیاں کرنی ہیں کر لیں۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ آپ میں وہ اعتماد مجھے جلد دیکھنے کو ملنے والا ہے۔ ”طلال نے اعتماد سے کہتے ہوئے اس پری پیکر کو دیکھا تھا جو اسکی پناہوں میں اب پر سکون پیٹھی تھی۔

”سوری۔ میں نے آپکی نیند بھی خراب کی۔ آپ سو جائیں۔ ”منتها کو اب نزد کی کا خیال ہوا توبولی تھی۔

”میں اپنی ہزاروں نیندیں آپ پہ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ تف ہے مجھ پہ اگر میرے پہلو میں سوتی ہوتی میری بیوی بے سکون ہو۔ اگر میری بیوی بے سکون ہے تو میں کبھی پر سکون نہیں ہو سکتا۔ ”طلال نے کہتے ہوئے اسکے گال سہلائے تھے۔ جو سرخ ہو چکے تھے۔ طلال تھوڑا سا بیڈ پہ آگے ہوا تھا اور آنیہ کے باٹیں جانب جہاں وہ لیٹا ہوا تھا اپنا انکی اور کمر ٹرلگا کے اسکو محفوظ کیا تھا۔ پھر واپس وہاں آیا جہاں منتها کو سہارا دیئے بیٹھا تھا طلال نے اب بیڈ کے کرواؤن سے ٹیک لگائی تھی۔ منتها نے سوالیہ نظروں سے اسکی کارروائی کو دیکھا تھا۔

”ادھر آئیں اور پر سکون ہو کے سو جائیں۔“ طلال نے اسکو اپنا کندھا آفر کیا تھا۔

”نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ میں اب ٹھیک ہوں۔“ منتها نے انکار کیا تھا۔

”رات کے تین نج رہے ہیں تھوڑا ریست کریں پھر نماز کے لیے اٹھنا ہے۔ اور مجھے صحیح آفس بھی تو جانا ہے۔“ طلال نے اسکو ساتھ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

”زندگی مجھے پہلے کبھی اتنی دلکش اور آسان نہیں لگی تھی جتنی سہل اب لگتی ہے۔ میں بہت جلد اپنا کنٹرول کھو دیتا تھا۔ غصہ میری اعصاب پہ ہمہ تن چھایا رہتا تھا۔ مگر اب مشکل سے مشکل حالات میں بھی اب میں آؤٹ آف کنٹرول ہوئے بغیر مسائل حل کر لیتا ہوں۔ آپکو پتہ ہے زندگی کب آسان لگتی ہے جب اپنے ساتھی سے آپکو پوزیٹو انرجی ملتی ہے۔ جب آپکا ساتھی آپکو سپورٹ کرتا ہے سمجھتا ہے۔ آپکے گھر کو اپنا گھر سمجھتا ہے آپکی فیملی کو عزت دیتا ہے اور خوش رکھتا ہے۔ آپ میں وہ سب کو والٹیز ہیں جو ایک اچھے ساتھی میں ہونی چاہیے۔“ طلال اسکے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بول رہا تھا۔

وہ مزید بھی بولتا رہا پھر اچانک اسکو اپنے سینے پہ مدھم مدھم سی سانسوں کا احساس ہوا۔ وہ سوچکی تھی۔ طلال مسرور ہوتا اسکو اسکے تکیے پہ لیٹا چکا تھا۔ خود بھی اسکی طرف کروٹ لئے اسکو دیکھتے نیند کی وادی میں اترا تھا۔

صحیح طلال کی جب آنکھ کھولی تو پہلی نظر منتها پہ پڑی تھی جو اسکے پہلو میں سورہی تھی مگر اب بیچ ایک کشن پڑا ہوا تھا یہ کشن یہاں کیسے آیا؟ طلال کو ایک منٹ میں سمجھ آئی تھی کہ منتها کی ہی کارستانی تھی۔

”اسکی تو ایسی کی تیسی۔“ کشن کو غصے سے دور اچھا لاتھا۔

”اف یہ آپکے حفاظتی بند۔“ طلال اسکی پیشانی کو چھوٹے ہوئے بڑا بڑا یا تھا۔ اور اٹھ کے فریش ہونے چلا گیا تھا۔

عمر تھا ہاراً گھر آیا تو دل کے ساتھ ساتھ قدم بھی افشاں پچی کے پورش کی طرف بڑھ رہے تھے مگر دل پہ پتھر رکھتا وہ اپنے پورش کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اپنے پورش میں داخل ہوا تو سامنے ہی دشمن جانِ اپنی تمام تر رعنائیوں کی ساتھ تائی اماں کے ساتھ بیٹھی نظر آئی تھی۔

عمر کا دل بے اختیار کہہ اٹھا تھا۔۔۔ الحمد لله۔

”اسلام علیکم۔ محترمہ والدہ صاحبہ اور زوجہ محترمہ۔ ”عمر سلام کرتے مومنہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔

”چھپھورہ انسان۔ آنکھوں سے با تین کرتا ہے۔ نکاح کیا ہو گیا ہے فلرٹی ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ”مومنہ نے کڑھ کے سوچا تھا۔

”و علیکم اسلام میری جان۔ ”عاصمہ بیگم نے دونوں کی نظر اتارتے ہوئے کہا تھا۔

”ماما آپکافون آرہا ہے۔ ”عمیرہ کہتی موبائل لے کے لاونچ میں آئی تھی۔

”مومنہ جانا نہیں تم ابھی میں یہ کال سن کے آتی ہوں بس۔ ”عاصمہ بیگم کہتے اٹھ کے گئی تھیں۔

”سلام کا جواب واجب ہوتا ہے ہر مسلمان پہ۔ ”عمر ایزی ہو کے بیٹھا تھا اور صوفی کی پشت سے سر ٹکا کے مومنہ کے ڈوپٹہ سے اپنا منہ ڈھانپ گیا تھا۔

”و علیکم اسلام۔ ”مومنہ نے لٹھ مار انداز میں کہا تھا اور اپنا ڈوپٹہ کھینچا تھا۔

”میری جان کون کہے گا۔ جیسے مامانے بولا ہے ویسے بولو و علیکم اسلام میری جان۔ ”عمر نے اپنا قہقہہ کنٹرول کرتے فرما لش کی تھی۔

”شکل دیکھی ہے اپنی۔ ”مومنہ نے کہتے ہوئے اپنا ڈوپٹہ اپنے قبضے میں کیا تھا۔

”ہاں ماشاء اللہ سے بہت پیاری ہے۔ کرش ہے لڑکیوں کو مجھ پہ۔“ عمر نے کہتے ہوئے ڈوپٹہ پھر کھینچا تھا۔ اور منہ پہ لیتا آنکھیں موند گیا تھا۔

”تم زیادہ نہیں فری ہو رہے ہے۔ جاؤ انکے پاس جن کا کرش ہوتا۔“ مومنہ نے پھر اپنا ڈوپٹہ کھینچا تھا۔ عمر نے اب اسکو گھورا تھا۔

”خبردار اب ڈوپٹہ میرے منہ سے اتارا تو۔“ عمر نے اسکو گھورتے ہوئے وارن کیا تھا اور ڈوپٹہ منہ پہ لیتے پھر آنکھیں موند گیا تھا۔ مومنہ تو اسکے بدلتے تیور دیکھ دیکھ کے پا گل ہو رہی تھی دل الگ کھرام مچا رہا تھا۔ انا نے الگ اپنا حجہنڈ ابلند کیا ہوا تھا۔

”بولنا۔ چپ کیوں ہو۔“ عمر کی آواز نے خاموشی کو توڑا تھا جو ان دونوں کے درمیان در آئی تھی۔

”narاض ہے عمر کی چڑیل عمر سے ہے نا۔“ عمر نے کہتے ہوئے اسکے دل کے تار چھیڑ رکھتے۔ اور اسکا ہاتھ اپنی گرفت میں لیا تھا۔

”واہ واہ۔ یہاں تو لوگوں نے سین شروع کئے ہوئے ہیں۔“ عصیرہ کی انٹری پہ مومنہ بوکھلاتی اپنا ہاتھ چھڑائی تھی۔ اور اپنا ڈوپٹہ کھینچ کے اپنے گرد ٹھیک کیا تھا۔

”بہت ہی کوئی نامعقول انسان ہو تم عصیر۔“ عمر نے جھجھلاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ خاصا بد مزہ ہوا تھا۔

”آپ نے میری ٹھیکر کو یہاں قید کر کے بیٹھایا ہوا ہے مجھے پڑھنا ہے۔“ عصیر نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں ہاں چلو عمر۔“ مومنہ بوکھلاہٹ میں اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

”کدھر لے کے جانا ہے عمر کو۔“ عمر نے اسکی بوکھلاہٹ کو انجوائے کرتے ہوئے کہا تھا جو عصیر کی بجائے عمر بول گئی تھی۔

”میرا مطلب تھا عصیر۔“ مومنہ روہانی ہوئی۔

”عمر میں گھر جا رہی ہوں ادھر رہی آ جاؤ۔ میں اب وہاں رہی پڑھایا کروں گی تمہیں۔“ مومنہ نے جاتے ہوئے کہا تھا۔

”محترمہ یہی آپکا گھر ہے۔ دماغ میں ڈال لیں یہ بات۔“ عمر نے اسکو پچھے سے کہا تھا۔
”تم سے کون بات کر رہا ہے۔“ مومنہ نے غصے سے کہا تھا اور جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔

”اچھا نکاح کروا یا ہے میں نے تو یہ تواب بات بھی نہیں کرتی ڈھنگ سے۔ پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے۔“ عمر جھنجھلا کے رہ گیا تھا۔

”تو جناب بات چیت کے لیے جیب ڈھیلی کریں اپنی۔ زبان سے زہر کی بجائے محبت کے پھول بکھیریں نا۔“ عمر نے اپنے نایاب مشورے دیئے تھے۔ عمر نے اسکو گھورا تھا۔

یتیم کامال

یتیم کامال کھانا کیسا ہے؟

”جو لوگ ناحق ظالم سے یتیموں کامال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ رہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے۔“ (القرآن)

ہمارے معاشرے میں آج کل یتیم کامال کھایا جا رہا ہے بلا خوف و خطر۔ جو بچے بچپن میں یتیم ہو جاتے ہیں خاندان کے بڑے انکو اپنی زیر کفالت لیتے ہیں زمانے کی نظروں میں اچھے بنتے ہیں مگر اندر رہی اندر وہ بچوں کی جڑیں کاٹتے ہوئے کاغذات میں اتنی صفائی سے ردوبدل کر واڈیتے ہیں کہ جیسے یتیم کی وراشت کا حق بھی باپ ساتھ لے گیا ہو۔
ہم ایسا کرتے ہوئے بلکل نہیں ڈرتے۔ کوئی خوف نہیں ہوتا ہمیں بلکہ اگر کبھی ضمیر تھوڑا سا جاگ جائے تو خود کو ایسے دلائل سے بہلاتے ہیں۔

”کہ انکے نان و نفقة کا بوجھ بھی میرے کندھوں پر ہے۔“

”چھت میں دے رہا ہوں انکو۔“

”میری تربیت میں یہ سراٹھا کے جی سکے گا کل کو۔“

ہمارے ارد گرد ایسی کئی مثالیں ہمیں مل جائیں گی۔

ناحق کسی کامال کھانا ناجائز اور حرام ہے۔ ناحق مال کھانے والے کو قرآن و حدیث میں بہت سخت و عید سنائی گئی ہے۔۔ ایسے لوگ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔

ایک حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے دریافت کیا کہ: ”تم مفلس کس کو سمجھتے ہو؟“ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم اور دینار نہ ہوں، اور مال و اسباب نہ ہوں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن آئے اور اس نے نمازیں بھی پڑھی ہوں، اور روزے بھی رکھے ہوں، اور زکوٰۃ بھی دیتا رہا ہو، مگر اس کے ساتھ اس نے کسی کو گالی دی تھی، کسی پر تہمت لگائی تھی۔ کسی کا ناحق مال کھایا تھا، ناحق خون بھایا تھا، کسی کو مارا تھا، اب قیامت میں ایک اس کی یہ نیکی لے گیا اور دوسرا دوسرا نیکی لے گیا، یہاں تک کہ اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں، لیکن پھر بھی حق دار رج گئے، تو پھر باقی حق داروں کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ گناہوں میں ڈوب کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا، یہ ہے حقیقی مفلس۔“

اگر بچے چھوٹی عمر میں بیتیم ہو گئے ہیں تو بھی ہمارے اسلام میں انکے مال و دولت کی حفاظت کا کہا گیا تھا۔

”اور یتیمین کا امتحان لیتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں (ہر طرح کی) سمجھداری کی صلاحیت پاؤ تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو اور (اس خوف سے) ان کے مال کو فضول خرچی سے ضائع نہ کر دو کہ وہ بڑے ہو کر طلب کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔“

نہ صرف یہ بلکہ اس حفاظت پہ انعام کا ذکر بھی ہوا ہے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نبی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ (آپ نے اپنی 12 انگلیوں انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا)۔“ (بخاری)۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ خود کو جہنم کی آگ سے محفوظ کریں اپنی آخرت سنواریں ساری زندگی یہاں ہی بیٹھے نہیں رہنا ہم نے۔

ایک دن پلٹنا ہے اسکی رب کی طرف جس نے ہم پہ کچھ حد میں عائد کی ہیں۔ اور بلاشبہ دنیا ایک عارضی ٹھکانہ ہے اور آزمائش کی جگہ ہے۔ ہمیں آزمایا جاتا ہے کبھی مال و دولت سے تو کبھی اولاد و وزن سے۔ کامیاب وہ ہے جو خدا کے احکامات پہ عمل پیرا ہو گا۔

ہمارے بزرگ اسلام کی تعلیمات سے شاید اتنا آگاہ نہ ہوں مگر نئی نسل کے سامنے اسلام سکھنے کے بہت سے زرائع ہیں۔

ہمیں اپنے بڑوں کو اس بات کی ترغیب دینی چاہیے تاکہ ہم سب اپنی آخرت سنوار سکیں اور جنت میں بھی ایک ساتھ اکھٹے ہو سکیں۔

لہذا جس کامال ناحق لیا ہے اس کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے ورثاء کو دینا لازم ہے، اسی کی ادائیگی کی اولاد فکر کرنی چاہیے۔ البتہ اگر کسی نے صاحبِ حق کا حق ادا کیے بغیر فی سبیل اللہ زکات دی یا صدقہ کیا تو شرعاً یہ نافذ ہو گا، گو قیامت کے دن وہ ظلم کے بد لے صاحبِ حق کو ادا کرنا پڑے گا۔

طلال تو باغ تھا اپنا حق حاصل کرنا جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ حق پہ ہی خدا اسکی مدد ضرور کرے گا۔

کل عدالت میں پیشی تھی وہ بلکل تیار تھا بس دیکھنا یہ تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے۔

منتہا عاصمہ بیگم کی طرف قورمہ دینے گئی ہوئی تھی۔ طلال کے آنے کو وقت ہو گیا تھا واپس جلدی آنے کی کوشش کرتے کرتے بھی باتوں میں اسکو ٹائم لگ گیا تھا۔ باہر نکلی تو گیراج میں گاڑی کھڑی تھی طلال کی۔

وہ جلدی سے اپنے پورشن کی طرف بڑھی تھی۔ مین گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو لاونچ سے آوازیں آرہی تھیں۔

”طلال یار تم کل میرے ساتھ چلو گے۔“ ایک نسوانی آواز منتہا کے کانوں میں پڑی تھی۔ منتہا آگے بڑھی تھی تو سامنے نظر ایک ماڈرن سی لٹر کی پڑی تھی۔ جو کرتے اور جیزی میں ملبوس فل میک اپ کے ساتھ نزاکت سے طلال کے پاس بیٹھی تھی۔ بال ڈائی کرنے ہوئی تھے۔

”اچھا دیکھو نگا۔“ طلال کا جواب آیا تھا۔

”نوم جاؤ گے بس اُس فائنل۔“ اس لٹر کی نے کہتے ہوئے طلال کے بازو پہ ہاتھ رکھا تھا۔ منتہا ضبط کرتی آگے بڑھی تھی۔

”اسلام علیکم۔“ منتہا نے سلام کیا تھا۔ تو وہ دونوں اسکی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

”وَعَلَيْكُمُ اسْلَامٌ۔“ طلال جواب دیتا سامنے کھلے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ منتہا کھول کے رہ گئی تھی۔

”تعارف نہیں کرو انتم نے۔“ وہ لڑکی طلال کے بازو پہ ہاتھ مار کے بولی تھی۔
”اوہ سوری۔ منتہا یہ نگی ہے سعدیہ خالہ کی بیٹی۔ اور نگی یہ میری والُف ہیں منتہا۔“ طلال ایک مسکراہٹ کے ساتھ تعارف کروتا پھر لیپ ٹاپ میں گھس گیا تھا۔
منتہا کو کچھ عجیب سالگا تھا۔ کچھ کھٹک رہا تھا۔
”کیسی ہو تم۔“ نگی نے منتہا سے کہا تھا۔

”الحمد لله۔ آپ بیٹھیں میں چائے لے کے آتی ہوں۔“ منتہا نے مهمان نوازی تو نبھانی تھی ناں اب۔

”نہیں میں اب واپس جاؤں گی۔ چلو طلال کل ملتے ہیں۔“ نگی اسکو کہتے ہوئے اٹھی تھی اس ماحول میں منتہا کو اپنا آپ ان فٹ لگا تھا۔

”چلو چھوڑ نے تو آؤ اب باہر تک۔“ نگی کہتے ہوئے پھر اسکی ساتھ چپکی تھی۔
”افوہ لڑکی۔ چلو۔“ طلال کا دھیان لیپ ٹاپ میں تھا۔ اس دوران طلال نے منتہا کو نہیں دیکھا تھا۔ منتہا اسکی توجہ کی عادی تھی۔ اب اسکا یہ روپ دیکھ کے آنسو نکلنے کو بے تاب ہوئے تھے۔ طلال اس سب سے بے خبر تھا۔

طلال اور نگی دونوں اسکے پاس سے ہوتے باہر نکل گئے تھے وہ طلال کو دور جاتا دیکھ رہی تھی۔

عادتیں ڈال کے اپنی توجہ کی
یکدم جو بدلتے ہیں تو ستم کرتے ہیں

یہی حال منتها کا ہو رہا تھا۔

”مرد کی ذات قابل بھروسہ ہوتی ہے کیا۔“ منتها کے اندر سے آواز آئی تھی۔

”چلی گئی نگی۔“ رقیہ بیگم آنیہ کو پکڑے باہر آئی تو منتها ہوش میں آئی۔

رنگِ فق ہو رہا تھا۔ اسکو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا تھا۔

”جی۔ میں آتی ہوں۔“ منتها نے جواب دیا وہ منظر سے غائب ہونا چاہتی تھی جلد از جلد۔

منتها نے کمرے کی جانب قدم بڑھائے تھے کب کے رکے آنسو ہے تھے۔

وہ منہ پہ ہاتھ رکھتی واش روم میں گئی تھی۔

منہ پہ پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے خود کو پر سکون کیا تھا۔

”میں بلا وجہ الماسیدھا سونچ رہی ہوں۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ کام میں بزی ہونگے بس طلال۔ بس پر سکون رہو۔ اچھا اچھا سوچنا ہے۔“ ریلیکس میرے لیے سب سے اہم میری بیٹی ہے آنیہ۔ ”منتها خود کو سمجھاتے ہوئے دس منٹ تک باہر نکلی تھی اب تھوڑا پر سکون تھی۔

بیڈ روم ابھی بھی خالی تھا۔ خالی کمرہ دیکھ کے اسکو عجیب لگا تھا اس وقت طلال کمرے میں

ہوتا تھا۔ منتها سر جھکلتے باہر نکلی تھی وہ باہر بیٹھا صوفے پہ لیپ ٹاپ میں مصروف تھا۔

آنیہ اسکے ارد گرد گھومتی اسکو تنگ کر رہی تھی۔ وہ اس سے اپنی فائلز بچارہ رہا تھا۔

منتها کھانا لگانے کچن میں چلی گئی تھی۔

”آنیہ۔ منع ہو جاؤ اب۔“ طلال تیز آواز میں بولا تھا۔ آنیہ تو نرمیوں کی عادی تھی۔ طلال کی تیز آواز سن کے ڈر گئی تھی ایک پل کو سہمی پھر اوپنجی اوپنجی رونا شروع کر دیا تھا۔ کھانا لگاتی منتها نے بھی طلال کی تیز آواز سنی تھی۔

آنیہ کے رونے کی آواز سن کے اسکا پارہ ہائی ہوا تھا۔

”کیوں چھر رہے ہیں آپ میری بیٹی پہ۔ آپ کو ہم تنگ کر رہے ہیں تو اپنا کام لے کے آپ سڑی روم میں چلے جائیں نا۔“ منتها نے بھی آنیہ کو اٹھاتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا تھا۔ زیادہ زور ”آپ کو ہم تنگ کر رہے ہیں“ پہ تھا۔ طلال نے اس جارحانہ انداز پہ منتها کو دیکھا تھا۔

”یہ تنگ کر رہی ہے یا۔۔۔ دیکھو سب فالنر۔۔۔“ طلال نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ ”تو ایسے ڈانٹیں گے آپ۔ حد ہوتی ہے لے کے بچی کو ڈرایا ہے۔“ منتها کہتے ہوئے باہر نکل گئی تھی طلال نے اتنی بات نہیں کہی تھی جتنا وہ ری ایکٹ کر گئی تھی۔

”اماں میں ڈانٹا ہر گز نہیں ہے آنیہ کو۔ سمجھائیں اپنی بہو کو۔ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔“ طلال نے رقیہ بیگم سے کہا تھا جو خاموش بیٹھی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ بولتی طلال کا فون نج اٹھا تھا۔

وہ اب فون پہ کسی ماتحت کو ڈانٹ رہا تھا۔

اور فالنر اور لیپ ٹاپ اٹھا کے اسٹڈی روم میں چلا گیا تھا۔ رقیہ بیگم جو پوچھنا چاہ رہی تھی وہ بات اندر رہ گئی تھی۔

منتها دس منٹ بعد آنیہ کو بہلا کے باہر سے لائی تھی۔ اب وہ نیند سے جھوول رہی تھی۔ آنیہ کو رقیہ بیگم کے پاس چھوڑا۔ اور خود کچن میں رقیہ بیگم کے لئے کھانا اور آنیہ کا فیڈر بنانے چلی گئی تھی۔

کھانا رقیہ بیگم کے سامنے ٹیبل پر رکھا تھا اور خود آنیہ کو گود میں لے کے فیڈر پلاتی رقیہ بیگم کے پاس رہی بیٹھ گئی تھی۔

رقیہ بیگم کھانا کھاتے ہوئے خاموش رہی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کے انہوں نے منتها کو دیکھا تھا جو خاموش بیٹھی تھی۔

”کیا بات ہے بیٹا۔“ رقیہ بیگم نے پہل کی تھی۔

”سوری آنٹی۔ میں زیادہ بول گئی۔ اب طلال بھی غصہ ہو گئے مجھ سے۔“ منتها کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

”سوری کیوں۔ ماں کو اپنی اولاد کے جائز حق کے لیے اور دفاع کے لیے بولنا چاہیے۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”وہ کسی کار و باری مسئلے کو لے کے ٹینش میں ہے منتها بچے۔ ورنہ وہ کبھی تیز آواز میں آنیہ سے نہیں بولا۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

”جی جانتی ہوں آنیہ میں انکی جان ہے۔ میں زیادہ ہی ہارش ہو گئی تھی۔“ منتها شرمندگی سے بولی تھی۔

”اچھا زیادہ مت سوچو اب۔ میں اب نماز پڑھ لوں۔“ رقیہ بیگم نے کہا تھا۔

دس منٹ تک آنیہ سوچکی تھی منتها نے اسکو شدت سے پیار کیا تھا اور خود میں بھینچا تھا وہ تھوڑا سا کسمسائی تھی۔ منتها اسکو اٹھا کے کمرے میں لائی اور اسکی جگہ پہ لیٹا دیا تھا۔ اسکے گرد کشن لگاتے وہ خود بھی وضو کرنے واش روم کی طرف چلی گئی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کے باہر نکلی لاونچ میں رکھے کھانے کے برتن اٹھائے۔ طلال کے لیے ٹیبل پہ لگایا ہوا کھانا بے دلی سے اٹھایا تھا اور کچن میں رکھا۔ کچن سمیدھا تھا اور افسر دہ سی کمرے کی جانب بڑھی تھی۔ اسکو خود سمجھ نہیں آرہی تھی وہ نگینہ کو دیکھ کے اتنا اور ری ایکٹ کیوں کر گئی ہے۔ دراصل وہ طلال کی توجہ کو مس کر رہی تھی۔ طلال اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ منتها چینچ کرنے واش روم میں گئی تھی۔ واپس آئی تو طلال آنیہ کو پیار کر رہا تھا کبھی اسکے پاؤں پہ بوسہ دیتا تو کبھی ہاتھ چومنتا کبھی پیشانی۔

منتها الماری کی طرف بڑھی اور طلال کا ٹراوزر شرٹ نکالا تھا۔ وہ ابھی تک ویسے ہی گھوم رہا تھا۔

منتہا کو مصروف دیکھ کے وہ اٹھا اور اسکے پاس گیا تھا۔

”میں آپکی بیٹی کو ڈانٹا نہیں تھا۔“ طلال نے وضاحت پیش کی تھی۔ منتہا کو وہ اپنی صفائی میں بولتا بہت پیارا لگا تھا۔

”پتہ ہے مجھے۔ مجھے بس اس وقت غصہ آگیا تھا آئی ایم سوری۔“ منتہا نے بھی معدرت کی تھی۔

”یہ اچانک غصہ کیوں آگیا تھا مجھے غریب پہ۔“ طلال نے منتہا سے سوال کیا تھا۔

”اتنے معصوم مت بنیں آپ۔ آئندہ کوشش کریں تیز آواز میں بھی بات مت کریں۔ وہ ابھی چھوٹی سی ہے۔ جب وہ روئی ہے تو مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔“ منتہا نے نم لجھ میں کہا تھا۔ طلال اسکی اس محبت پہ جتنا شکر گزار ہوتا اتنا ہی کم تھا۔

”اچھا سوری میری توبہ جو آپ ماں بیٹی کو کچھ کہہ گیا آئندہ سے۔“ طلال نے باقاعدہ کان پکڑ کے کہا تھا۔ منتہا نم آنکھوں سے ہنس پڑی تھی۔

طلال اس خوبصورت دھوپ چھاؤں سے منظر میں کھوسا گیا تھا۔

بے خود ہوتا طلال منتہا کی کمر میں بازو ڈالے اسکو اپنے قریب کر گیا تھا۔ اور میکانگی انداز میں اسکی ریشم جیسی زلفوں کو اپنے مضبوط ہاتھ کی انگلیوں سے خم دیتے ہوئے اپنی مٹھی میں قید کیا تھا۔

منتہا کی سانس اٹکی تھی۔ منتہا کو لگا تھا وہ ابھی گر جائے گی۔

”کل عدالت میں پیشی ہے۔ دعا کرنا آپ میرے حق میں۔“ طلال اسکی دراز خم دار پلکوں کو انگلیوں کے پوروں سے چھوتے ہوئے بولا تھا۔

”جی ضرور آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں۔“

منتہا نے اپنی لانبی خمار پلکیں معصومیت سے جھپکائیں تھیں۔ طلال کا لہجہ بو جھل ساتھا۔

”آپ دن بہ دن میرے حواس پہ سوار ہو کے مجھے دیوانہ کر رہی ہیں۔ اتنا دیوانہ کہ اب آپ سے دور جاتے بھی مجھے ڈر لگتا ہے۔ ”طلال نے جذبوں سے چور آواز سے کہتے اسکی صبح پیشانی پہ بوسہ دیا تھا۔ منتہا پوری کانپ اٹھی تھی۔

”میں کونسا آپ سے دور جارہی ہوں۔ ”منتہا نے ہمت جمع کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میں جانے بھی نہیں دونگا۔ ”طلال نے اسکی چہرے پہ متنانت آمیز معصومیت اور دلکشی کو دل میں اتارتے ہوئے کہا تھا۔

”چلیں اب آپ چینچ کریں میں کھانا لگاتی ہوں۔ ”منتہا نے اپنی پلکوں کی خوشناجھا را ٹھا کے طلال کو دیکھا تھا۔ طلال نے اپنی مٹھی میں مقید اسکے سیاہ گیسوؤں کو چھوڑا اور سر اثبات میں ہلاتا فریش ہونے چلا گیا تھا۔

فخر کی نماز طلال پڑھ کے آیا تو سویا نہیں تھا۔ منتہا بھی نماز کے لئے اٹھی تھی۔ ڈھیروں دعائیں مانگی تھی کہ جلدی سے بخیر و عافیت عدالت کا سارا کام نمٹ جائے پھر وہ اپنے طلال کو ایسے کسی کام میں نہیں جانے دے گی۔ چاہے ہی انکامالی نقصان ہو جائے۔

طلال کو چائے بنائے دے کے آئی وہ مرزا صاحب سے فون پہ بات کر رہا تھا۔

سورج نکل آیا تھا رقیہ بیگم بھی اٹھ گئی تھیں۔ آئنیہ ابھی تک سورہی تھی۔ گھر پہ آج خاموشی تھی ورنہ منتہا اور رقیہ بیگم کی گفتگو جاری رہتی تھی۔ اور طلال اور منتہا کی نوک جھونک۔ آج طلال کام میں مصروف تھا اور دونوں خواتین صورتیں پڑھ پڑھ کے طلال پہ پھونکنے پہ۔

ناشستے کے بعد طلال رقیہ بیگم سے حسب معمول ملا تھا۔

”اماں کیا ہو گیا ہے۔ حوصلہ رکھیں۔ ”طلال نے انکی نم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ منتہا تھوڑے سے فاصلے پہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

”اللہ کی امان میں۔ میرا دل بہت گھبر ارہا ہے۔ تم خیال سے جانا۔“ رقیہ بیگم نے کہتے ہوئے اس پہ کچھ قرآنی آیات پڑھ کے پھونکی تھی۔ منتها چپ چاپ وہاں سے نکل کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

اس کا جانا طلال نے محسوس کیا تھا۔

”آپ کی دعائیں ساتھ ہیں میرے تو کچھ بھی نہیں ہو گا مجھے۔ آپ بس اپنا اور منتها اور آنیہ کا خیال رکھنا۔ میں دوپھر تین بجے آپکے ساتھ لنج کروں گا۔“ طلال نے ماں کو کہتے انکی پیشانی کو چھو اتھا۔ اور موبائل اور گاڑی کی چابی لینے کرے میں چلا گیا تھا۔

منتها بیڈ پہ بیٹھی آنیہ کو جگانے کی کوشش میں تھی جس کا ابھی اٹھنے کا مود نہیں تھا ہورہا۔ طلال ایک نظر ان دونوں پہ ڈالتاؤ ریسینگ ٹیبل پہ رکھی گھٹری اٹھا کے پہنچتا بیڈ پہ آیا تھا۔

”آنیہ بابا جار ہے ہیں اٹھو۔“ طلال نے کہا تھا اور آنیہ کو ہلا کیا تھا۔

”کیا جار ہے جار ہے ہیں لگایا ہوا ہے۔ روزانہ جاتے ہیں آپ آفس۔ جلدی واپس آنا آپ لنج ہمارے ساتھ کرنا ہے آج آپ نے۔“ منتها نے نم آواز میں کہتے ہوئے اسکو ڈپٹا تھا۔

طلال اسکے انداز پہ ہنسا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے یار۔ رنگ دیکھیں اپنا زرد پڑھا رہا ہے۔ میں بلکل ٹھیک ٹھاک آپکے سامنے کھڑا ہوں۔“ طلال نے منتها کے گال کو سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

”ٹھیک ٹھاک ہی ہونا چاہیے آپ کو۔“ منتها نے دھمکی دی تھی۔

”اما۔۔۔“ تبھی منتها کی آواز گونجی تھی۔

”بابا بھی ادھر ہی ہیں جان آپکے۔“ طلال نے کہتے اسکو اٹھا کے چوما تھا۔ تبھی طلال کا موبائل نج اٹھا تھا۔ طلال نے نمبر دیکھ کے ہونٹ بھینچ چکھا۔ اور موبائل واپس پاکٹ میں رکھا تھا۔

”چلو بابا کی جان بابا کو کام سے جانا ہے۔ جیسے آپ کی مامنے ابھی ڈانٹ کے کہا کہ روازنہ آفس جاتا ہوں تو آج بھی جارہا ہوں۔“ طلال نے ہنسنے ہوئے کہا تھا اور آنیہ کو پیار کیا تھا۔ اور منہما کی طرف آنیہ کو بڑھایا تھا۔

”منہما۔“ طلال نے خاموش کھڑی منہما کو پکارا تھا جو جی جان سے متوجہ ہوئی تھی۔
”جی۔“ منہما نے کہا تھا۔

”پریشان نہیں ہونا آپ نے۔ میں لنج آپ کے ساتھ کروں گا انشاء اللہ۔“
آپ ایک مضبوط لڑکی ہیں یہ بات آپ کو پتہ ہونی چاہیے۔ چاہے کیسے بھی حالات ہوں
آپ نے ہمت سے کام لینا ہے۔“ طلال نے دل کڑھا کے کہا تھا۔
”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ۔ آپ میرے ساتھ ہیں تو میں مضبوط ہوں
۔“ منہما کا ایک اشک سراپا احتجاج ہوتا سکے گال پہ بکھرا تھا۔
”آپ میری طاقت ہیں۔ یہ بات یاد رکھنا آپ۔ اس گھر میں میری زندگی میں سب رنگ
آپکی وجہ سے ہیں۔ آئی ایم سوبیسڈ ٹو ہیو یو جانال۔“
”سینیں۔“

محبت اک رمز ہے جانال
جو دل کے صحر اپہ ابر بن کے بر سے
وہ بادل ہے جانال
جو عشق کی بلندی کو چھو جائے۔“
(فرحت نشاط مصطفیٰ)

طلال دھیمے لبھے میں کہتا اسکی پیشانی پہ اپنا مس چھوڑتا ہر نکل گیا تھا۔
”فی امان اللہ۔“ منہما بے ساختہ کہہ اٹھی تھی۔ یہ تین الفاظ طلال کے دل میں سکون
بکھیر گئے تھے۔

طلال کے جانے کے بعد منہا بولائی گھوم رہی تھی۔ روز وہ جاتا تھا مگر آج جاتے
جاتے وہ اسکے دھیان کے سارے دھاگے کھینچ لے گیا تھا۔ اسکا لمس اسکی سر گوشیاں
، جسар تیں سب یاد آ رہی تھیں۔
دل کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔

مجھ کو معلوم نہ تھی، ہجر کی یہ رمز کہ تو
جب میرے پاس نہ ہو گا تو ہر سو ہو گا

عمر نے طلال کے ساتھ کورٹ جانا چاہا تھا تو اسکو سخت سناء کے طلال نے گھر بھیج دیا
تھا۔ محسن بھائی نے البتہ طلال کی ایک نہ چلنے دی تھی اور طلال کے ساتھ کورٹ گئے
تھے۔ اکرام بھائی بھی ساتھ چل رہے تھے مگر طلال برہم ہوا اور انکو فیکٹری بھیج دیا تھا۔
عمر منہ بناتا گھر آیا تھا۔ اپنے پورشن میں آیا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ باہر نکلا تھا اکرام
چاچو کے پورشن سے آوازیں آرہی تھیں۔ وہ اندر بڑھ گیا تھا۔ سب خواتین وہاں بیٹھیں
ہوئی تھی اور آنیہ میڈم ٹوائز کا معاونہ کر رہی تھی۔

سب کو سلام کرتا پیلے فراک میں بیٹھی مومنہ کو نظر میں لیتا وہ صوفے پہ بیٹھا تھا۔
”طلال کافون آیا کوئی۔ مجھے تو ڈانٹ دیا ہے کہ اب میں انکو فون نہ کروں وہ خود فون
کر لینگے فارغ ہو کے۔“ منہا نے پوچھا تھا۔

”آپ عورتوں کو ہم مردوں کا پیار بھی ڈانٹ لگتا ہے۔“ عمر نے کہتے ہوئے مومنہ کو
نظر وہ کے حصار میں رکھا۔

”توجب ڈاٹا جائے گا تو اسکو ڈانٹ ہی سمجھا جائے گا۔ مرد فلرٹ ہوتے ہیں۔ ٹھرکی۔“ مومنہ نے منہ کھولا تھا۔

”یہ کیا فضول لفظ بول رہی ہوتم۔ عقل کب آئے گی تمہیں۔“ افشاں بیگم نے مومنہ کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

عمر اسکی درگت پر مشکل سے ہنسی کنٹرول کر پایا تھا۔ البتہ مومنہ اسکا ضبط کرتا چہرہ دیکھ کے مزید تپ چکی تھی۔

”ایک کپ چائے کا ہی پلا دیں بھئی کوئی۔“ عمر نے فرماش کی تھی۔

”میں بتارہی ہوں میں اس انسان کے لیے چائے تو کیا گلاس کا پانی تک نہیں لاوائیں گے۔“ مومنہ تنک کے کہتی اٹھ گئی تھی۔

عمر نے بس ایک نظر معصوم سامنہ بنائے کے پھی پلس ساس کو دیکھا تھا بس پھر کیا تھا افشاں پھی شروع ہو چکی تھی۔

پندرہ منٹ کا لیکھر تھا جو لیکھر کم بے عزتی زیادہ تھی۔ مومنہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی مرتبا، رقیہ اور عاصمہ بیگم نے ٹوکنا چاہا مگر افشاں نے کسی کی نہ سنی تھی۔ عمر کو احساس نہیں تھا کہ معاملہ اتنا سیر یس ہو جائے گا۔

”اٹھواب دس منٹ میں چائے بن کے ٹیبل پر آجائے۔“ افشاں بیگم نے اب اسکو اٹھنے کا حکم دیا تھا۔ مومنہ جو پہلے ہی عمر سے خفا تھی اب تورونا ہی نکل گیا تھا۔ لاکھ کنٹرول کر رہی تھی مگر ایک آنسو پھسلتا تھا اور وہ اٹھ کے کچن میں چلی گئی تھی۔

”اویٹ۔“ عمر نے سختی سے دانت بھینچے تھے۔ ہمیشہ سب الٹا کر دیتا تھا۔

”اب آگیا تمہیں سکون۔“ عاصمہ کارخانہ صاحبزادے کی طرف تھا۔

”میں کچھ نہیں کہا۔“ عمر نے معصوم بنتے ہوئے کہا تھا۔

”بھا بھی اسکا کیا قصور ہے بھلا۔ اسکو سمجھنا چاہیے اب رشتہ بدل گیا ہے اب بھی منہ پھاڑ پھاڑ کے جواب دیتی ہے۔ کوئی تمیز نہیں۔“ افشاں بیگم نے بیٹی کے اوصاف گنائے تھے۔

”سیکھ لے گی آپ نے خوا مخواہ اسکو ڈالا ہے۔ اور یہ کو نام کہے۔ اب جاؤ دیکھو اسکو۔ خبردار جواب تم نے اسکو ستایا۔“ منتها نے اسکو دارن کیا تھا۔

”جارہا مگر وہ مجھے کھڑکی سے باہر پھیلنے کا ارادہ رکھتی ہے۔“ عمر ورد کرتا پکن کی طرف بڑھا تھا۔

مومنہ کا رخ سلیب کی طرف تھا سنے چاہئے والے برتن میں پانی ڈال کے چولہے کے اوپر بٹخنے کے انداز میں رکھا تھا۔ عمر نے ہستے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔

”تم رہنے دو میں خود ہی بنالوں گا۔“ عمر نے اسکے پیچے کھڑے ہو کے کہا تھا۔ مومنہ خاموش رہی تھی۔

”مومنی۔“ عمر اسکی خوشبو کو اندر اتارتا اب لاڈ سے بولا تھا۔ مومنہ تو پھٹی تھی۔ ”نہیں ہو میں مومنی تمہاری۔ مر گئی تمہاری مومنی۔۔۔ پہنچنے کی نظر لگ گئی ہماری دوستی کو۔۔۔ سب کچھ خراب کر کے رکھ دیا تم نے۔ اب تو تمہیں مجھے رلا کے ہی سکون اور مزہ آتا ہے۔۔۔ میں تو تمہیں بری لگتی ہوں۔۔۔“ مومنہ بہت آنکھوں سے شکوئے کر رہی تھی۔

عمر تو اسکی ایک بات پہ ہی اٹکا ہوا تھا، ”مر گئی تمہاری مومنی۔“

”کبھی سوچ سمجھ کے بھی بول لیا کرو۔“ عمر نے اسکو سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”میں بیو قوف ہوں عمر صاحب تو عقل کی باتیں کیسی کروں گی میں۔ بقول تمہاری دوست اور تمہارے میں تو ہوں ہی بیو قوف۔ ”مومنہ نے اب ترخ کے کھا تھا اور کھولتے پانی میں چائے کارنگ نکل چکا تھا تو اسے دودھ ڈالا تھا۔

”کون میری دوست؟ ”عمر نے ٹھٹک کے پوچھا تھا۔

”کتنی دوستیں ہیں تمہاری اب یہ تو تمہیں ہی پتہ ہو۔ ”مومنہ نے کہتے ساتھ چو لہے کی آنچ کو بھی تیز کیا تھا۔

”یار کتنے شکوئے اکٹھے کئے ہوئے ہیں تم نے۔ ایک ساتھ ہی کر دوں تم۔ تاکہ تمہارا مودُ تو ٹھیک ہو۔ ”عمر نے اسکو گھورتے ہوئے کھا تھا۔

”میرا مودُ کوئی اتنا اہم نہیں ہے۔ آپ اپنی زندگی انجوائے کریں۔ یہ رہی آپکی چائے۔ ”مومنہ نے چائے کپ میں نکال کے اسکے سامنے پڑھی تھی۔ اور باہر جانے کو مڑی گئی تھی۔

”یادِ اکیسے میں سب ٹھیک کروں۔ مجھ سے اب یہ بلی چو ہے والا گیم نہیں کھیلا جاتا میں کل ہی اسکو اپنے دل کی بات بتا رہا ہوں۔ بس بہت ہو گیا ہاتھ ہی نہیں آرہی مجھے رخصتی کی پڑھی ہوئے ہے اور اسکو لڑائیوں سے نہیں فرصت۔ ”عمر بد مرد ہوا تھا۔ تبھی اسکا فون بجا تھا۔ مرزا صاحب کے نمبر سے فون آرہا تھا۔

”ہیلو۔ ”عمر نے کان کو لگایا تھا۔

”ہیلو عمر۔ ”مرزا صاحب کی بوکھلائی آواز اسکے کانوں سے ٹکڑائی تھی۔

”جی انکل۔ سب خیریت ہے نا۔ ”عمر کا دل انکی پریشان آواز پہ پریشان ہوا تھا۔

”بیٹا طلال اور محسن صاحب کو گولئی لگی ہے۔ تم جلدی ہا سپٹل پہنچو۔ اڈریس میں نے میسج ک دیا ہے۔ ”مرزا صاحب نے کہتے ہوئے جلدی سے فون بند کیا تھا۔ عمر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی وہ تیزی سے باہر نکلا تھا۔

”عمر بنا دی چائے مومنہ نے۔“ افشاں بیگم نے پوچھا تھا۔

”پہلے یہ بتاؤ منا لیاناں مومنہ کو۔“ منتہا نے ہنسنے ہوئے پوچھا تھا۔

عمر نے ایک نظر ان ہنسنے مسکراتے چہروں کو دیکھا تھا۔

”وہ۔ چا۔۔۔ چاچو۔۔۔“ عمر سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔ عمر نے ایک نظر سبکودیکھا تھا۔ عمر کے آنکھوں میں نبی اور چہرے پر رقم اذیت سبکو اندر تک دہلا گئی تھی۔ بغیر بولے ہی وہ بیت جانے والی قیامت کا احوال سنائیا تھا۔

منتہا کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر ہوا کیا ہے۔ منتہا کاررورو کے اسکا بر احوال تھا۔ محسن صاحب کو گولی چھو کے گزری تھی۔ طلال کو دو گولیاں لگی تھیں۔ عمر ہا سپٹل کے لیے پہلے ہی نکل آیا تھا وہ خواتین میں سے کسی کو ساتھ نہیں لایا تھا۔ تقریباً پانچ گھنٹے بعد عمر سب معاملات کو نمٹا کے فارغ ہوا تھا طلال اب ہوش میں آیا تھا۔

اسلیے اس نے گھر پہ کال کر کے ڈرائیور کے ساتھ منتہا اور عاصمہ بیگم کو بلوا�ا تھا۔ اس وقت عمر کے ساتھ ہا سپٹل میں داخل ہوئی تھی ساتھ عاصمہ بیگم بھی تھی۔

”یار آپ لوگ کیوں رورہی ہیں۔ وہ دونوں ٹھیک ہیں اب۔“ عمر نے کہا تھا۔

”شکر ہے اللہ کا۔ منتہا حوصلہ کرو میری بچی۔“ عاصمہ بیگم نے کہتے ہوئے منتہا کو ساتھ لگایا تھا وہ پچھلے گھنٹوں سے کھائے ہے بغیر رورو کے ہلکاں ہو رہی تھی۔

”مجھے طلال کو دیکھنا ہے۔“ یہ سارے ٹائم میں بولا گیا پہلا جملہ تھا۔

”ہاں ہاں بس چل رہے ہیں اسکے پاس ہی۔“ عاصمہ بیگم نے کہا تھا۔

”اس روم میں ہیں بابا۔ ماما آپ بابا کے پاس جائیں میں چاچو کے روم میں چھوڑ آؤں پچھی کو۔“ عمر ماں سے کہتا منتہا کو لے کے آگے بڑھا تھا۔

دو تین کمرے چھوڑ کے روم نمبر آٹھ طلال کا روم تھا۔

”آئیں۔“ عمر نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا تھا۔

منتها کا نپتے قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔ سامنے ہی طلال نڈھال سائبیڈ پہ بیٹھا ہوا تھا۔ بازو اور کندھا پیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ ماتھے پہ بینڈ تھج تھی۔ خون کا دھبہ پیوں پہ نمایاں تھا۔ کہاں وہ شاندار بن ٹھن کے رہنا والا طلال اور اب یوں نڈھال بیٹھا تھا۔

منتها کے آنسو نکلنے کو بے تاب تھے۔ عمر کے ہاسپٹل جانے کے بعد وہ سب سوی پہ لٹکے رہے تھے یہ جانے کو کہ نجانے وہاں کیا ہو ہو گا۔ دونوں کی کنڈیشن کیسی تھی۔ ان کی سلا متیں کی دعا نہیں کرتے وہ سب بلکہ کرے روئیں تھیں۔ منتها ہمت کرتی تھوڑا سا آگے بڑھی تو بیڈ کے ساتھ کرسی پہ نگی بیٹھی نظر آئی تھی۔ منتها اس وقت طلال کو اپنی سامنے زندہ سلامت پا کے شکر گزاری کی کیفیت میں تھی اسلئے نگی کا وہاں ہونا چھا تھا مگر جیلیسی کا جذبہ تھپک کے سلاطی وہ آگے بڑھی تھی۔

طلال اسکو سامنے پا کے کھل اٹھا تھا۔ منتها اور طلال نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ تودل کٹ کے رہ گیا تھا طلال کا۔ متور مروئی روئی آنکھیں طلال کا دل اسکی حالت پہ کٹا تھا۔ اسکی آنکھیں سرخ ہو چکی تھی۔ پوٹ رو رو کے سو جھے چکے تھے۔

منتها کے آنکھوں میں کچھ گھنٹوں پہلے بتئے والی قیامت خیز گھڑیوں کی داستان رقم تھی۔ ”ایکسیوز ایس۔“ طلال نے نگی اور عمر کو کہتے ہوئے باہر جانے کا اشارہ کیا تھا ایک چپ چاپ تو دوسرا نفوس جھنجھلا کے باہر گیا تھا۔

”منتها۔“ طلال نے انکے جانے کے بعد خود سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی منتها کو کہا تھا جو اسکو دیکھ رہی تھی۔

منتها قدم اٹھاتی اسکے پاس گئی تھی۔ طلال نے اسکا ہاتھ تھام کے اپنے پاس بیڈ پہ بٹھایا تھا۔

”طل-- طل-- طلال-- میں ڈرر۔“ الفاطنے منتہا کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور بلک پڑی تھی۔ طلال نے بھی اسکو محسوس کرنا چاہا تھا۔ وہ جانتا تھا اس وقت ان دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھ چاہیے تھا۔ طلال نے اسکو ہاتھ بڑھ کے اپنے ساتھ لگا کا خود میں بھینچا تھا۔ منتہا کا آنسو ٹوٹ کے طلال کی شرط جذب ہوا تھا۔

”آپ زیادتی کر رہی ہیں اب۔ ایک میں یوں لا چار پڑا ہوا ہوں اور پر سے آپ کے یہ آنسو خوب مجھ پہ تشدید کر رہی ہیں آپ۔“ طلال نے اسکو اپنے سامنے کرتے ہوئے اپنے انگلیوں کے پوروں سے اسکے آنسو صاف کرنے تھے۔

”میں ڈر گئی تھی بہت۔“ منتہا نے اسکی شرط کو مٹھیوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

”میں بلکل ٹھیک ہوں اب۔ آپ کے سامنے ہوں۔“ طلال نے اسکا چہرہ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

”اب آپ اس طرح کے کسی کام میں نہیں پڑیں گے۔ میری جان نکل گئی تھی۔“ منتہا نے مزید کہا تھا۔ وہ طلال کی پر شوق نظروں سے بے خبر اپنے جذبات کا اظہار کر رہی تھی۔

”جو حکم آپکا۔“ طلال نے فرمانبرداری سے کہتے ہوئے اسکا ہاتھ تھاما تھا اور ایک شدت بھرا لمس اسکے ہاتھ پہ چھوڑا تھا۔

منتہا کو اچانک نزدیکی کا احساس ہوا تھا اس نے پچھے ہونا چاہا تھا۔

”اب نہیں منتہا۔ بیڈ پہ لیٹا ہوا ہوں اب، ہی کچھ احساس کر لیں میرا۔ میں آپ کو محسوس کرنا چاہتا ہوں۔“ طلال نے کہتے ہوئے اسکے کندھے پہ اپنا سر رکھا تھا۔

”یہ عمر مجھے ہا سپیل نہیں آنے دے رہا تھا، ہی مجھے خود ساتھ لے کے آیا تھا۔ میں اسکو اتنا کہا کہ مجھے آنا ہے۔“ منتہا نے عمر کی شکایت لگائی تھی۔ طلال سب تکلیف اور درد بھلا کے بیوی کے میٹھے شکوئے سن رہا تھا۔

”اوہ۔ میں کلاس لیتا ہوں اسکی۔“ طلال نے منتہا کو تسلی دی تھی۔

”شیر و بابا بھی اسکی ہی بات مانتے ہیں۔ میں انکو بھی کہا تھا مجھے لے جائیں ساتھ۔“ اب ڈرائیور کی شکایت لگائی تھی۔ طلال کو بلکل پچھی لگی تھی جو کسی اپنے بہت نزدیکی سے تھوڑا دیر کو بچھرنے کے بعد ملتی ہے تو باقی سب کی شکایتوں کا انبار اسکے پاس ہوتا ہے۔

”سب کو ڈانٹوں گا میں۔ میری منتها کو پریشان کیا اتنی مجال کسی کی۔ اور کس نے تنگ کیا۔“ طلال نے اسکو بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے پوچھا تھا۔

”نهیں اور کسی نے نہیں۔ ہاں یاد آیا مجھے وہ۔“ منتها نے اپنے دھیان میں کہتے اچانک طلال کو دیکھا تھا جو ہنس رہا تھا۔

”آپ ہنس رہے ہیں مجھ پہ۔“ منتها نے برا منایا تھا۔

”نهیں میں یہ دیکھ رہا ہوں میری زندگی کتنی خوبصورت ہے۔ خدا کا بہت بہت شکر یہ جس نے مجھے زندگی دی ہے کہ میں یہ زندگی جی سکوں۔“ طلال نے ایک جذبوں چور آواز میں کہتے ہوئے منتها کی متورم روئی آنکھوں کو چھو اتھا۔

”ہم ہا سپیٹل میں ہیں۔“ منتها کو یاد آیا تو جھٹ اس سے دور ہوئی تھی۔

”بڑی جلدی نہیں خیال آیا آپکو۔“ طلال کو اسکا دور جانا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

”ادھر آئیں ناں یار۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا۔ منتها کر سی اسکے بیٹد کے پاس کر کے بیٹھ گئی تھی۔ طلال اب اسکو سامنے بیٹھا دیکھ کے پر سکون ہوا تھا۔

کورٹ میں فیصلہ طلال کے حق میں آیا تھا۔ وہ لوگ ابھی کورٹ سے نکل ہی رہے تھے کہ ثاقب نے طلال اور محسن پہ فائزگ کھول دی تھی۔ جس کی زد میں وہ دونوں آئے تھے مگر شکر کہ کوئی جانی نقصان نہ ہوا تھا۔ کورٹ میں ہونے کی وجہ سے پولیس نے جوابی کارروائی کر کے ثاقب کو حرast میں لے لیا تھا۔

طلال جو ثبوت اسکے خلاف دے چکا تھا وہ اسکا ناجائزہ کاروبار بند کروانے کو کافی تھے۔

اگلے دن وہ دونوں ڈسچارج ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر نے احتیاط کا اور ریسٹ کرنے کا کہا تھا
ساتھ کچھ میدیسنسز دی تھیں۔

ان چوبیس گھنٹوں میں ثاقب کے باپ کی طرف سے بے انتہا کا لز آچکی تھیں معافی نامے
کی۔

منتہا طلال کی خدمت میں لگی ہوئی تھی۔

مگر طلال کے بقول ہاتھ نہیں آرہی تھی۔

طلال سٹڈی روم سے ملحقہ ٹیرس پہ بیٹھا کوئی فائل دیکھ رہا تھا آفس تو جاتا نہیں تھا تو گھر
سے کام کر رہا تھا۔ تبھی اسکو پرداز کے پیچھے کسی وجود کے آکے چھینے کا احساس ہوا تھا
وہ اٹھا اور ٹیرس سے اندر آیا تھا۔ کامنی سا وجود اسکی بیوی کا ہی تھا جو آجکل اسکے حواسوں
پہ چھائی رہتی تھی۔ ابھی بھی واپس سوت میں ملبوس تھی لمبے بال کچر میں بندھے تھے
کچھ آزاد گھوم رہے تھے۔ ان بالوں میں وہ ایسا جکڑا تھا کہ اسکو خود کی رہائی ناممکن نظر آتی
تھی۔

”ادھر کیا کر رہی ہیں آپ۔“ طلال نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی طرف
متوجہ کیا تھا۔

منتہا اس کی آواز سن کر گھبرا کر پیچھے ہٹی اور اس کے چوڑے سینے سے ٹکرائی۔
”اف۔۔۔“ اس کے دراز بالوں کی کچھ شریر لیٹیں طلال کی شرط کے بڑن سے الجھ
گئیں تھیں

"آرام سے---" طلال نے نرمی سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

"اتنی جلدی کس بات کی ہے---" وہ گھمبیر لمحے میں بولتے ہوئے اسے اپنے حصار میں لے چکا تھا۔

منتہا کا چہرہ اس قربت کے اثر سے سرخ پڑ چکا تھا گھنیری پلکیں حیا سے بو جھل ہو کر جھک گئیں تھیں۔ طلال نے پوری توجہ سے اس کے سرخ چہرے اور اس چہرے کی دلکشی میں اضافہ کرتی لوگ کو دیکھا اور پھر اپنے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی ستواں ناک میں جگگاتی لوگ کو دھیرے سے اپنے لبوں سے چھوایا۔

طلال کے لمس سے منتہا کا روایں روایاں کانپ اٹھا تھا وہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ ادھر کیا کرنے آئی تھی۔

"طلال---" اس نے بے بسی سے اسے پکارا

"جی جان طلال---" وہ نرمی سے اس کے نقوش چھورا تھا۔

"شش--- عمیرہ اور آنبیہ کے ساتھ ہائیڈ اینڈ سیک ہو رہی ہے میری۔" منتہا نے برآمد نتھی ہوئے اسکو چپ رہنے کا کہا تھا۔ سورج کی کرنیں پر دے سے چھن چھن کے آتی ہوئی منتہا کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ کچھ بالوں کی لٹیں آزاد گھوم رہی تھیں۔ ناک کا لوگ ہیرے کی طرح چمک رہا تھا۔ گال دھوپ اور حیا کی سرخ سے مزید سرخ پڑھ گئے تھے۔ طلال کے دل کی دنیا میں ہلچل مج گئی تھی۔

"تو ٹھیک سے چھپیں ناں کوئی ڈھونڈنے سکے آپکو میرے علاوہ۔" طلال نے کہتے ہوئے اسکو مزید پاس سر کایا تھا۔

مُنْتَهَا كِپْكِپَا اٹھی تھی۔

”میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔“ مُنْتَهَا نے پیچھے ہٹنا چاہا تھا۔ گرفت مضبوط تھی۔

”وہ لوگ آپکو ڈھونڈ لینے گے۔“ طلال کا لمحہ لودیتے تھا۔

”ایسے کوئی دیکھ لے گا۔ آپکا زخم ابھی تازہ ہے۔“ مُنْتَهَا نے اسکو دور کرنے کی کوشش کرتے کہا تھا۔

”یہاں ہم دونوں کی علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور زخم کی کسے پرواہ ہے۔“ طلال نے کہتے ہوئے اسکی جان کو اور مشکل میں ڈالا تھا۔

”طلال۔“ مُنْتَهَا کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔

”طلال آپکی طرف ہی ہمہ تن گوش ہے۔“ طلال اسکے اڑے رنگوں کو نظر انداز کرتا اپنے ہی مسن سے بولا۔

”طلال۔ چھپکی۔“ مُنْتَهَا اسکی شرٹ کو دبوچ کے بولی تھی۔

”لا حول ولا قوۃ۔“ میں یہاں کو نسی باتیں کر رہا ہوں آپکو چھپکی کی پڑی ہے۔ ”طلال ماحول کافسوں ٹوٹنے پہ بد مزہ ہوا تھا۔

”مجھے ڈر لگتا ہے اس سے۔“ مُنْتَهَا نے ڈرتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کو ڈر کب نہیں لگتا۔ میرا دل کر رہا ہے میں ان چھپکیوں کی نسل کو ختم کر دوں اسلئے نہیں کہ آپکو ڈر لگتا ہے اسلئے کہ اسے میرا یہ مومن خراب کیا ہے۔“ طلال جی بھر کے بد مزہ ہوا تھا اور مُنْتَهَا کو گھورتے ہوئے بولا تھا۔

”آپکو توبس مجھے گھورنے اور ڈانٹنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔“ مُنْتَهَا نزدیکی بھلائے اب شکوئے پہ اتر آئی تھی۔

”آپ ایسے موقع دیتی ہیں مجھے۔“ طلال نے اب نرمی سے کہا تھا۔

”طلال وہ دیکھیں کیسے گھور رہی ہے۔ ضرور وہ جمپ کرے گی آپکے اوپر۔“ منتها کا دھیان سارا پچھے دیوار پہ چھپلی پہ تھا۔

”اب آپ نے اگر چیخ ماری تو میں خود آپکو اس چھپلی کے حوالے کر کے آونگا۔“ طلال نے بے لپک انداز میں کہا تھا۔ منتها اسکو گھورتی اسکے ساتھ لگی تھی اب صرف یہی حل تھا۔

”ڈیس لائک مائی گڈوا نف۔“ طلال اسکے گال کو زمی سے چھوتا اسکو اپنے حصار میں لے کے وہاں سے نکلا تھا۔ وہاں سے نکلتے ہی منتها موقع پا کے اسکے حصار سے نکل کے دور ہٹی تھی۔

”ناٹ فیر۔“ طلال پچھے کہتا رہ گیا تھا مگر منتها نے مڑنے کی غلطی نہ کی تھی۔

منتها افشاں بھا بھی کے پورشن میں آئی تھی جہاں سے عمر کی آوازیں آرہی تھیں۔

”چاچو کدھر ہیں تمہارے۔“ منتها نے آکے پوچھا تھا۔

”آپکے شوہر ہیں یہ بات آپکو پتہ ہونی چاہیے مسز طلال۔“ عمر نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”مطلوب یہاں بھی نہیں ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود یہ آدمی کہاں چلے گئے ہیں۔“ منتها کا غصے سے براحال تھا۔

”تو فون کر کے پوچھ لیں چجی۔“ مومنہ نے مشورہ دیا تھا۔

”میری بیوی بہت عقائد ہے۔ میں صدقے آپکے۔“ عمر نے کہتے ہوئے مومنہ کو آنکھ دبائی تھی۔ مومنہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی تھی۔

”فون ملا۔ اور اسپیکر پہ کرو فون۔ اور پوچھو موصوف کہاں ہیں۔“ منتها نے عمر سے کہا تھا۔ عمر نے ہدایات پہ عمل کیا تھا اور فون ملا کے اسپیکر پہ ڈالا تھا۔ بیل جارہی تھی ساتویں بیل پہ فون اٹھایا گیا تھا۔

”ہیلو۔ ”طلال کی بار عرب آواز گو نجی تھی۔

”ہیلو ہائے بعد میں کرتے ہیں پہلے بتائیں کدھر ہیں آپ۔ ”عمر نے اصل بات کی تھی۔

”یار میں آفس کے کام سے آیا ہوا ہوں۔ ”طلال نے مصروف انداز میں کہا تھا۔

”کوئی خدا کا خوف کریں آپ۔ گولیاں کھائی ہیں آپ نے وہ بھی تازہ تازہ۔ ”عمر نے اسکو احساس دلایا تھا۔

”بکواس بند کرو۔ ضروری کام تھا اسلئے آیا ہوں۔ ”طلال کہہ رہا تھا مگر پچھے ایک آواز گو نجی تھی۔

”طلال تم مجھے آج شاپنگ بھی کرو ائیں گے۔ اُس فائنل۔ ”نسوانی آواز میں کہا گیا تھا۔ وہ بلاشبہ نگینہ کی آواز تھی۔

”میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔ ”طلال نے کہتے فون بند کیا تھا۔
یہ آواز سن کے منتها کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

”میں یہاں پا گل ہو رہی ہوں موصوف کی طبیعت کو لے کہ اور وہاں شاپنگز ہو رہی ہیں
۔ ”منتها نے سرد لبجے میں کہا تھا۔

”بلکل ہے کوئی کرنے والی بات۔ ”مومنہ نے بھی حامی بھری تھی۔

”چاچو کام سے گئے ہیں وہ نگی خود آئی ہو گی وہاں۔ مجھے پتہ ہے اسکا۔ ”عمر نے طلال کی صفائی دی تھی۔

”تمہیں بڑا پتہ ہے نگی کا۔ ”مومنہ نے تیکھے انداز میں پوچھا تھا۔

”یار ہم اکٹھے کام کر رہے ہیں مطلب ہے کہ انکے پراجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔ ”عمر نے وضاحت کی۔

”وہ ساتھ کام کر رہی ہے یہ تک بتانا گوارا نہیں کیا تمہارے چاچو نے مجھے۔ ”منتها مزید تپ گئی تھی۔

”اف خدا یا۔“ عمر نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاماتھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی اس خاموشی کو منتہانے توڑا تھا۔

”اس دن تم کہہ رہے تھے ناں کہ ہمارا کوئی فارم ہاؤس ہے۔“ منتہانے عمر سے پوچھا۔

”جی ہے۔ مگر اس بات کا یہاں کیا ذکر۔“ عمر نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”ذکر یہ ہے کہ تم دونوں اپنا سامان پیک کرو میں اپنا اور آنسیہ کا کرتی ہوں ہم فارم ہاؤس جا رہے ہیں۔“ منتہانے فیصلہ سنایا تھا۔

”واو۔“ مومنہ چہکی تھی۔

”واٹ۔“ عمر کو جھٹکا لگا تھا۔

”آرام سے پیکنگ کرو۔ اگر طلال کو بھنک بھی پڑی تو میں پندرہ دن کے لیے اپنی ماما کی طرف چلی جاوے گی۔ چاہے کوئی بھی لینے آئے واپس نہیں آؤں گی۔“ منتہانے باہر نکل گئی تھی۔

عمراب پھنس چکا تھا۔

فارم ہاؤس تین گھنٹے کی ڈرائیور پہ تھا۔ جب وہ گھر سے نکلے بارہ نجح رہے تھے۔ منتہانے اپنے سمیت سب کے موبائل بند کروادیئے تھے۔ اور اب وہ جلتی کڑھتی انجوائے کر رہی تھی۔

فارم ہاؤس پہ پہنچ کے سب فریش ہوئے وہاں موجود ملازم میں کو پہلے ہی عمر بتا چکا تھا۔ آنسیہ کھلی جگہ پہ آکے بہت خوش ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ مزہ اسکو وہاں بنے سوئمنگ پول میں آرہا تھا۔ وہ دونوں ماں بیٹی مگن تھی ایک دوسرے میں۔

عمران دونوں کا دیکھ کے ہنستا ہوا ایک پر سکون گوشے میں درخت کے نیچے بنے پہنچ پہ آیا جہاں مومنہ بیٹھی ہوئی تھی۔

مومنہ اسکو بیٹھتا دیکھ کے اٹھ کے جانے لگی تھی۔

”اب بس بہت ہو گئی آنکھ مچوں۔ ”عمر نے اسکو گھورتے ہوئے واپس بٹھایا تھا۔

”نکاح میں نے اس لئے نہیں کروایا تھا کہ تم مجھ سے دور ہو جاؤ۔ کب سے میں تمہارا رویہ دیکھ رہا ہوں۔ کچھ کہہ نہیں رہا تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے خرے ہی ختم نہ ہوں۔ اگر بھی صورت حال رہی توجورِ خصتی میں نے چھ ماہ بعد کروانی تھی کل ہی کروالوں گا۔ ”عمر نے سخت لمحے میں کہا تھا۔

”اور اپنے رویوں کے بارے میں کیا خیال ہے آپکا مسٹر عمر محسن۔ ”مومنہ بھی غصے سے بولی تھی۔

”یہ مسٹر میرے نام کے ساتھ مت لگایا کرو۔ عجیب بیگانہ سارویہ ہوتا ہے تمہارا جب تم یہ کہتی ہو۔ عقل بھی استعمال کر لیا کرو۔ ”عمر نے ہنوز سرد لمحے کو برقرار رکھا ہوا تھا۔ ”میرا عقل سے کیا لینا دینا۔ میں تو ہوں ہی بے وقوف بقول تمہا۔ ”مومنہ ابھی بول ہی رہی تھی عمر نے اسکی بات اچک لی تھی۔

”بقول تمہاری دوست اور تمہارے۔ ”ہاں نال یہی کہنا چاہرہ رہی ہوناں تم۔

”جب پتہ ہے تو پوچھ کیوں رہے ہو۔ ”مومنہ کہتے تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ عمر اسکے آنسو دیکھے۔

”اسکا تو میں آج دماغ ٹھیک کرتا ہوں۔ ”عمر غصے سے کہتا اسکے پچھے گیا تھا۔ وہ جو کمرے میں بند ہونے لگی تھی عمر نے اسکا بازو جارحانہ انداز میں پکڑا تھا اور اسکو کمرے میں لا کے دروازہ سے لگاتا دروازہ زور سے بند کر گیا تھا۔

”آج اگر تم نے میرے ساتھ پہلیوں میں بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ مومنہ عمر محسن۔ ”عمر نے دانت پسیتے ہوئے خونخوار نظریں اس پہ گاڑھیں تھیں۔

”میرے سے بات کرنے کی فرصت مل ہئی گئی بلا خر آپکو۔ یادوست اب بات نہیں کرنا چاہتی آپ سے۔۔ بھولے بن رہے ہواب تم تو میں بتا دیتی ہوں۔ رمشاء کی بات کر رہی ہوں۔ اس دنیا کی سب سے عقلمند اور خوبصورت لڑکی کی۔ جس کے ساتھ تم گھومتے ہو اٹھتے ہو بیٹھتے ہو جسکو تم پسند کرتے ہو۔ میں تو بیوی قوف ہوئی ناں۔ میرے ساتھ شادی کیوں کی پھر۔ ”مومنہ نے اسکا گریبان پکڑ کے کھا تھا۔ ساری کھولن وہ نکال رہی تھی۔ عمر ان انسافاف پہ حیران کھڑا تھا۔

وہ استہزائیہ نہ ساتھا۔

”یہ تمہیں کیسا پتہ کہ میں رمشاء کو پسند کرتا ہوں۔ ”عمر نے اس سے پوچھا تھا۔ مومنہ اپنے خدشے کو سچ ہوتا دیکھ کے اسکی آنکھوں میں دکھ سے دیکھ رہی تھی۔

”بس اتنی سی ہمت تھی۔ ”عمر نے اسکی کمر میں بازو ڈال کے اپنی پاس کیا تھا۔

”عمر۔ ”مومنہ کے منہ سے نکلا تھا۔

”جانِ عمر۔ ”وہ اسکو یوں نہیں ساتھ لگائے کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ سے اسکی تھوڑی کو پکڑ کے اسکا چہرہ اوپر کرنا خود کو دیکھنے پہ مجبور کر گیا تھا۔

”دیکھو ان آنکھوں میں کسی اور کا نقش نظر آئے تو میں جان دینے کو تیار ہوں۔ ان آنکھوں نے ہمیشہ تمہیں دیکھنے کی آرزو کی ہے۔ ان کا نوں نے ہمیشہ تمہیں سننے کی چاہت کی ہے۔ ان ہاتھوں نے ہمیشہ تمہیں محروم بنانے کی خواہش کی ہے۔ یہ دل سوائے تمہارے نام کے کسی اور کے نام پہ دھڑکا ہی نہیں۔ ”عمر کے لہجے میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ جس میں وہ مومنہ کو پور پور بھگورا تھا۔

”خبردار جو آج کے بعد کچھ الٹا سیدھا سوچ کے میری جان کو پریشان بھی کیا تو۔ ”عمر اسکے نقوش کو چھو کے بولا تھا۔ مومنہ کی زبان تالو سے چپکی ہوئی تھی۔

”اب بولو بھی۔“ عمر نے اسکو سوالیہ نظر وں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی تھیں۔

”تمہاری فرینڈ نے مجھ سے اتنا برابر ابولا تھا۔“ مومنہ ہمت کر کے بولی تھی۔
”پوری بات بتاؤ۔“ عمر کی چڑیل کو کوئی کچھ کہے اور وہ برداشت کرے ایسا ہو سکتا تھا بھلا۔ مومنہ نے سب بتا دیا تھا۔

”گھر جاتے ہی پہلا کام اسکو بلا کے یا اس سے تمہارے سامنے مل کے کے یہی پوچھو نگا کہ کب میں نے اسکو یہ کہا کہ میں اسکو پسند کرتا ہوں۔“ عمر نے دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔
”اور کچھ میری جان۔“ عمر نے اسکے شر میلے روپ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
”آگے سے ہٹو اور باہر جاؤ۔“ مومنہ نے اسکو پیچھے دھکلیا تھا۔

”اب تو نوچانس۔ ویسے کاش میں تمہیں آج نہ مناتا تو تمہاری حرکتوں سے تنگ آکے میں رخصتی ہی کر دالیتا۔“ عمر نے کہا تھا۔ آنکھوں کی گستاخیں آج حد سے بڑھ رہی تھیں۔
”منہ دھو کے رکھو اپنا۔“ مومنہ کہتے باہر کو لپکی تھی۔

”سنو۔ تم مجھے سے پیار نہیں کرتی کیا۔“ عمر نے پوچھا تھا۔

”تمہیں کس نے کہا۔“ مومنہ جھٹ بولی تھی۔ بعد میں پچھتائی۔
” تو کیا کرتی ہو۔“ عمر نے ہنسنے ہوئے پوچھا تھا۔
”میں یہ بھی تو نہیں کہا۔“ مومنہ اٹھلائی تھی۔

”تمہاری رمز رمز سے واقف ہوں میں جاناں۔ عمر ہی تمہاری رگ رگ میں بسا ہوا ہے۔“ عمر کہتے ایک گستاخی کر گیا تھا۔ مومنہ جھٹ پیچھے ہٹی تھی۔ اور اسکو گھورتی باہر کو بھاگی تھی۔

عمر کے چہار سو سکون، ہی سکون تھا۔

-----،-----،-----،-----

طلال رات گئے گھر آیا تو پتہ لگا وہ چاروں فارم ہاؤس گئے ہیں۔

طلال غصے سے پا گل ہوتا انکو فون ملانے لگا مگر کسی کا بھی فون نہیں لگ رہا تھا۔ دشمنی انکی پہلے ہی تھی وہ چاروں اب رات کے اس پھر باہر تھے وہ پریشان کیسے نہ ہوتا اور سے انکے نمبرز بھی بند تھے۔

طلال نے خود جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور آخری بار عمر کا نمبر ٹرائے کیا تھا جو آن تھا اب۔

”شیر کا فون آگیا ہے چجی۔“ عمر نے منتہا کو کہا تھا۔

”سارا دن سیر سپاٹ کے بعد کی یاد آئی تھی ہماری۔“ منتہا نے غصے سے کہا تھا۔

”ہیلو۔“ عمر نے ورد پڑھتے ہوئے فون اٹھایا تھا۔

”کدھر ہو تم۔ آنبیہ، مومنہ اور منتہا تمہارے ساتھ ہیں کیا۔؟ تم لوگ ٹھیک ہو۔“ طلال نے پریشانی میں ایک ساتھ پوچھا تھا۔

”جی جی۔ میں گھر سے دس منٹ کے فاصلے پہ ہوں۔“ عمر نے کہا تھا۔ تبھی طلال کو پچھے سے مومنہ اور منتہا کے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

وہ غصے سے کھول اٹھا تھا وہ یہاں پریشانی میں پا گل ہو رہا تھا پو لیس تک کے پاس جا رہا تھا مگر یہ لوگ آؤٹنگ کر رہے تھے۔

”دس سے گیارہ منٹ نہ ہوں عمر۔“ طلال دھماڑا تھا۔ اور فون بند کر گیا تھا۔ غصے سے رگیں ابھری ہوئی تھیں۔

”طلال ریلیکس۔“ نگی نے کہا تھا۔

”اوپلیز۔ نگی سٹے آؤے فرامائے پر سلنڈر میٹر ز۔ مجھے پتہ ہے مجھے اپنی فیملی کو کیسے ڈیل کرنا ہے۔ اور ایک بات تم بھی کلیئر سن لو تمہارا جم کنسٹرکشن جیسے ہی ختم ہو گا مجھے آفس میں نظر مت آنا تم۔ کزن ہو کزن بن کے رہو۔“ طلال نے لگتے ہاتھوں اسکو جھماڑا تھا۔

”طلال میں تو۔“ نگی نے بولنا چاہا تھا۔

”پلیز۔“ طلال نے ہاتھ اٹھا کے اسکو مزید کچھ بولنے سے منع کیا تھا تبھی رقیہ بیگم آگئی تھیں۔

”ساتھیوں کلمے پڑھ لو۔ جلاڈ فل غصے میں بھرے بیٹھے ہیں۔“ عمر نے وارن کیا تھا اور گاڑی گھر کے اندر آکے رکی تھی۔

طلال چکر پہ چکر کاٹ رہا تھا۔ جبھی وہ تینوں اندر داخل ہوئے تھے مومنہ نے سوئی ہوئی آنبیہ کو اٹھار کھا تھا۔

منتہا نے جب اندر آکے نگی کو دیکھا پھر وہ آگ بولہ ہو گئی تھی۔
”کس کی اجازت سے تم لوگ گھر سے باہر گئے تھے۔“ طلال دھماڑا تھا۔

وہ سب چپ ہو گئے تھے کچھ بھی ہو غلطی انکی تھی۔ اگر نگی یہاں نہ ہوتی تو شاید منتہا غلطی مان لیتی مگر وہ پھر یہاں موجود تھی۔

”آہستہ بھی بات ہو سکتی ہے آنبیہ سو ہوئی ہے۔“ منتہا اسکی بات اور غصہ خاطر میں نہ لاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔

”مومنہ آپ آنبیہ کو کمرے میں لیٹا کے آؤ۔“ طلال نے منتہا کا بازو پکڑ کے اسکو سامنے کیا تھا۔ پہلی بار طلال کا غصے دیکھ کے سرخ ہوتی آنکھیں اور ابھرتی رگیں دیکھ کے منتہا کا حلق خشک ہوا تھا۔

”وہ چاچو۔ دراصل۔“ عمر نے کہنا چاہا تھا۔

”یوشٹ اپ۔“ تمہیں اتنی عقل نہیں کہ ہم لوگوں کو کتنا خطرہ ہے۔ چند دن پہلے والا واقعہ بھول گئے ہو کیا۔ تم سب کو لے کے سیر کو نکل گئے تھے۔ بغیر کوئی سیکیورٹی ساتھ لئے۔“ طلال نے عمر کو جھماڑا تھا۔ بات بھی درست تھی۔

”کوئی پرواہ ہے آپ لوگوں کو گھروں کی۔ میں یہاں فکر سے پاگل ہو رہا تھا۔“ طلال چیخا تھا۔

”آہا۔ فرصت مل گئی تھی نگی سے جو ہماری فکر ہوئی۔“ منتها نے تنگی سے سوچا تھا۔
”اور آپ۔ آپ نے اپنی عقل کا استعمال کیوں نہیں کیا۔ آپ کو بات کی سمجھ نہیں آتی۔“ طلال اب منتها پہ چینا تھا۔

منتها کو ویسے تو یہ ڈانٹ اتنی محسوس نہ ہوتی مگر نگی کی موجودگی میں وہ فیل کر گئی تھی۔
”آپ سے ہی کہہ رہا ہوں میں۔ بولیں جواب دیں۔“ طلال نے اسکو گھورا تھا۔

”میں مر گیا تھا کیا جو مجھے بتانا گوارہ نہیں کیا۔“ طلال نے کہتے ہوئے منتها کے دل پہ وار کیا تھا۔ وہ طلال کو آنکھوں میں آنسو لئے دیکھتی کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

طلال اسکے آنسو دیکھ کے ساتھ ہی نرم پڑا تھا۔ اور منہ پہ ہاتھ پھیر تاصوف پر رقیہ بیگم کے برابر بیٹھا تھا اور پانی کا گلاس ایک گھونٹ میں پی گیا تھا۔

”اب بندہ بیوی کو ڈانٹ بھی نہیں سکتا۔“ طلال نے ماں سے شکوہ کیا تھا۔
”یہ ڈانٹ تھی کیا میرے بچے کی۔“ رقیہ بیگم نے پوچھا تھا۔
”ماں پلیز۔“ طلال بد مزہ ہوا تھا۔

”جورو کے غلام ہیں آپ پکے۔“ عمر نے بھی پاس بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔
”اسکو بھی تو ڈانٹا ہے ناں یہ تو نہیں غصہ کر رہا۔“ طلال نے اب عمر کی مثال دی تھی۔
”ہم نایاب لوگ ہیں۔“ عمر نے فخر یہ کالراٹھا یا تھا۔

”بیٹانا نایاب نہیں ایسے لوگوں کو چکنے گھرے کہتے ہیں۔“ رقیہ بیگم نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔
”ناٹ فیئر دادو۔“ عمر نے بر امنا یا۔

”اب رور ہی ہونی ہیں کمرے میں جا کے۔ کیا کروں میں آپکی بہو کا۔“ طلال نے تاسف سے کہا تھا۔ نگی اس فکر پہلو بدل کے رہ گئی تھی۔

”اظہار محبت کریں۔ بارہا کریں۔“ عمر نے مفت مشورہ دیا خود کی نیا آج پار لگی تھی توبے حد خوش تھا۔

”ہاں آج بھی کرتا ہوں۔“ طلال نے کہا تھا۔

”تو کیا ابھی تک آپ نے اظہارِ محبت بھی نہیں کیا۔“ عمر کو افسوس نے آن گھیرا۔ خود تو جیسے وہ اس میدان میں اول تھا۔

”اب اگر تمہیں اپنی عزت پیاری ہے تو چپ بیٹھے رہو۔“ طلال نے اسکی چونچ بند کروائی تھی۔

”ویسے طلال تم نے زیادہ نہیں سرچڑھار کھانہ تھا کو۔ مرد تو اتنا کچھ کہہ لیتے ہیں اپنی بیویوں کو آگے سے وہ اف تک نہیں کر تیں مگر تمہاری بیوی۔ اف اتنا ایسی ٹیوڈ کیوں دیکھا رہی۔“ نگی کے سینے پہ سانپ لوٹ رہے تھے اسلیے ناچاہتے ہوئے بھی گفتگو میں حصہ لے لیا تھا۔

طلال خود کو کچھ سخت کہنے سے باز رکھے ہوئے تھے۔

”زر اپر واہ نہیں مجھے لگتا اس کو ویسے ہی نہ تمہاری نہ ہی تمہارے گھر کی۔ کیسے تمہیں اس حالت میں اکیلا چھوڑ کے چلی گئی۔“ نگی کی زبان فراٹے بھر رہی تھی اس سے پہلے کہ طلال اسکا دماغ درست کرتا آئیہ کافیڈر لینے آتی مرتباً نگی کا ایک ایک لفاظ سن چکی تھی۔ ”نگینہ بی بی میرے بارے میں اندازے مت لگائیں آپ تو اچھا ہے۔ مجھے اپنا گھر کا کتنا خیال ہے کتنا نہیں یہ میں اور یہاں موجود سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہاں البتہ تم ٹائم دیکھو زر اپنے گھر کی عزت کا تھوڑا خیال تم بھی کرو اور ٹائم سے گھر پہ جاؤ۔“ مرتبا کے انگ انگ سے اعتماد پھوٹ رہا تھا۔ طلال تو اسکو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ حیران تو عمر اور رقیہ بھی تھیں کہ گو نگی کو زبان لگ ہی گئی تھی آخر۔ مگر یہ زبان وہ اپنے جائز حق کے لیے استعمال کرنا جانتی تھی۔

”دیکھو طلال تمہاری بیوی۔“ نگی نے آنکھوں میں آنسوؤں لئے کہا تھا۔

طلال اپنی کزن کو ٹائم سے گھر بھجوادیں یوں رات گئے تک باہر رہنا اچھا نہیں لگتا۔ ”منتها کا بڑا طلاق کی طرف تھا۔

”وہ اپنی گاڑی لے کے آئی ہے۔ ”طلال نے کہا تھا۔ کہا بھی تو کیا۔

”یہ آدمی میرا دماغ خراب کر رہا ہے بس۔ ”منتها نے دانت پیس کے سوچا تھا۔
”طلال۔ ”منتها نے طلاق کا نام لیا تھا۔

”سن رہا ہوں منتها۔ ”طلال نے ہستے ہوئے کہا تھا۔

”دانت کس خوشی میں نکل رہے ہیں آپ کے۔ خیر آئندہ اپنے آفس کا کام آفس میں رکھیں۔ میرے گھر پہ نہ آفس کا کام آئے نہ کلائٹ۔ میں آئنیہ کافیڈر بنانے جا رہی ہوں امید ہے کہ مجھے واپسی پہ کوئی فضول بات سننے کو نہیں ملے گی۔ اور منظر صاف ملے گا۔ ”منتها سر لجھے میں شوہر کو گھورتی کہتے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”یہ کونسا وریژن تھا چھی کا۔ ”سب سے پہلے عمر نے سکتے کو توڑا تھا۔

بکواس نہ کرے میری بیوی کے بارے میں۔ ”طلال نے اسکو گھورتے ہوئے ٹوکا تھا۔ ”بیٹا آپکی بیوی آج بھری پڑی ہیں۔ آپ آپی نگی کو گھر بھجوائے آئیں تفصیلات میں بتاتا ہوں کس بات پہ انکا میٹر گھوما ہوا ہے۔ ”عمر کہتے صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

”بیٹا جاؤ کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ کوشش کیا کرو کہ صبح میں چکر لگالیا کرو۔ رات گئے گھر سے باہر رہنا اچھا نہیں لگتا۔ ”رقیہ بیگم نے بھی کہا تھا۔

”خالہ جان ہر کسی کی اپنی سوچ ہے۔ خیر بائے۔ میرے پاس گاڑی ہے میں چلی جاؤ نگی۔ ”نگی کہتے غائب ہو گئی تھی منظر سے۔

طلال نے عمر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا عمر نے اشاروں میں سارا معاملہ سمجھایا تھا۔ منتها فیڈر بنائے کچن سے نکلی تھی۔

”آنٹی آپ بھی سو جائیں کافی رات ہو گئی ہے۔ آرام کریں اب۔“ منتها نے انکے پاس آ کے کہا تھا۔

”ہاں بس جارہی ہوں۔ شب بخیر۔“ رقیہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا تھا تو منتها نے کمرے کا رخ کیا تھا۔

”بس شوہر کا نہیں خیال تمہاری پچھی کو۔“ طلال نے کڑھ کے عمر سے کہا تھا۔
”چاچو جو کارنامہ آپ نے دوپہر میں انجام دیا ہے نال اسکی سزا ہے۔ میرے سے بھی اتنی لمبی ڈرائیور والی اف میں تھک گیا۔“ عمر نے دہائی دی تھی۔

مومنہ اور عمر کے جانے کے بعد طلال نے کمرے کا رخ کیا تھا۔ دشمن جان خفا تھی منانا بھی تو تھا۔ کچھ اس کے لبھ میں وہ رشتے کامان اور اعتماد چھلکتا دیکھ چکا تھا۔ وہ مسرور سما کمرے میں داخل ہوا تھا۔

منتها اسکو اگنور کئے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی نائب لوشن لگا رہی تھی۔ طلال اسکے پچھے آ کے کھڑا ہو گیا تھا۔

”اب بندہ بیوی کو ڈانٹ بھی نہیں سکتا۔“ طلال نے معصومیت سے سوال کیا تھا۔ اس بات پر منتها کا ایک پل کو لوشن لگاتا ہا تھر کا تھا۔ مگر وہ پھر مصروف ہو گی تھی اپنے کام میں

لوشن کو دراز میں رکھا اور جانے کو واپس مڑی۔

”منتها آپ سے بات کر رہے ہوں یار میں۔“ طلال نے کہتے ہوئے منتها کی کمر میں بازو ڈال کے اسکو اپنے پاس کیا تھا۔

”یار تھوڑا سا ڈانٹا تھا آپ اتنا بر امان گئی۔ حالانکہ یوں بغیر بتائے جانا آپ کی غلطی تھی۔“ طلال نے منتها کا جھکا سرد دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں میری ہی غلطی تھی۔“ منہانے جھٹ کہا تھا۔

”ہاں۔“ طلال نے بھی اسکے انداز میں کہا تھا۔ منہانے اب کے طیش سے سراٹھایا تھا۔

”کیا کہا میری غلطی تھی۔ میں ہی غلطیاں کرتی ہوں ناں ہر بار۔“ منہانے اسکے حصار سے نکلتے ہوئے اسکی جانب قدم بڑھائے تھے اور اسکے سینے پہ انگلی بجانے کے انداز میں رکھی تھی۔ طلال ایک قدم پیچھے ہوا۔

”نہیں وہ۔“ طلال نے صفائی میں کچھ کہنا چاہا تھا۔

”آپکی فکر کی وہ بھی میری غلطی۔ پہلے بغیر بتائے آپ گئے تھے وہ بھی میری غلطی تھی نا۔“ منہانے اسکو گھورا تھا۔

”نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔“ طلال نے ہنسی کرو کتے ہوئے کہا تھا۔

”سب کے سامنے ڈالنا آپ نے وہ بھی میری غلطی تھی۔ انسان کمرے میں آکے بھی تو ڈانٹ سکتا ہے نا۔“ اب کے منہانے ایک اور شکوہ کیا تھا۔

”یار اب غصہ آگیا تھا۔ غصہ تھوڑا دیکھتا ہے کہ کہاں آنا چاہیے کہاں نہیں۔ اب کیا میں غصے کو کہتا کمرے میں جا کے آنا میری بیوی غصہ کر جائے گی۔“ طلال نے جواب دیا تھا۔ نظریں اسکے دلرباسراپے میں ال جھر، ہی تھیں سونے پہ سہاگہ اسکار و ٹھار و ٹھا انداز۔ محبوب کا ہر روپ ہی آج نرالا تھا۔

”ویری فنی۔“ منہانے چڑ کے کہا تھا۔ اب کے طلال ہنسا تھا۔

”آپ تو آفس کے کام سے گئے تھے یا اس بی بی کو شاپنگ کروانے۔ کشاپنگ پہ گئے تھے تو سیدھا سیدھا کہنا تھا نا۔ لاست ٹائم بھی آپ اس سے ہی ملنے گئے تھے میری پوچھنے پہ بات کو چھپا گئے تھے۔“ منہانے آج سب حساب بے باک کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔

”اف منہا ف۔ کیا فضول سوچیں پال رکھی ہیں اپ نے۔ ہم اسکے جم کی کنسٹرکشن کر رہے ہیں تو اس وجہ سے آفس ورک میں ساتھ تھی یہ۔ اور میں کو نسا اسکو شاپنگ پہ لے

گیا تھا میں کام سے فارغ ہوتا سیدھا گھر آیا ہوں تو آپ کے کارمانہ کا پتہ چل گیا۔ خیر لاست ٹائم بھی اسکے پراجیکٹ کو ہی ڈسکس کرنا گیا تھا میں مگر میرے ساتھ میری پوری ٹیم تھی۔ میں اماں کو یہی بتا رہا تھا آپ کو اس سب کے بارے میں بتانا نہیں چاہ رہا تھا میں سعدیہ خالہ کی وجہ سے۔ اور میں بات چھپائی نہیں گول کی تھی۔ ”طلال نے ایک ایک بات کی وضاحت کی۔

”آفس میں بھی یو نہی چپک چپک کے گھومتی ہے آپ کے ساتھ۔ ”منتها نے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھ کے پوچھا تھا۔

”آریور ٹیل منتها۔ جان لینگی میری کیا آپ۔ یہ کونسانیاروپ ہے آپکا۔ ”طلال کہتا اسکو اپنے قریب کر چکا تھا۔ منتها نے خود پہ قابو پاگی طلال کو گھورا تھا۔ آنکھیں میں کیا کیا تھا طلال سمجھ گیا تھا۔

”یہ اس کے ساتھ میرا آخری پراجیکٹ ہے۔ آئندہ یہ میرے ساتھ فری ہوتی نظر نہیں آئے گی آپکو۔ اگر کسی فی میل کے ساتھ پراجیکٹ سائن کیا آئندہ تو آپکو لازمی بتایا کروں گا۔ اور میرا خود سے اور آپ سے کیا ہو ا وعدہ پورا کو چکا ہے تو اب اور نہیں۔ ”طلال نے کہتے ہوئے آخری بات کہتے ہوئے منتها کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

”کیا مطلب۔ ”منتها نے سمجھی سے پوچھا تھا۔

”آج آپکے ہر ہر انداز سے ہمارا رشتہ پہ اعتماد چھلک رہا تھا۔ جو میں دیکھنا چاہتا تھا۔ ”طلال نے کہتے ہوئے اسکے گالوں کو سہلا یا تھا اور اسکے بالوں کو کانوں کے پیچھے کیا تھا۔ اب نظریں اسکے صبع چہرے پہ بھٹک رہی تھیں۔ منتها پذل ہوئی۔

”منتها۔ ”طلال نے سر گوشی میں اسکا نام پکارا تھا۔ منتها جی جان سے کانپ اٹھی تھی اسکے لمس سے۔ آنکھیں زرا کی زرا اٹھا کے طلال کو دیکھا تھا پھر پلکوں کی چلن گرائی تھی۔

”محبت اک رمز ہے جانا۔“ طلال نے اسکے پاس جھکتے ہوئے کہا تھا۔ اور اسکا چہرہ ایک ہاتھ سے اٹھا کے خود کو دیکھنے پہ مجبور کر گیا تھا۔

”طلال۔“ منتها کی آواز گونجی تھی۔

”جانِ طلال۔“ طلال کہتا اسکی ہتھیلی اپنے دل کے مقام پر رکھ گیا تھا۔ جہاں منتها اپنا سر رکھا کرتی تھی۔

”آپ کے نزدیک محبت کیا ہے۔“ منتها نے سوال پوچھا تھا۔ نظریں طلال کی نظر وہ سے مل رہی تھیں جہاں جذبوں کا جہاں آباد تھا۔

طلال نے ہستے ہوئے ایک نظر اپنی چھوٹی موٹی سے نازک اندام بیوی پہ ڈالی تھی اور بولنا شروع کیا تھا۔

محبت اک رمز ہے جاناں

جو دل کے صحر اپہ ابر بن کے بر سے

وہ بادل ہے جاناں

جو عشق کی بلندی کو چھو جائے

وہ معراج ہے جاناں

جو دھیان پہ دستک دے جائے

وہ خیال ہے جاناں

جو آنکھوں میں چمک اٹھے

وہ خواب ہے جاناں

جو دل میں اتر جائے

وہ حکایت ہے جاناں

جو خواب سے گزرے

وہ تصور ہے جاناں

جو شام تمہارے نام سے اترے

وہ سلوانی ہے جاناں

جو لبؤں پہ مسکان لائے

جو تم کو ستائے

جو تم کو چاہے

جو تم پہ غصہ ہو جائے

جو تم پہ مہربان ہو جائے

وہ محبت کی رمز ہے جاناں

پورب سے پچھم تک یہ سمجھ لو

بس!

محبت اک رمز ہے جاناں

(فرحت نشاط مصطفیٰ)

”اگر مختصر کہوں تو منہا آپ سراپا محبت ہیں۔“

طلال ایک جذب سے کہتے ہوئے منہا کا ہاتھ لبؤں سے لگا گیا تھا۔ منہا اپنی قسمت پہ خدا کی

شکر گزار طلال کی پناہوں میں چھپ سی گئی تھی۔

زندگی

جس میں ہر انسان کی ذات کسی کی کہانی کا ایک کردار ہے۔ کردار کہانی میں بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ہر کردار اپنے اوصاف سے اپنا مقام بناتا ہے زندگی میں بھی اور دوسروں کے دلوں میں بھی۔

اکثر سوچ آتی ہے کہ ہمارا کردار کیا ہے؟

اپنی زندگی میں یاد دوسروں کی زندگیوں میں؟

یہ ایسے سوال ہیں جن کے جواب ہم اکثر اپنی اندر ہی دباجاتے ہیں۔ کیوں؟
اس کیوں کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہر کہانی میں مختلف واقعات اور موڑ آتے ہیں قابل غور بات ہے کردار ان واقعات پر کیسے رہی ایکٹ کرتے ہیں۔

صبر کا دامن تھامے رکھتے ہیں؟ یا
ناشکری کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔

منتها ایک ایسا کردار جس کو زندگی ایک ایسے موڑ پر لے آئی جس نے اس پر طلاق کا جیسا دھبہ لگایا۔ وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی پیستی کئی۔ اسکے اندر اپنی ذات کو لے کے کہ منفی خیالات پیدا ہو گئے۔ اعتماد اور اعتبار مرد ذات سے اٹھ گیا تھا۔ وہ غلط نہیں تھی کیونکہ اسکو دھو کہ دینا والا اسکا محروم ہی تھی۔

دوسری شادی کو ہمارے معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔۔۔
کیوں؟

اس کیوں کا جواب اگر ڈھونے لگے تو یقین کریں کہ بے حد کمزور دلیل ملتے ہیں۔

ہر انسان کو اپنی زندگی جینے کا حق ہے۔ اور یہ حق ہمیں اسلام بھی دیتا ہے بشرط یہ کہ اسلام کے منافی کوئی کام نہ کیا جائے۔

طلال وجہت ایک ایسا کردار جو مرد ذات کی ایک بہترین مثال تھا۔

اسکور شتے میں مان رکھنا آتا ہے۔ وہ عورت کی عزت کرنا جانتا ہے۔
اور وہ عورت جو اسکی محرم ہو چاہے وہ اسکی ماں تھی، بیوی یا بیٹی اسکور شتے سنبھالنے آتے
ہیں۔ مگر مخلصی سے۔

یہاں قابل غور بات مخلاصہ جذبات ہیں ایک مرد کے جو اپنے محرم رشتؤں کو لے کے
ہونے چاہیے۔

زندگی میں اتار چھڑھاؤ آتے رہتے ہیں زندگی جینے کا فن ہے خدا سے لگن، صبر اور اپنے
حقیقی رشتؤں کی پہچان --